اپرادھی





رزاق شاہد کوہلر

صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے ایک نوجوان کی عبرت ناک داستان

اپرادھی

رزاق شاہد کوہلر



پبلیکیشنز
...بہ بابا فرید ضلع کچہری لاہور Ph:7311965
Aftabpublication@hotmail.com

ناشر : آفتاب ہاشمی

مصنف : رزاق شاہد کوہلر

قانونی مشیر : شیخ محمد اسلم ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

قیمت : =/150 روپے

سول ڈسٹری بیوٹرز :

دُعا پبلیکیشنز

ہیڈ آفس: 25/C سی لوئر مال لاہور فون: 042-7325418

شوروم: الحمد مارکیٹ اردو بازار لاہور فون: 042-7233585

اِنتساب

لفظوں کے جادوگر نسیم حجازی (مرحوم)

اور محی الدین نواب کے نام

جن کی تحریروں نے مجھے الفاظ

سے کھیلنا سکھایا۔

پیش لفظ

بے شمار پُراسرار ناول اور کہانیاں پڑھنے کے باوجود میں ایک تشنگی محسوس کیا کرتا تھا' ایک ایسی تشنگی جسے میں کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا۔
میں جب بھی اس موضوع پر قلم اٹھانے کی کوشش کرتا تو دروغ گوئی کسی عفریت کا روپ دھار کر میرے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی اور میں اپنے ضمیر سے شرمسار ہو کر قلم ایک طرف رکھ کر سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتا۔
پہروں سوچتے رہنے کے باوجود میں اس موضوع پر کوئی ایک سطر بھی نہ لکھ پاتا۔ میرے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ میرا اپنا ضمیر تھا۔ جو ہر بار مجھے اِیک ہی تنبیہ کرتا۔
''اس موضوع پر لکھو مگر حقائق کو نظر انداز مت کرو' خود ساختہ واقعات گھڑ کر تم ایک کتاب تو تشکیل دے دو گے مگر بے مقصد''
ایک مدت تک حقائق کی تلاش میں سرگرداں رہنے کے باوجود میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا' یہ جانتے ہوئے بھی کہ فردوسِ بریں سے نکالے گئے آدم کے بیٹوں کی نئی دنیا ایک ایسی رزم گاہ ہے جس میں ازل سے فطرت کے مختلف عناصر آپس میں برسرِ پیکار چلے آ رہے ہیں۔ مجھے یہ بھی بخوبی معلوم تھا کہ نیکی اور بدی کی یہ ازلی چپقلش صرف انسانوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس جنگ میں ایک اَن دیکھی اور بے شمار مافوق الفطرت صلاحیتیں رکھنے والی ایک غیر مرئی مخلوق بھی شامل ہے لیکن اس

موضوع پر لکھنے کے لئے میرے پاس کوئی ٹھوس اور مستند حقائق نہیں تھے۔

پھر اچانک ایک دن میری یہ دیرینہ خواہش پوری ہو گئی' مجھے جن حقائق کی تلاش تھی وہ خود بخود چل کر میرے پاس پہنچ گئے۔ یہ حقائق ایک کتاب کی شکل میں تھے جو قرآن وسنت کی روشنی میں تحریر کئے گئے تھے۔

یہ مستند کتاب شام کے ایک مشہور عالم محترم شیخ عمر سلیمان الاشقر صاحب کی تالیف شدہ تھی جبکہ ترجمہ جناب عبدالسلام سلفی صاحب نے کیا تھا۔

متذکرہ کتاب کا گہرائی سے مطالعہ ومشاہدہ کرنے کے بعد ہی میں نے زیر نظر ناول لکھنے کی جسارت کی ہے۔

بخدا! میں نے یہ ناول صرف نئی نسل کی حتی المقدور رہنمائی کرنے کے لئے صفحۂ قرطاس پر اتارا ہے۔ اس میں ایک ناول کی تمام دلچسپیاں اور لوازمات ہونے کے باوجود حقائق کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

مجھے یہ بھی بخوبی اندازہ ہے کہ ہمارے نام نہاد ادیب میری اس کاوش کو سراہنے کی بجائے حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے کیونکہ اردو ادب میں یہ پہلا پُراسرار ناول ہے جو قرآن وحدیث کے حوالوں کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے لیکن مجھے اس کی ذرا بھر بھی پرواہ نہیں ہے کیونکہ میرا مطمع نظر شہرت کمانا نہیں بلکہ نئی نسل کو سدھارنا ہے۔

خلوص کیش

رزاق شاہد کوہلر
ڈاکخانہ ومقام پارک
تحصیل وضلع ڈیرہ اسماعیل خان
Ph.0966-785079

کچھ پُراسرار دنیا کے متعلق

جنات کیا ہیں؟

انسانوں اور فرشتوں کی طرح جنات ایک الگ دنیا کا نام ہے۔ جنوں اور انسانوں میں ایک قدر مشترک ہے' دونوں فہم وادراک کی صلاحیت رکھتے ہیں' اچھے اور برے راستے میں تمیز کر سکتے ہیں۔ جن' انسانوں سے چند چیزوں میں مختلف ہیں۔ ان میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ جنوں کی حقیقت انسان کی حقیقت سے مختلف ہے۔ انہیں جن اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر 27 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وہ اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔''

جنات کی حقیقت۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

''اور اس سے پہلے جنوں کو ہم آگ کی لپٹ سے پیدا کر چکے تھے۔''

(سورہ الحجر 27)

جنات کی تخلیق کب ہوئی؟

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جنات انسان سے پہلے پیدا کئے گئے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے۔ ''ہم نے انسان کو سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے بنایا اور اس سے پہلے

جنوں کو ہم آگ کی لپٹ سے پیدا کر چکے تھے۔" (سورہ الحجر 27,26)

اس آیت کریمہ سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے پہلے ہوئی ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ جنات کی پیدائش انسان کی پیدائش سے دو ہزار برس قبل ہوئی لیکن قرآن و حدیث میں اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "جنات کو انسانوں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا گیا۔"

جنات کی قسمیں:۔

ایک قسم وہ ہے جو ہوا میں اُڑتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو سانپ اور کتوں کی شکل میں ہوتی ہے اور تیسری قسم وہ ہے جو سفر اور قیام کرتی ہے یعنی بھوت وغیرہ اس حدیث کو طبرانی، حاکم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

کیا شیطان بابائے جنات ہے؟

اس بارے میں ہمارے پاس صریح دلیل موجود نہیں کہ آیا شیطان واقعی بابائے جنات ہے یا انہی میں سے اک فرد ہے۔ آخری بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔

سورۃ الکہف کی آیت نمبر ۵۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا۔"

ابن تیمیہ رحمتہ اللہ کا مسلک ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام انسانوں کا باپ ہے اس طرح شیطان جنوں کی اصل بنیاد ہے۔

انسان اور جنات میں شادی بیاہ یا جنسی تعلق۔

بارہا سننے میں آیا ہے کہ کسی انسان نے جن عورت سے شادی کر لی یا کسی جن نے انسان عورت کو شادی کا پیغام دیا ہے۔ سیوطیؒ نے سلف سے بہت سے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں اور جنات میں شادی بیاہ اور جنسی تعلق قائم ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "مجموعہ فتاویٰ" میں لکھتے ہیں کہ کبھی کبھار

انسان اور جن آپس میں شادی کرتے ہیں اور ان کی اولاد بھی ہوتی ہے یہ چیز بہت عام اور مشہور ہے۔ نیز اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ "ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو۔" (بنی اسرائیل 64)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے شادی کی مخالفت فرمائی ہے۔ اس طرح فقہاء کا یہ کہنا کہ انسانوں اور جنات میں شادی جائز نہیں نیز تابعین کا اس کو مکروہ سمجھنا اس بات کی ایک ٹھوس دلیل ہے کہ یہ چیز ممکن ہے اگر ممکن نہ ہوتی تو شریعت میں اس کے جواز اور عدم جواز کا فتویٰ نہ لگایا جاتا۔

کیا جنات مرتے ہیں؟

اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ جنات جن میں شیاطین بھی شامل ہیں مرتے ہیں کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہیں۔

"ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے پس اے جن و انس تم اپنے رب کے کن کن کمالات کو جھٹلاؤ گے۔"

(سورہ الرحمن 26 تا 28)

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ "میں تیری عزت کے ذریعے پناہ چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس کو فنا نہیں۔ جنات اور انسان سب فنا ہونے والے ہیں۔"

ہاں یہ الگ بات ہے کہ جنات کی عمر کی مقدار کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہم صرف ابلیس لعین کی عمر کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ تا قیامت زندہ رہے گا اور اس کی تصدیق قرآن کریم کی ان آیات سے ہوتی ہے۔

"شیطان نے کہا! مجھے اس دن تک مہلت دے جب کہ یہ سب دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا (اللہ نے) تجھے مہلت ہے۔" (سورہ الاعراف 15,14)

ابلیس کے سوائے ہمیں کسی جن کی عمر کی مقدار معلوم نہیں ہے۔ ہاں یہ ہے کہ ان کی عمریں انسان سے کہیں زیادہ لمبی ہوتی ہیں۔

جنات کی جائے رہائش:-

جنات بھی اسی زمین پر بستے ہیں جس پر ہم لوگ رہ رہے ہیں زیادہ تر ویرانوں' بیابانوں اور چٹیل میدانوں کے علاوہ گندی اور نجس جگہوں پر بھی ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔ مثلاً غسلخانہ' پاخانہ' کوڑا خانہ وغیرہ۔ قبرستانوں میں بھی رہتے ہیں۔ اسی لئے علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو جنات لگ جاتے ہیں وہ زیادہ تر شیطان کے انہی اڈوں میں پناہ لیتے ہیں۔

جنات کی طاقت:-

اللہ تعالیٰ نے جنات کو ایسی قوتیں اور صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کے متعلق انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بعض طاقتوں کا ذکر بھی کیا ہے جن میں سے ایک طاقت یہ بھی ہے کہ وہ پلک جھپکتے ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتے ہیں۔

سورہ النمل کی آیت نمبر 40،39 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جنوں میں سے ایک قوی ہیکل نے عرض کیا' میں اس کو حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور میں امانت دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا ایک علم تھا وہ بولا۔ ''میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لائے دیتا ہوں۔'' جونہی سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا وہ پکار اٹھا یہ میرے رب کا فضل ہے۔''

جنوں میں روپ بدلنے کی صلاحیت:-

جنوں میں انسان اور حیوان جیسا بھیس بدلنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وہ سانپ' بچھو' اونٹ' گائے' بکری' گھوڑے' گدھے' خچر' کتے اور پرندوں کی شکل دھار سکتے ہیں اور بھی انسان کا روپ بھی بدل لیتے ہیں۔ جیسا کہ جنگ بدر میں شیطان مشرکین کے پاس سراقہ بن مالک کی شکل میں آیا تھا اور ان سے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر سورہ الانفال کی آیت نمبر 48 میں موجود ہے۔

جنات بار بار روپ دھار کر انسانوں کو ڈراتے رہتے ہیں۔ یہ بھوت پریت' چڑیلیں سب

شیطان کے سدھائے ہوئے جن ہوتے ہیں جو ازل سے اولادِ آدم کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ آسیب زدگی کے متعلق علامہ ابن تیمیہؒ اپنی کتاب ''مجموعہ الفتاویٰ'' کی چوبیسویں جلد میں لکھتے ہیں کہ ''انسان کے جسم میں جن کا داخل ہونا باالاتفاق ائمہ اہل سنت والجماعت ثابت ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے چھو کر شیطان نے باؤلا کر دیا ہو۔'' (سورہ البقرۃ: 275)

صحیح بخاری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''شیطان ابن آدم کے جسم میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے۔''

اس حدیث سے صریحاً ثابت ہوتا ہے کہ جن انسانی جسم میں داخل ہو سکتا ہے کیونکہ شیطان کا تعلق جنات سے ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے کہا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جن آسیب زدہ کے جسم میں داخل نہیں ہوتا ہے۔ والد نے جواب دیا۔ ''بیٹا! یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں' سچ تو یہ ہے کہ جن ہی آسیب زدہ انسان کی زبان سے بات کرتا ہے۔''

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے جو بات کہی ہے وہ مشہور و معروف ہے۔ جن انسان پر سوار ہوتا ہے اور انسان ایسی زبان میں بات کرنے لگتا ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے جسم پر اتنی مار پڑتی ہے کہ اگر کسی اونٹ کو مارا جائے تو اس کے بدن پر نشان پڑ جائیں اس کے باوجود آسیب زدہ شخص کو نہ اس پٹائی کا احساس ہوتا ہے اور نہ اس گفتگو کا جو اس کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔ آسیب زدہ شخص کبھی تو دوسرے انسانوں کو گھسیٹتا رہتا ہے اور کبھی اس چیز کو چیرنے پھاڑنے لگتا ہے جس پر وہ بیٹھا ہوتا ہے کبھی دیوہیکل مشینوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیتا ہے اس کے علاوہ بہت سی غیر فطرتی حرکتیں کرتا رہتا ہے۔ جو شخص اپنی آنکھوں سے کسی آسیب زدہ کا مشاہدہ کرے گا اسے یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ جو چیز آسیب زدہ انسان کی زبان سے بات کر رہی ہے اور چیزوں کو الٹ پلٹ کر رہی ہے وہ انسان کے علاوہ کسی دوسری صنف کی مخلوق ہے۔ ابن تیمیہؒ مزید کہتے ہیں کہ ائمہ مسلمین میں کوئی بھی

اس بات کا منکر نہیں کہ جن آسیب زدہ شخص کے جسم میں داخل ہوتا ہے۔ جو اس کا انکار کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ شریعت اس کو نہیں مانتی وہ شریعت پر تہمت لگاتا ہے۔ شرعی دلائل میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس سے اس کی تردید ہوتی ہو۔

سفلی علوم کے ذریعے جنات اور شیاطین کو تابع کرنا۔

مشرک جن و شیاطین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور کفر و شرک اختیار کرتے ہیں۔ ابلیس اور اس کا طاغوتی لشکر بھی شر پسند ہے وہ شرک کرتے ہیں اور شر ہی کی تلاش میں مگن رہتے ہیں۔ اگر چہ یہ ان کے اور جن کو یہ گمراہ کر رہے ہیں سب کے لئے عذاب کا موجب ہے۔ شیطان خود خبیث ہے اس لئے جب تعویذ گنڈے کرنے والے نام نہاد روحانیت کے عامل جنات اور شیاطین کی خدمت میں کفر و شرک کا محبوب نذرانہ لے کر جاتے ہیں تو گویا یہ ان کیلئے رشوت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ ان کے کچھ کام کر دیتے ہیں۔

سفلی علوم کے کافرانہ دھندے میں ملوث لوگ بہت سے کاموں میں اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کو گندی اور ناپاک چیزوں پر لکھتے ہیں۔ کبھی قل ھو اللہ احد کے حروف کو پلٹ دیتے ہیں۔ کبھی اللہ کے دیگر کلام کو الو یا چمگادڑ کے خون اور اس طرح کی دوسری گندی چیزوں سے تحریر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی چیزیں جن سے شیطان خوش ہوتا ہے لکھتے ہیں یا زبان سے پڑھتے ہیں۔ جب شیطان کی مرضی کے مطابق کچھ لکھتے یا پڑھتے ہیں تو شیطان بہت سے غلط کاموں میں ان کی مدد کرتا ہے۔ کبھی کسی کنویں کا پانی عامل کی مرضی کے مطابق گہرائی میں کر دیتا ہے کبھی ان کو ہوا میں اڑا کر کسی دوسری جگہ پہنچا دیتا ہے اور کبھی کسی کا مال چرا کر ان کے پاس لے آتا ہے اس طرح کے دیگر کاموں میں جن اور شیاطین عامل کی مدد کرتے رہتے ہیں۔

دورِ اسلام میں جس نے اس کی داغ بیل ڈالی تھی وہ ابو نصر احمد بن ہلال البکیل تھا۔ یہ شخص جنوں سے کام اور خدمت لیا کرتا تھا اور ان سے ہمکلام بھی ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاس تعجب خیز چیزیں اور آزمودہ عملیات تھے۔

مصنف

"میں کسی صورت بھی تمہاری اس بکواس پر یقین کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ خدا کی پناہ! اکیسویں صدی شروع ہو چکی ہے اور یہ حضرت ابھی تک چڑیلوں اور آسیبوں کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ دنیا چاند کے بعد مریخ کو تسخیر کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے اور ہماری یہ حالت ہے کہ ہم ابھی تک چڑیلوں اور جن بھوتوں کے قصے الاپ رہے ہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے؟"

کاشف ایک دم سجاد کی گفتگو سن کر جھنجھلا اٹھا۔ کمرے کا ماحول ایک لمحے میں کشیدہ ہو گیا اور وہ دل مسوس کر کے رہ گیا۔ کاشف اس کے بچپن کا دوست تھا۔ سکول سے لے کر کالج تک ان دونوں نے ایک ساتھ تعلیم حاصل کی تھی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہ غم روزگار میں الجھ کر رہ گیا اور کاشف ایک امیر باپ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے ہر غم سے آزاد تھا اس لئے جدید سوسائٹی کے رنگ میں رنگتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ دین سے دور ہوتا گیا لیکن وہ باقاعدگی کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھتا رہتا تھا اور ساتھ ساتھ اسے روحانی علوم سے بھی خاص دلچسپی تھی۔

سجاد نے کاشف کی بات سن کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نرم لہجے میں بولا۔

"کاشف! یہ دنیا جو دن کے وقت اتنی جاذب نظر اور پر رونق نظر آتی ہے رات کے وقت پر اسرار کیوں لگنے لگتی ہے۔ دن کے وقت دنیا کا بزدل ترین شخص بھی نہیں ڈرتا لیکن رات کی

تنہائی اور سناٹا بڑے بڑے بہادروں کو خوفزدہ کر دیتا ہے۔ آخر کیوں؟ اس سوال کا جواب ہے تمہارے پاس؟"

"ہاں ہے جواب۔" وہ بپھر کر بولا۔

"ارشاد ارشاد" سجاد نے طنزاً کہا۔

اس نے ایک ثانیے کے لئے سوچا اور پھر بڑے فلسفیانہ انداز میں بولا۔ "انسان نفسیاتی طور پر اندھیرے سے خائف رہتا ہے اس لئے تاریکی میں وہ ایک بلی سے بھی خوفزدہ ہو جاتا ہے جب کہ اس کے برعکس روشنی میں وہ خوفناک ترین چیز دیکھ کر بھی نہیں ڈرتا۔ رات اور دن کے درمیان صرف تاریکی کا فرق ہے صرف تاریکی کا سمجھے۔" اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔

"لیکن یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے میرے دوست! انسان آخر نفسیاتی طور پر صرف تاریکی سے کیوں ڈرتا ہے۔ اجالے سے کیوں نہیں ڈرتا۔ سوچو! رات کی تاریکی اور پُر اسراریت میں ضرور کوئی راز پنہاں ہے۔" سجاد کا انداز سمجھانے والا تھا۔

"تمہاری یہ فلسفیانہ گفتگو میری سمجھ سے باہر ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں تمہاری کسی دلیل سے قائل ہونے والا نہیں ہوں۔" اس نے زچ ہو کر جواب دیا۔

سجاد نے مسکرا کر کہا۔ "یوں کیوں نہیں کہتے کہ تم نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔"

"شکست تسلیم کرتی ہے میری جوتی میں صرف تمہاری بک بک سے تنگ آ گیا ہوں یہ چڑیلیں اور جن بھوت صرف افسانوی کردار ہیں خود ساختہ۔ حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے یہ صرف چالاک اور عیار انسانوں کے من گھڑت قصے ہیں جو انہوں نے کمزور دل اور ناقص العقل انسانوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے گھڑے ہیں۔"

وہ کسی طرح بھی سجاد کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ سجاد نے تھک کر نزدیکی میز پر پڑا ہوا گلاس اٹھایا اور جگ سے پانی لینے کے بعد ایک ہی سانس میں پی گیا۔ پانی پی لینے کے بعد اس نے گلاس کو دوبارہ میز پر رکھا اور ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اچھا یہ بتاؤ کیا تم جنات کو برحق مانتے ہو؟"

"بالکل مانتا ہوں بلاشک وشبہ کیونکہ قرآن پاک میں جنات کا تذکرہ موجود ہے اور بحیثیت مسلمان میں اس حقیقت سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔" اس نے سجاد کی توقع کے عین مطابق جواب دیا۔

"تو پھر تم اس حقیقت کو بھی نہیں جھٹلا سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو مختلف روپ دھارنے کی صلاحیت بخشی ہے؟"

"قطعی نہیں جھٹلا سکتا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سفلی علوم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" سجاد نے اسے لائن پر آتے ہوئے دیکھ کر دوسرا سوال کیا۔

"بالکل بکواس ہے۔ سادہ لوح لوگوں کو لوٹنے کا ایک بہترین اور آسان ذریعہ ہے۔" وہ دوبارہ جھڑکی سے اتر گیا۔

"نہیں کاشف تم دوبارہ غلطی کر رہے ہو سفلی علوم دنیا میں موجود ہیں اور اس کے عامل جنوں اور انسانوں میں سے ہیں جو ایسے ایسے مافوق العقل مناظر دکھاتے ہیں کہ ایک عام انسان چکرا کر رہ جاتا ہے۔ دنیا میں ازل سے نیکی اور بدی کی یہ جنگ جاری ہے اور حشر تک جاری رہے گی۔" سجاد حتی المقدور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"میں نہیں مانتا کسی سفلی علوم کو۔" اس نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

"چلو میں مان لیتا ہوں کہ تمہاری بات درست ہے لیکن تم خدا تعالیٰ کی ان برگزیدہ ہستیوں کے متعلق کیا کہو گے جن کے معجزات پڑھ کر آج بھی انسان ورطہ حیرت میں پڑ جاتا ہے؟" سجاد نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ان کی بات اور تھی انہیں خدا تعالیٰ نے بخشا تھا یہ مقام اور یہ ان کی عبادت و ریاضت کا صلہ تھا۔ انہوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر یہ مقام حاصل کیا تھا۔"

"بالکل بجا فرمایا ہے تم نے لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو وہ یہ کہ اگر ایک مومن خدا تعالیٰ سے لو لگا کر عبادت و ریاضت کے کڑے مراحل سے گزر کر مافوق العقل طاقتیں

حاصل کرسکتا ہے تو کیا ایک بدکار انسان یا جن شیطان کی پیروی کر کے اور اسے اپنا آقا مان کر نیک لوگوں کو صراطِ مستقیم سے بھٹکانے کیلئے طاغوتی طاقتیں حاصل نہیں کرسکتا...... بولو جواب دو؟'' سجاد ایک دم پُر جوش ہو گیا تھا۔

''شیطان راندہ درگاہ ہے وہ کیا کسی کو طاقت عطا کرسکتا ہے؟'' اس نے اکھڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو پڑھا ہے نا؟'' سجاد نے اس کے سوال کو مدنظر رکھتے ہوئے پوچھا۔

''پڑھا ہے۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''پڑھا ہے تو پھر تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کیلئے جو جادوگر بلائے تھے انہوں نے سفلی علوم ہی کے ذریعے اپنی اپنی رسیوں کو سانپ بنا دیا تھا۔'' سجاد نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں معلوم ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا

''تو اب ذرا یہ بتاؤ کہ موسیٰ علیہ السلام کے عصا مبارک کو کس نے ایک عظیم اژدہے میں بدل دیا تھا؟''

''اللہ تعالیٰ کی ذات نے۔'' اس نے میکانکی انداز میں جواب دیا۔

''تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ دنیا میں دو طاقتیں برسرِ پیکار ہیں۔ ایک بدی کی اور دوسری نیکی کی؟'' سجاد نے اسے دوبارہ لائن پر آتے دیکھ کر فوراً سوال کر دیا۔

''بالکل ثابت ہوتا ہے لیکن یہ قبل از مسیح کی باتیں ہیں کیونکہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا تھا۔''

سجاد نے داد بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور ایک لمحہ توقف کے بعد بولا۔

''تمہاری بات بالکل درست ہے لیکن سفلی علوم دنیا میں اب بھی موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ یہ علم بدکار انسانوں اور جنوں کو شیطان سکھاتا ہے۔ شاید تمہیں یہ بات معلوم نہ ہو کہ حضورؐ پر بھی جادو کیا گیا تھا اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہؓ سے

روایت ہے کہ قبیلہ بنو زریق کے ایک یہودی لبید بن اعصم نے آپؐ پر جادو کر دیا تھا اور آپؐ کو ایسا لگتا تھا کہ آپؐ کچھ کر رہے ہیں لیکن حقیقتاً ایسا ہوتا نہیں تھا۔ بعد میں آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کے ذریعے آپؐ کی مدد فرمائی جنہوں نے آپؐ کو جادوگر لبید بن اعصم کا نام بھی بتا دیا اور اس جگہ کی نشاندہی بھی کر دی جہاں سے آپؐ پر جادو کیا گیا تھا۔ جانتے ہو وہ جگہ کون سی تھی؟''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تو سنو وہ ذی اروان نامی ایک کنواں تھا جہاں کنگھی کے بالوں اور کھجور کے کھوکھلے شگوفوں کے ذریعے آپؐ پر جادو کیا گیا تھا۔ فرشتوں کے بتانے کے بعد آپؐ اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ مطلوبہ جگہ پر پہنچ گئے اور کنویں سے بال اور کھجور کے شگوفے نکال کر انہیں زمین میں دفن کر دیا۔'' سجاد تفصیل بتاتے ہوئے بولا۔

''میں مانتا ہوں لیکن اس سے چڑیلوں اور جن بھوتوں کا کیا تعلق ہے؟'' اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا

''تعلق ہے' چڑیلیں اور جن بھوت بھی شیطان کے پیروکار ہوتے ہیں اور اسی مردود کے حکم سے انسانوں کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔'' سجاد نے لفظ ''تعلق'' پر زور دے کر جواب دیا۔

''دیکھو سجاد!'' وہ یکدم ٹھنڈا پڑتے ہوئے بولا۔ ''دنیا میں واقعی دو طاقتیں موجود ہیں ایک نیکی کی اور دوسری بدی کی۔ نیک لوگ نیکی کی طاقتوں کے پیروکار ہوتے ہیں اور بدکار اور جرائم پیشہ لوگ بدی کے راستے پر گامزن رہتے ہیں لیکن نیکی اور بدی کی یہ جنگ صرف انسانوں تک محدود ہوتی ہے اس میں جن اور بھوت کہاں سے آ گئے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں روحانی عملیات میں کافی مہارت حاصل ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم مجھے غیر مرئی مخلوقات کے قصے سنانے بیٹھ جاؤ۔''

''کاش یہ جنگ انسانوں تک محدود رہتی۔'' سجاد نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا۔

''انسانوں تک ہی محدود ہے میرے دوست! خواہ مخواہ کی Tention مت لو

"PleaseTake it easy" اس کے انداز میں بے پروائی تھی۔

"کاشف!" سجاد نے اسے بلند آواز سے پکارا "تم صراط مستقیم سے بھٹکتے جا رہے ہو میرے دوست! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ شیطان جب راندہ درگاہ کیا جا رہا تھا تو اس وقت اس مردود نے اللہ تعالیٰ سے واضح الفاظ میں یہ کہا تھا کہ میں تمہارے نیک بندوں کو سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کروں گا۔ یہ چڑیلیں اور جن بھوت شیطان کے کارندے ہیں اس کی طاغوتی طاقتوں کے ناقابل تردید کرشمے ہیں۔ میرے دوست' شیطان انسان کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہا ہے۔ انسانوں سے زیادہ جن اس کے طاغوتی لشکر میں شامل ہیں اور اس کی طاغوتی طاقتوں کا شکار وہی لوگ ہو جاتے ہیں جو صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تم کسی دن کسی شیطانی طاقت کے ہتھے نہ چڑھ جاؤ کیونکہ بحیثیت مسلمان تمہارا کردار دن بدن زوال پذیر ہوتا جا رہا ہے۔ اپنے آپ کو سنوار لو کاشف ورنہ..........؟"

"Dont Worry یار! میں جدید ہندوستان کا باشندہ ہوں۔ میں کسی صورت میں ایسی لغویات پر یقین کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔" وہ سجاد کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی فخریہ انداز میں بولا۔

سجاد نے پریشان کن انداز میں اس کی طرف دیکھا اور سامنے لگے ہوئے وال کلاک کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ مغرب کی نماز کا ٹائم ہونے والا تھا۔

"کیوں۔ کیا خفا ہو گئے ہو؟" اس نے سجاد کو اٹھتے ہوئے دیکھ کر سوال کیا۔

"نہیں تو۔" سجاد نے مختصر سا جواب دیا۔

"تو پھر منہ کس لئے لٹکا رکھا ہے۔ کیا اس لئے کہ میں تمہارے دلائل سے قائل نہیں ہو سکا۔" اس کے لہجے میں طنز چھپا ہوا تھا جسے سجاد نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا۔

"وقت تجھے اس طرح قائل کرے گا کہ پھر زندگی بھر کسی کی بات کو جھٹلانے کی کوشش نہیں کرو گے۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا تو لمحہ بھر کیلئے کاشف کا رنگ اڑ گیا اور اس کی ساری شوخی ہوا ہو گئی تاہم وہ سنبھل کر بولا۔

"میرے دوست! تب کی تب دیکھی جائے گی فی الحال تو میں ایسی فضولیات میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر مجھے اجازت دو میں نے مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد ابھی ایک عمل بھی کرنا ہے تم تو ایسی باتوں سے آزاد ہو نا۔" سجاد نے مصافحے کیلئے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی۔"

اس نے شوخ انداز میں ناصر کاظمی کا مصرعہ دہرایا اور سجاد سے ہاتھ ملانے کے بعد کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد سجاد نے جلدی سے باتھ روم میں گھس کر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد مغرب کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

====OOO====

جس وقت کاشف سجاد کے گھر سے نکل کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہو رہا تھا عین اسی وقت شہر سے تقریباً بیس کلو میٹر دور ایک سالخوردہ مندر میں ایک کالا بھجنگ پجاری جس کے مکروہ چہرے کو چیچک کے داغوں نے ضرورت سے زیادہ بھیانک بنا دیا تھا وحشیانہ انداز میں قہقہے لگا رہا تھا۔ اس کے بدن پر صرف ایک دھوتی تھی۔

شام کے ملگجے اندھیرے نے مندر کو حد درجہ پراسرار بنا دیا تھا اور اوپر سے اس بھیانک پجاری کے فلک شگاف قہقہوں نے ماحول پر خوف کی ایک ایسی فضا طاری کر رکھی تھی کہ یہ منظر اگر ایک عام آدمی دیکھ لیتا تو خوف کی شدت سے مر جاتا یا پھر طویل بے ہوشی کا شکار ہو جاتا۔

یہ قدیم مندر ایک ایسے ویران مقام پر واقع تھا کہ رات تو رات دن کے وقت بھی کوئی ذی شعور انسان اس کے قریب نہیں پھٹکتا تھا۔ یہ علاقہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی ملی جلی آبادی پر مشتمل تھا تاہم اکثریت مسلمانوں کی تھی۔

پجاری کے قہقہے آہستہ آہستہ تھمتے گئے اور پھر ایک لمحہ بعد مندر میں ہولناک سناٹا چھا

گیا۔ مندر کے وسیع و کشادہ کمرے میں چند شمعیں روشن تھیں۔ جو کمرے کی تاریکی کو کسی حد تک کم کر رہی تھیں لیکن کمرے کی وسعت کے لحاظ سے یہ چند شمعیں ناکافی تھیں۔

کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے اچانک پجاری دھاڑا۔ ''نندنی! تم کہاں ہو؟ فوراً حاضر ہو جاؤ۔'' شکل کی طرح اس کی آواز بھی خوفناک تھی۔

یکایک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور تمام شمعیں چشم زدن میں گل ہو گئیں اب مندر کے اس کمرے میں ایسی تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا لیکن پجاری نے ذرا برابر بھی اس اعصاب شکن تاریکی کا نوٹس نہ لیا کیونکہ وہ ظلمت کا پیروکار تھا ابلیس کا ایک بہت بڑا نمائندہ تھا اور ظلمت کے پجاری صرف نور سے ڈرتے ہیں تاریکی سے نہیں۔

معاً مندر میں کپڑوں کی سرسراہٹ کی آواز گونجی اور بجھی ہوئی شمعیں دوبارہ روشن ہو گئیں۔ ایک بار پھر کمرے میں ملگجی سی روشنی پھیل گئی لیکن اب کی بار پجاری مندر کے کمرے میں اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے سامنے ایک حور شمائل دوشیزہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ جس کے چہرے پر خوف اور تردد کی ملی جلی کیفیت طاری تھی۔

پجاری اسے دیکھتے ہی خونخوار لہجے میں غرایا۔ ''تم نے حاضر ہونے میں اتنی دیر کس لئے لگا دی ہے۔ کیا تمہیں اپنی زندگی کی چنتا نہیں ہے؟''

''مہاراج! میں اپنا شکار ڈھونڈنے میں مصروف تھی بس اسی وجہ سے ذرا دیر ہو گئی ہے۔ ورنہ میں آپ کی حکم عدولی کرنے کی جرأت کبھی نہیں کر سکتی۔'' دوشیزہ نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

''نندنی! تم اپنی اصلیت سے اچھی طرح واقف ہو اور یہ بھی جانتی ہو کہ تمہاری یہ زندگی آقا ابلیس کی دی ہوئی سوغات ہے۔ وہ جب چاہے تمہیں جلا کر بھسم کر سکتا ہے لیکن ہر بار میری پوجا سے خوش ہو کر آقا ابلیس تمہیں معاف کر دیتا ہے ورنہ اب تک تو تمہارا نام و نشان بھی مٹ چکا ہوتا۔'' پجاری اسے دھمکاتے ہوئے بولا۔

''یہ کرپا ہے مجھ پر مہاراج کی ورنہ میں کس قابل ہوں۔'' نندنی نے احسانمندانہ انداز میں جواب دیا۔

پجاری مایوسی سے بولا۔ ''نندنی میری یہ کرپا تمہیں صرف چند روز تک زندہ رکھ سکتی ہے اس کے بعد میں بے بس ہو جاؤں گا اور پھر تمہیں ایک عبرت ناک موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' پجاری کی بات سن کر ایک لمحے کیلئے تو نندنی سر تا پا لرز اٹھی مگر پھر سنبھل کر بولی۔

''مہاراج! میرا دوش کیا ہے۔ میں نے تو آج تک کوئی جرم نہیں کیا۔ میں تو آقا ابلیس کی ایک ادنیٰ سی داسی ہوں اور اس کے لئے برسوں سے آدم کی اولاد کو بھٹکاتی آ رہی ہوں اور بھٹکاتی رہوں گی۔''

''نندنی! تم کیسی جن زادی ہو؟ تم سے تو اس جدید دور کی لڑکیاں بھی زیادہ تیز ہیں جو اچھے خاصے ایک باہوش اور عقل مند نوجوان کو پلک جھپکنے کی دیر میں ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیتی ہیں۔ مگر تم پچھلے ایک برس سے میرا مطلوبہ نوجوان نہیں ڈھونڈ سکیں، یہ تمہارا دوش نہیں تو اور کیا ہے؟'' پجاری نے خوں خوار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

''مہاراج! اس میں میرا کوئی دوش نہیں ہے۔ قسم آقا ابلیس کی، میں نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی ہے مگر مجھے کہیں بھی آپ کا مطلوبہ نوجوان نظر نہیں آیا۔ میں آپ کو وچن دیتی ہوں کہ جب بھی مجھے آپ کا مطلوبہ نوجوان مل گیا اسی دن اسے آپ کے چرنوں میں لا پھینکوں گی میرا وشواش کریں۔'' نندنی نے امید بھری نظروں سے پجاری کی طرف دیکھتے ہوئے پرعزم لہجے میں کہا۔

کالے بھجنگ پجاری نے ایک ثانیے کیلئے خاموشی اختیار کر لی اور اس کی تنگ پیشانی پر سوچ کی لکیریں ابھر ابھر کر ڈوبنے لگیں۔ شاید وہ کسی گہری سوچ میں گھر گیا تھا تبھی نندنی کی موجودگی سے بے خبر نظر آ رہا تھا مگر نندنی بدستور رحم طلب نظروں سے اس کی جانب دیکھے جا رہی تھی۔

اچانک وہ نندنی کی طرف متوجہ ہوا اور اس کے بھیانک چہرے پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''نندنی۔'' اس بار اس کے لہجے میں نرمی تھی۔

''جی مہاراج۔'' وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

''تمہارا مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ کاش مجھے اس بات کا پہلے خیال آ جاتا تو ہمیں اس قدر پریشان نہ ہونا پڑتا۔ ہمارے پاس وہ مطلوبہ نوجوان ڈھونڈنے کا ایک بالکل آسان ذریعہ موجود ہے۔''

''کون سا ذریعہ مہاراج۔'' نندنی نے بے چینی سے استفسار کیا۔

''آئینہ سامری۔'' اس نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

''مہاراج شمبھوناتھ کی جے۔'' نندنی نے پُرمسرت نعرہ لگایا۔

''چلو نندنی آئینہ سامری میں دیکھتے ہیں کہ ہمارا مطلوبہ نوجوان کہاں ہے؟'' پجاری شمبھوناتھ نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں مندر میں موجود ایک قدیم تہہ خانے کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ تہہ خانے میں پہنچنے کے بعد نندنی نے جلدی سے ایک شمع جلا دی جس سے وہاں خاطر خواہ روشنی پھیل گئی اس تہہ خانے میں عجیب و غریب قسم کی پُراسرار چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ ایک طرف چند انسانی کھوپڑیاں ایک ترتیب سے اوپر نیچے دھری ہوئی تھیں۔

سامنے ایک قدرے بلند چبوترے پر کالی دیوی کا بھیانک بت ایستادہ تھا جس کی خوفناک آنکھوں سے شعلے سے لپکتے ہوئے محسوس ہوتے تھے اور چہرہ قہر و غضب کی علامت پیش کر رہا تھا۔ یہ بت صدیوں سے حیوانی اور انسانی جانوں کا بلیدان لیتا آ رہا تھا۔

کالی دیوی کے بت کے سامنے پہنچتے ہی شمبھوناتھ نے نندنی سے کہا۔ ''بلیدان دینے کے لئے فوراً ایک کم سن لڑکے کا بندوبست کرو کیونکہ کالی میا کو خوش کئے بغیر ہم اپنے مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔''

شمبھوناتھ کا حکم سنتے ہی نندنی فوراً غائب ہوگئی۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ دوبارہ تہہ خانے میں نمودار ہوئی تو اُس نے ایک کم سن لڑکا اُٹھا رکھا تھا۔ لڑکے کی عمر بمشکل پانچ برس کے قریب تھی اور وہ بے ہوش تھا۔ نندنی نے بے ہوش لڑکے کو کالی دیوی کے چرنوں میں ڈالا اور پھر اپنے لباس سے ایک تیز دھار خنجر نکال کر شمبھوناتھ کے حوالے کر دیا۔

شمبھوناتھ خنجر لے کر آگے بڑھا اور بے ہوش پڑے ہوئے لڑکے کے قریب پہنچ کر ایک

لمحے کے لئے ساکت کھڑا ہوگیا۔ نندنی بڑے غور سے اُس کی حرکات و سکنات دیکھ رہی تھی۔ معاً شمبھوناتھ نے خنجر کو فضا میں بلند کیا اور پھر ''جے کالی'' کا منحوس نعرہ لگاتے ہوئے اُس نے بے ہوش پڑے ہوئے لڑکے کی گردن پر خنجر پھیر دیا۔

معصوم لڑکے کا جسم ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا اور اُس کی گردن سے اُبلنے والا خون کالی دیوی کے چرنوں میں بہنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد لڑکے کا تڑپتا ہوا جسم ساکت ہو چکا تھا۔

شمبھوناتھ اور نندنی فوراً بت کے سامنے سر جھکا کر اور ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ وہ دونوں کسی عجیب و غریب زبان میں بت کے سامنے کوئی منتر بڑبڑاتے جا رہے تھے اور دونوں کی آنکھیں بند تھیں۔ ایک لمحہ بعد اچانک کالی دیوی کے بت میں ایک حرکت سی محسوس ہوئی اور تہہ خانہ سانپوں کی پھنکار سے گونج اٹھا۔ جسے سن کر ان دونوں کی بڑبڑاہٹ میں تیزی آ گئی۔ اب تہہ خانے کے نیم پختہ فرش پر سینکڑوں سانپ رینگ رہے تھے مگر وہ دونوں سانپوں کی موجودگی سے بے خبر آنکھیں بند کئے منتر جاپنے میں مصروف رہے۔

یکایک بت کے لب متحرک ہوئے۔ ''مورکھ! کیا چاہتا ہے؟''

ایک لمحے کے لئے تو وہ دونوں یہ آواز سن کر شدتِ خوف سے لرز اٹھے مگر پھر شمبھوناتھ ہمت کر کے بولا۔ ''کالی میا! اپنے اس پجاری کا دیا ہوا بلیدان سویکار کر لے۔ میں ایک عجیب سمسیا (مسئلہ) میں پھنس گیا ہوں۔''

کالی دیوی کے لبوں سے دوبارہ آواز نکلی۔ ''مورکھ! جو شکتی تُو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ کسی دن تمہیں نرک میں پہنچا دے گی۔ بہتر یہی ہے کہ تم اس سے باز آ جاؤ۔'' بظاہر کالی دیوی کے لب متحرک تھے لیکن آواز کا مرکز کہیں اور تھا۔

''نہیں میا! اس مہان شکتی کو حاصل کرنے کے لئے میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے بس آپ کی آگیا (اجازت) درکار ہے اور میں اس مقصد کے لئے آئینہ سامری استعمال کرنا چاہتا ہوں۔'' شمبھوناتھ نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''پچھتائے گا مورکھ! تیرا مطلوبہ نوجوان تیرے لئے سانپ کے منہ میں چھپکلی کی طرح ثابت ہوگا جسے تُو نہ نگل سکے گا اور نہ اگل سکے گا۔ اب بھی سمے ہے واپس لوٹ جا۔''

کالی دیوی نے دوبارہ اسے انجام سے باخبر کرتے ہوئے جواب دیا۔

''کچھ بھی ہو جائے میا! میں وہ مہان شکتی حاصل کر کے رہوں گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' وہ پُرعزم لہجے میں بولا۔

''جا مورکھ! آئینہ سامری استعمال کر کے دیکھ لے۔'' کالی دیوی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

شمبھوناتھ کالی دیوی کی اجازت پا کر مسرور انداز میں آگے بڑھا اور ایک زنگ آلود آہنی الماری کے سامنے پہنچ کر ٹھہر گیا۔

آہنی الماری میں ایک بڑا سا قفل لگا ہوا تھا۔ شمبھوناتھ نے قفل پر نگاہیں جمائیں اور منہ سے کوئی منتر جاپنے میں مصروف ہوگیا۔ ایک ثانیہ کے بعد تہہ خانے میں کھٹاک کی آواز گونجی اور آہنی الماری کا قفل خود بخود کھل گیا۔

شمبھوناتھ نے بڑی سرعت کے ساتھ الماری کے دونوں پٹ کھولے اور ایک گرد آلود آئینہ باہر نکال لیا لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ یہ آئینہ عام آئینوں سے بالکل مختلف تھا کیونکہ اس آئینے کے دونوں رخ سیاہ تھے۔ ظلمت سے متعلق ہر چیز کا اصل سیاہ ہوتا ہے۔ عامل سیاہ..... معمول سیاہ حتیٰ کہ ظلمت کا سرچشمہ شیطان مردود بھی سیاہ ہے۔

آئینہ باہر نکالنے کے بعد شمبھوناتھ نے اسے جلدی جلدی جھاڑا اور آگے بڑھ کر اسے تہہ خانے کی مشرقی دیوار پر لٹکا دیا۔

ظلمت ایک بار پھر نور سے برسرِ پیکار ہو رہی تھی۔ ازل سے لے کر اب تک نور سے شکست کھانے کے باوجود ظلمت کے پیروکاروں کی آنکھیں نہیں کھلی تھیں کیونکہ ظلمت کا علم بردار ابلیس انہیں سبز باغ دکھاتا رہتا ہے اور انہیں ان کے بدنما کرتوت خوشنما روپ میں دکھانا اس کا پرانا ہتھکنڈہ ہے۔

شمبھوناتھ کو بھی ابلیس نے مہان شکتیوں کے خواب دکھائے تھے تبھی وہ آئینہ سامری

کے سامنے کھڑا اپنے انجام سے بے خبر کالی زبان سے کالے منتر جاپنے میں مشغول تھا۔ نندنی اگرچہ چپ سادھے کھڑی تھی مگر اس کی نگاہیں بھی آئینہ سامری پر لگی ہوئی تھیں۔

یکا یک آئینہ سامری کسی اسکرین کی طرح روشن ہوگیا اور شمبھوناتھ منتر چھوڑ کر آئینے کی طرف متوجہ ہوگیا۔

آئینے پر سب سے پہلے ایک خوبصورت کوٹھی کے مین گیٹ کا منظر ابھرا۔ گیٹ کی دائیں سائیڈ پر ایک نیم پلیٹ لگی ہوئی تھی جس پر کسی طارق جمیل نامی شخص کا نام لکھا ہوا تھا۔ گیٹ کے بعد کوٹھی کا خوبصورت دالان نظر آنے لگا۔ آہستہ آہستہ منظر تبدیل ہوتے گئے اب آئینے میں ایک خوبصورت اور دیدہ زیب کمرے کا اندرونی منظر نظر آنے لگا تھا۔ کمرہ بناوٹ کے لحاظ سے کسی کی خوابگاہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس جدید اور خوبصورت کمرے میں موجودہ دور کی ہر وہ آسائش موجود تھی جس کا تصور ایک عام اور مفلس آدمی خواب میں بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں ایک خوبصورت ٹرالی پر ایک نفیس اور امپورٹڈ ٹی وی سیٹ رکھا ہوا تھا۔ ٹرالی کے نچلے خانے میں ایک خوبصورت کیسٹ پلیئر موجود تھا۔ ایک طرف ایک کشادہ اور خوشنما بیڈ دھرا ہوا تھا جس پر فوم کا گدہ بچھا ہوا تھا۔ بیڈ کے ساتھ ہی ایک دیدہ زیب ٹیبل رکھی ہوئی تھی جس پر کافی ساری چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ کمرے میں شیلف بھی موجود تھا جس میں بہت سی خوبصورت کتابیں ایک ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔

شمبھوناتھ آئینے میں کمرے کی ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گھمبیر سنجیدگی طاری تھی۔ اچانک کمرے کا بیرونی دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا اور ایک خوش شکل نوجوان اندر داخل ہوا۔ نوجوان کے لب ہلتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے شاید وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔

نوجوان کو آئینے میں دیکھ کر شمبھوناتھ کے دل کی دھڑکنیں اتھل پتھل ہونے لگیں اور وہ ایک نامعلوم سی بے چینی محسوس کرنے لگا۔

نوجوان کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک قد آدم الماری کی طرف بڑھا۔ الماری کھولنے کے بعد اس نے شب خوابی کا لباس باہر نکالا اور الماری کے پٹ کھلے چھوڑ کر بیڈ

کے قریب پہنچ گیا۔ شب خوابی کا لباس بستر پر پھینکنے کے بعد اس نے بوٹوں کے تسمے کھولنے شروع کر دیے۔

بوٹ اتارنے کے بعد وہ لباس تبدیل کرنے میں مصروف ہو گیا اور شمبھو ناتھ کی آنکھیں ضرورت سے کچھ زیادہ کھل گئیں' وہ نوجوان کے برہنہ جسم کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اور نوجوان اس بات سے بے خبر لباس اتارنے کے بعد خوابگاہ سے ملحق باتھ روم میں گھس گیا۔

اب وہ دونوں نوجوان کو غسل کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ نوجوان بڑی بے فکری کے ساتھ نہا رہا تھا۔ قریباً پندرہ منٹ کا غسل لینے کے بعد اس نے شاور بند کیا اور تولیہ اسٹینڈ سے تولیہ اتارنے کے بعد اپنا گیلا بدن خشک کرنے میں مصروف ہو گیا۔ بدن خشک کرنے کے بعد اس نے تولیے کو اسٹینڈ پر پھیلایا اور باتھ روم سے باہر نکل آیا۔

باہر نکل کر اس نے جلدی سے شب خوابی کا لباس پہنا اور اتارے ہوئے لباس کو اٹھا کر الماری کی طرف بڑھ گیا۔ لاپرواہی سے لباس کو ہینگر پر لٹکانے کے بعد اس نے الماری کو بند کیا۔ شیلف سے ایک کتاب منتخب کی اور بستر پر نیم دراز ہو کر مطالعے میں مصروف ہو گیا۔

جونہی نوجوان بستر پر لیٹ کر پڑھنے میں مصروف ہوا۔ آئینہ آہستہ آہستہ دھندلانے لگا یہاں تک کہ وہ دوبارہ اپنی اصلی حالت میں واپس آ گیا۔ شمبھو ناتھ نے جلدی سے آئینہ اتارا اور اسے ایک بار پھر اپنی مخصوص جگہ پر رکھنے کے بعد وہ نندنی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''دیکھ لیا ہے نا! آئینہ سامری کا کمال' جس نوجوان کو تم ایک برس سے ڈھونڈتی پھر رہی ہو وہ اس آئینے کی بدولت آدھے گھنٹے میں مل گیا ہے۔ یہ آئینہ جادوگروں کے بادشاہ مہاراج سامری کی ایجاد ہے۔'' شمبھو ناتھ فخریہ انداز میں بولا۔

نندنی نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔ ''مہاراج! کیا میں ایک سوال کرنے کی جسارت کر سکتی ہوں؟''

''جتنے دل چاہے سوال کرو' آج میں بہت خوش ہوں' تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' شمبھو ناتھ نے پُر مسرت لہجے میں جواب دیا۔

''مہاراج! آپ کو آئینہ سامری استعمال کرنے کا ایک برس بعد کیسے خیال آ گیا؟''

نندنی کا سوال سن کر شمبھو ناتھ مسکرا کر بولا۔ ''نندنی! میں پچھلے ایک برس سے لاتعداد عملیات میں الجھا رہا ہوں' اس وجہ سے کبھی میرا اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تاہم اس کا کارن بھی تم ہو۔''

''وہ کیسے مہاراج؟'' نندنی نے دوبارہ سوال کیا۔

''وہ ایسے کہ میں تم پر بھروسہ کر کے بیٹھ گیا تھا لیکن جب تم سے یہ کام نہ ہو سکا تو مجھے مجبوراً آئینہ سامری استعمال کرنا پڑ گیا اور ویسے بھی اشد ضرورت کے تحت آئینہ سامری استعمال کیا جا سکتا ہے ورنہ چھوٹے موٹے کاموں کیلئے آئینہ سامری استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے۔''

شمبھو ناتھ کا جواب سن کر نندنی نے شرمسار لہجے میں کہا۔ ''مہاراج! مجھے بہت افسوس ہے کہ میں آپ کی توقعات پر پوری نہ اتر سکی۔''

''اب اس افسوس کو رہنے دو اور اس نوجوان کو ڈھونڈنے کی کوشش کرو یہی میرا مطلوبہ نوجوان ہے۔ تم آئینہ سامری میں دیکھ چکی ہو کہ اس کے بدن پر کسی زخم کا نشان نہیں تھا اور وہ غیر شادی شدہ بھی ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنی خوابگاہ میں اکیلا تھا اور خوابگاہ میں بستر بھی ایک ہی تھا۔ وہ اگر شادی شدہ ہوتا تو اس کی خوابگاہ میں لازماً دو بستر ہوتے۔''

''اب آپ کو چنتا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں مہاراج' میں دو دنوں کے اندر اس کو ڈھونڈ نکالوں گی۔ بس اب آپ بلیدان دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔'' نندنی نے ایک عزم کے ساتھ جواب دیا اور شمبھو ناتھ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

====OOO====

سجاد سے ملاقات کے بعد کاشف کا یقین صرف لمحہ بھر کیلئے ڈگمگایا تھا۔ گھر پہنچتے ہی اس نے سجاد کی تمام باتوں اور دلیلوں کو اس طرح دماغ سے نکال کر باہر پھینک دیا تھا جس طرح لوگ روزانہ گھر کا کچرا اٹھا کر کوڑے کے ڈرم میں پھینک دیتے ہیں اور پھینکے ہوئے کچرے کو بھلا کون یاد رکھتا ہے کیونکہ غلاظت گھر کے باہر ہی اچھی لگتی ہے۔ مگر آج کا انسان صرف ظاہری گندگی پر نظر رکھتا ہے۔ کبھی بھول کر بھی اسے اپنے باطن کا کچرا نظر نہیں آتا۔ روح و ضمیر کی بالیدگی کے بارے میں کوئی ایک بھی نہیں سوچتا۔ نہ جانے کتنے ہی صاف و شفاف اور چمکیلے چہرے روزانہ ہمارے قریب سے گزر جاتے ہیں اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان میں کون کیا ہے؟ کس کی روح مر چکی ہے' کس کا ذہن کوڑے کے ڈرم کی مانند ہے۔

کاش خدا نے انسان کو باطن میں جھانکنے والی آنکھیں عطا کی ہوتیں تو آج دنیا جنت کی مثال ہوتی۔ نہ کوئی ماں بے اولاد ہوتی نہ کوئی باپ بے سہارا' نہ کسی سہاگن کا سہاگ اجڑتا اور نہ کوئی بہن بھائی کیلئے ترستی۔ بظاہر چاند چہرے اندر سے کتنے میلے ہوتے ہیں کسی کو کیا پتہ' ہر موڑ پر ایک شیطان بیٹھا ہے بزرگی کا لبادہ اوڑھے ہوئے' ہر دوراہے پر ایک قاتل کھڑا ہوتا ہے شرافت کا نقاب پہنے لیکن ہمیں علم تک نہیں ہوتا۔

علم ہو بھی تو کیسے اور کیونکر ہو؟ انسان دنیا میں خدا کا نائب بن کر آیا لیکن اس کے احکامات بھول گیا' خدا نے رحم کا حکم دیا تو وہ ظالم بن گیا' سخاوت کا حکم دیا تو وہ اپنی تجوریاں بھرنے لگا' انصاف کا حکم دیا تو وہ ناانصافی پر تل گیا' محبت کا حکم دیا تو وہ دل میں نفرتیں پالنے

لگا غرض انسان نے خدا کے ہر حکم کو پس پشت ڈال دیا اور چل نکلا اس رستے پر جہاں گام گام پر ابلیس کی حکمرانی ہے اور ابلیس ٹھہرا راندہ درگاہ۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک اس نے نہ جانے کتنے انسانوں کو راہ حق سے بھٹکا کر جہنم کا ایندھن بنایا ہے اور بناتا رہے گا۔ حشر تک اس لعین کا یہ مذموم دھندا جاری رہے گا۔

کاشف بھی مکافاتِ عمل کو بھول کر اسی راستے پر چل نکلا تھا۔ جس کا اختتام آخر کار جہنم کے دروازے پر ہوتا ہے۔ سجاد کے لاکھ سمجھانے کے باوجود اس کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔ ایک لمحے کے لئے بھی اس نے سجاد کی باتوں پر سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا۔ اس کے نزدیک زندگی صرف انجوائے کرنے کے لئے تھی نہ کہ گناہ و ثواب کا فلسفہ سمجھنے کے لئے۔ وہ سیٹھ طارق جمیل کا بیٹا تھا جس کی ایک نہیں دو دو فیکٹریاں تھیں۔ دولت ان کے گھر کی باندی تھی اور دولت کا نشہ سر چڑھ کر بولتا ہے۔

باپ نے کبھی بھی اس کی ذاتی زندگی میں مداخلت نہیں کی تھی اور ماں وہ تو ویسے بھی سوشل ورکر تھی اس کے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ وہ کاشف کو اچھے برے کی تمیز سکھاتی۔ اسے تو فلاحی کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ امیروں کے پاس جب کرنے کے لئے کوئی کام نہیں ہوتا تو وہ زمانے کو دکھانے کے لئے سوشل ورکر بن جاتے ہیں محض ٹائم پاس کرنے کے لئے اور بیگم طارق جمیل بھی سوشل ورکر بن کر ٹائم پاس کر رہی تھی۔ واہ ری قسمت تیرے کھیل' کوئی ٹائم پاس کرنے کیلئے مشغلے ڈھونڈتا پھرتا ہے تو کسی کو دو گھڑی آنکھ لگانے کا وقت بھی نہیں ملتا۔

رات کو دیر گئے تک جاگنے کے بعد کاشف صبح کے دس بجے بیدار ہوا تھا۔ بیڈ ٹی لینے کے بعد بھی وہ کافی دیر تک بستر پر اینٹھتا رہا۔ تقریباً پونے گیارہ بجے کے قریب وہ بادل نخواستہ بیڈ سے اٹھا اور باتھ روم میں گھس گیا۔ جتنی دیر میں وہ نہا دھو کر اور قیمتی سوٹ زیب تن کر کے باہر نکلا اس وقت تک ایک نوکر اس کے لئے ناشتہ لگا چکا تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ باہر نکلا اور گیراج سے اپنی نئی ہنڈا اکارڈ نکالنے کے بعد اسے دوڑاتا ہوا شہر کے ایک مشہور فائیو اسٹار ہوٹل میں پہنچ گیا۔ گاڑی کو پارک کرنے کے بعد وہ

کی رِنگ کوانگلی پر گھماتا ہوا ہوٹل کے ہال کی طرف چل پڑا۔ ٹیبل سنبھالتے ہی ایک چست ویٹر اس کے سر پر پہنچ گیا۔

''موسٹ ویلکم سر۔'' ویٹر نے اسے سیلوٹ مارتے ہوئے مؤدب انداز میں کہا۔ کاشف نے سر کی جنبش سے اس کے سلام کا جواب دیا اور پھر بڑے بےتکلفانہ اندازمیں بولا۔''سلمان میرا کام ہوا ہے یا ابھی تک ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہو؟''

''سر وہ اپنے آپ کو بڑی اونچی چیز سمجھتی ہے۔ کہتی ہے کہ میں نے کاشف جیسے بڑے نودولتیے دیکھے ہیں۔ اس نے آپ کی ہر پیش کش ٹھکرا دی ہے۔'' ویٹر سلمان نے بلا تمہید جواب دیا۔

ویٹر کا جواب سن کر لمحہ بھر کیلئے تو کاشف کو اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس سے قبل کبھی بھی کسی نے اس کی اتنی انسلٹ نہیں کی تھی تاہم وہ اپنی دلی کیفیت کو ویٹر سے چھپاتے ہوئے محتاط انداز میں بولا۔ ''چھوڑو یار! اس دو ٹکے کی چھوکری کی خاطر اب ہم ذلیل تو نہیں ہو سکتے نا! اس نے ہماری پیش کش ٹھکرا کر ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنے مقدر کو لات ماری ہے' خیر اس کی مرضی ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''سر! کچھ پئیں گے؟'' ویٹر نے موضوع بدل کر پوچھا۔

''موڈ تو نہیں ہے لیکن پھر بھی تم ایسا کرو کہ ایک سٹرانگ سی کافی لے آؤ ویسے ابھی کچھ دیر پہلے میں ناشتہ کر چکا ہوں۔'' اس نے زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے جواب دیا۔

ویٹر ''او کے سر'' کہہ کر الٹے قدموں واپس لوٹ گیا اور کاشف اردگرد کے ماحول سے لاتعلق ہو کر خیالات میں کھو گیا۔

صبیحہ کو اس نے دو ماہ قبل ایک مارکیٹ میں دیکھا تھا جب وہ ایک جنرل سٹور سے سستا سا کاسمیٹکس کا سامان خرید رہی تھی۔ کاشف نے اسی دن اس سے فری ہونے کی کوشش کی تھی لیکن وہ غریب ہونے کے باوجود حد درجہ خوددار نکلی تھی۔ اس نے صبیحہ کو پھانسنے کے لئے ہر حربہ آزما ڈالا تھا لیکن ہر بار اسے ناکامی ہوئی تھی۔ ایک بار تو اس نے صبیحہ کو اٹھانے کی

کوشش بھی کی تھی مگر کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اسے آج بھی صبیحہ کے کہے ہوئے وہ آخری الفاظ یاد تھے۔ صبیحہ نے روتے ہوئے اسے بددعا دی تھی۔ ''امیر باپ کے مغرور بیٹے! کان کھول کر سن' جس خدا نے تجھے ایک شاندار محل میں پیدا کیا ہے وہ اگر چاہتا تو تجھے کسی فقیر کی کٹیا میں بھی پیدا کر سکتا تھا۔ اپنی دولت اور شان و شوکت پر اتنا اترا مت' تجھ سے پہلے بھی اس دھرتی پر کئی فرعون اور نمرود جنم لے چکے ہیں ڈر ان کے عبرت ناک انجام سے۔ اوپر والے کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ میں تجھے کبھی بھی بددعا نہ دیتی لیکن آج تم نے مجھے سر بازار رسوا کر کے بددعا دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ خدا کرے تجھے کبھی بھی چین نصیب نہ ہو' تو در در کے دھکے کھاتا پھرے اور دنیا تجھے میری طرح رسوا ہوتے ہوئے دیکھے۔ اللہ کرے تجھے قبر کی مٹی بھی نصیب نہ ہو۔ یہ میری بددعا ہے ایک مفلس لڑکی کی بددعا جسے تو ایک رات کیلئے خریدنا چاہتا ہے لیکن میں بکاؤ مال نہیں ہوں۔ میں تھوکتی ہوں تمہاری دولت اور شان و شوکت پر' میرے گھر کی سوکھی روٹی تیرے محل کے غیر ملکی پکوانوں سے کہیں بہتر ہے۔ تجھ میں اگر ذرا بھی غیرت ہے تو آئندہ مجھے اپنی منحوس شکل مت دکھانا۔''

ویٹر کب کی ٹیبل پر کافی رکھ کر جا چکا تھا مگر وہ بدستور صبیحہ کے خیالات میں کھویا ہوا تھا اسے اتنی بھی خبر نہ ہو سکی کہ کافی ٹھنڈی ہو کر کڑوی ہو چکی ہے۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟''

اچانک اس کے کانوں میں ایک مترنم سی نسوانی آواز گونجی اور اس نے چونک کر جب مخاطب کی طرف دیکھا تو ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے بازو پر چٹکی کاٹی اور خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ ''نہیں یہ نہیں ہو سکتا یہ ناممکن ہے۔''

''اے مسٹر! کیا سٹھیا گئے ہو مجھے بیٹھنے کو نہیں کہو گے؟'' سامنے کھڑی لڑکی دوبارہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''تت تم...... صبیحہ...... ہو نا؟'' اس نے لڑکھڑاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''تو تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا میں صبیحہ کی روح ہوں؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"نن......نہیں تو...... میں ویسے ہی پوچھ رہا ہوں تمہیں تو مجھ سے نفرت تھی نا! پھر یہ انہونی کیسے ہوگئی کہ تم خود چل کر میرے پاس پہنچ گئیں۔"

وہ ابھی تک تذبذب کا شکار تھا تبھی پٹر پٹر صبیحہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کاشف ڈیئر! نفرت تھی لیکن اب نہیں رہی، جانتے ہو کیوں؟" اتنا کہہ کر وہ خالی کرسی پر بیٹھ گئی اس نے نفی میں سر ہلایا تو وہ دوبارہ بولی۔ "اس لئے کہ اب میں پہلے والی غریب اور مفلس صبیحہ نہیں رہی اب میرے پاس بھی وہ سب کچھ ہے جو تمہارے پاس ہے یعنی بنگلہ گاڑی نوکر چاکر اور ملبوس وغیرہ۔ اب میں تم سے بلا جھجک دوستی رکھ سکتی ہوں۔ بولو میری دوستی منظور ہے؟" اس نے جواب طلب نظروں سے کاشف کی طرف دیکھا۔

"دل و جان سے منظور ہے میری جان۔" اس نے لگاوٹ بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن میری ایک شرط ہے وہ تجھے ماننا پڑے گی۔"

"مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے بولو!"

"ہماری دوستی صرف ایک رات کیلئے نہیں ہوگی بلکہ عمر بھر کیلئے ہوگی ٹھیک ہے نا؟"

"بالکل ٹھیک ہے۔ اب تو میں تم سے شادی کرنے کیلئے بھی تیار ہوں پہلے کی بات اور تھی اسے بھول جاؤ میں صرف مفلس لڑکیوں سے ایک رات کی دوستی رکھتا ہوں سمجھیں۔"

"میں تجھے مفلس لڑکیوں سے ایک رات کی دوستی رکھنے سے کبھی منع نہیں کروں گی لیکن تم بھی ایک وعدہ کرو کہ میری ہر بات بلا چوں چراں مانتے رہو گے؟" وہ دوبارہ سوالیہ انداز میں بولی۔

"پکا وعدہ' کہو تو اسٹیمپ پیپر پر لکھ دوں مع اپنے سائن کے۔" اس نے شرارت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے تمہاری زبان پر بھروسہ ہے۔ ویسے بھی اب تم مجھ سے اتنی آسانی کے ساتھ دامن نہیں چھڑا سکتے۔ میں اب رجو بڑھئی والے کی بیٹی نہیں رہی۔ اب میں سیٹھ رضوان احمد کی اکلوتی بیٹی ہوں اور میرا ذاتی اکاؤنٹ کروڑوں سے

اوپر ہے۔ سمجھ گئے مسٹر کاشف جمیل۔" وہ تنبیہی انداز میں بولی۔

کاشف نے ایک لمحے کیلئے غور سے اس کی طرف دیکھا تو وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔ "ایسے کیا دیکھ رہے ہو کیا میرے سینگ نکل آئے ہیں۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ وہ ڈرپوک سی صبیحہ کہاں گئی ہے۔ تمہارے تیور دیکھ کر لگتا ہے کہ تم وہ نہیں ہو۔ وہ کبھی بھی تمہاری طرح اتنی خود اعتمادی سے نہیں بول سکتی تھی۔"

"Dont worry یار! تم تو خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس جدید دور میں دولت ہی وہ واحد شے ہے جو ہر مشکل کا حل ہے' ہر بند تالے کی چابی ہے۔ جیب بھاری ہو تو خود اعتمادی خود بخود آ جاتی ہے۔" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

کاشف اسے اٹھتے دیکھ کر بوکھلا کر بولا۔ "شاید تم ناراض ہوگئی ہو؟ ایم سوری میں..... میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔ بیٹھو میں تمہارے لئے کولڈ ڈرنک منگواتا ہوں۔"

"نہیں کولڈ ڈرنک کو رہنے دو۔ آج میں تمہیں ایک ایسی چیز پلاؤں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گے' چلو اٹھو دیر ہو رہی ہے۔ آج میں گھر میں بالکل اکیلی ہوں خوب انجوائے کریں گے۔" اس نے ذومعنی انداز میں جواب دیا اور ہال کے مین گیٹ کی طرف چل پڑی۔

کاشف کسی معمول کی طرح سحر زدہ ہو کر کرسی سے اٹھا اور اس کے پیچھے روانہ ہوگیا۔

ایک لمحہ بعد وہ دونوں صبیحہ کی نئی مرسڈیز میں سوار ہو کر مین روڈ پر نکل آئے۔ کاشف نے اپنی گاڑی ہوٹل میں ہی پارک کر دی تھی۔

ڈرائیونگ خود صبیحہ کر رہی تھی اور کاشف ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا اپنی کامیابی پر حد درجہ مسرور نظر آ رہا تھا۔ مدتوں بعد اس کی دیرینہ خواہش پوری ہو رہی تھی۔ وہ صبیحہ جس کی قربت حاصل کرنے کیلئے وہ گذشتہ دو ماہ سے پاگل ہو رہا تھا خود بخود چل کر اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اپنی اس کامیابی پر وہ جتنا بھی فخر کرتا کم تھا۔

====OOO====

تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ دونوں صبیحہ کی شاندار کوٹھی میں پہنچ

ہوئے۔دو کنال کے رقبے پر پھیلی ہوئی یہ کوٹھی اپنی مثال آپ تھی۔یہ کوٹھی جدید طرز تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی۔

کاشف سحر زدہ انداز میں کوٹھی کی ایک ایک چیز کو دیکھ رہا تھا لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ کوٹھی میں ان دونوں کے علاوہ کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔حتیٰ کہ کاشف کو اتنی بڑی کوٹھی میں کوئی ملازم بھی نظر نہیں آیا تھا۔کوٹھی میں چھایا سناٹا اور پُراسراریت اعصاب شکن تھی۔کاشف کو ایک نامعلوم قسم کے خوف نے گھیر لیا تھا جسے وہ کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا۔بالآخر اپنے اس خدشے کا اظہار اس نے بلا تمہید صبیحہ کے سامنے کر دیا۔''ڈارلنگ! کیا تمہارے ہاں نوکر رکھنے کا رواج نہیں ہے اور تو اور گیٹ پر بھی کوئی چوکیدار موجود نہیں ہے؟''

''تمہارے آنے کی خوشی میں چوکیدار سمیت میں نے تمام نوکروں کو چھٹی دے دی ہے اور ممی پاپا تو ویسے بھی شام کے بعد لوٹیں گے۔'' اس نے ایک دل کش مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور آگے بڑھ گئی۔

ایک لمحے کے بعد وہ دونوں چلتے ہوئے ایک شاندار ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔صبیحہ نے اسے ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ڈرائنگ روم سے ملحق ایک کمرے میں گھس گئی۔کاشف کو اس نے کچھ پوچھنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔

کمرے میں گھستے ہی صبیحہ نے زیر لب چند الفاظ دھرائے تو ایکا ایکی اس کا ٹھوس وجود ایک کثیف دھوئیں میں تبدیل ہو کر کمرے کے روشندان سے باہر نکل گیا۔دوسرے لمحے وہ سالخوردہ مندر میں شمبھوناتھ کے سامنے نندنی کے روپ میں موجود تھی۔

''کیا خبر لائی ہو نندنی؟'' شمبھوناتھ نے اسے دیکھتے ہی سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''مہاراج! میں نے اس نوجوان کو اپنے دام میں پھنسا لیا ہے۔''

''وہ کیسے؟'' شمبھوناتھ کے مکروہ چہرے پر ایک پُراسرار سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''وہ کسی صبیحہ نامی لڑکی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا تھا۔میں نے اسی لڑکی کا روپ دھارا اور اسے درغلا کر اپنی شہر والی بڑی کوٹھی میں لے آئی۔اب وہ اسی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا میرا منتظر ہے۔میں بڑی عجلت کے ساتھ آپ کے پاس پہنچی ہوں محض یہ

پوچھنے کے لئے کہ اب اس کا کیا کرنا ہے؟'' نندنی نے اسے تفصیل بتانے کے بعد سوالیہ انداز میں پوچھا۔

شمبھوناتھ نے ایک ثانیے کیلئے کچھ سوچا اور پھر بڑے افسردہ لہجے میں بولا۔''نندنی! اب مجھے بلیدان دینے کیلئے ایک مہینہ انتظار کرنا پڑے گا۔''

''کیوں مہاراج؟''

''اس لئے کہ بلیدان پورن ماشی کی رات کو دیا جاتا ہے اور ابھی پورن ماشی کی شب دور ہے۔تمہیں پورن ماشی کی رات کے آنے تک اسے اپنے جال میں پھنسائے رکھنا ہے۔اس دوران تمہیں اس کی حفاظت کرنا پڑے گی نہ اس کے جسم پر کوئی زخم لگنے دینا ہے اور نہ اس کی شادی ہونے دینا۔یہ میرا حکم ہے۔''

''مہاراج! آپ کو چنتا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں پوری طرح اس کی حفاظت کروں گی۔'' نندنی نے ایک عزم کے ساتھ جواب دیا۔

''اب تم جا سکتی ہو۔لیکن ایک بات کا خیال رکھنا اسے تم پر کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہیے۔صبیحہ کے روپ میں تم اگر چاہو تو اس کی قربت حاصل کر سکتی ہو۔'' شمبھوناتھ تحکمانہ لہجے میں بولا۔

''میں مہاراج کی آگیا کا پالن کروں گی۔''

اتنا کہہ کر نندنی ایک بار پھر دھوئیں میں تحلیل ہوئی اور چند منٹ کے بعد اسی کمرے میں صبیحہ کے روپ میں موجود تھی۔اس نے جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم میں آ گئی جہاں کاشف اس کا منتظر تھا۔

''بور تو نہیں ہو گئے ہو جانِ من؟'' اس نے مسکراتے ہوئی کاشف سے پوچھا۔

''انتظارِ یار میں کون کافر بور ہو سکتا ہے۔'' کاشف نے اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خواب دیا۔

''مجھے ذرا ڈریس تبدیل کرنے کے بعد ٹوائلٹ جانا پڑ گیا تھا بس اسی وجہ سے ذرا تاخیر ہو گئی ہے تم نے مائنڈ تو نہیں کیا نا؟'' وہ اس کے مقابل دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

'' تم پورادن بھی لگادیتیں تو میں شام تک اسی ڈرائنگ روم میں بیٹھا تمہارا انتظار کرتا رہتا' مگر اب تمہیں سامنے پا کر مجھ سے مزید انتظار برداشت نہیں ہو سکتا اس لئے میرے قریب آ جاؤ'' کاشف نے ندیدے پن سے جواب دیا۔

شیطان پوری طاقت کے ساتھ اس پر غلبہ پا چکا تھا۔ وہ جو راندۂ درگاہ ازل سے ابن آدم کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے۔ اب کاشف کی آنکھیں بن چکا تھا تبھی اسے ایک جن زادی دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی نظر آ رہی تھی' اور اس نادان کو اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ اس کی عاقبت داؤ پر لگ چکی ہے۔ خبر ہوتی بھی تو کیسے' کیونکہ وہ رحمان کو بھول کر شیطان کا بن چکا تھا۔

کاشف اپنی جگہ سے اٹھا اور صبیحہ کی طرف بڑھا۔ وہ صبیحہ کو دبوچنا ہی چاہتا تھا مگر صبیحہ اسے روکتے ہوئے بولی۔'' رکو جان من ایسے نہیں پہلے کچھ پی پلا تو لیں۔ ذرا صبر سے کام لو میں کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی ہوں۔'' اتنا کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ڈرائنگ روم میں موجود ایک خوبصورت دیدہ زیب الماری کی طرف بڑھ گئی۔

الماری کھولنے کے بعد اس نے غیر ملکی شراب کی ایک بوتل نکالی اور دو گلاس اٹھانے کے بعد واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔

ایک لمحہ بعد وہ دونوں پی پی کر مدہوش ہو چکے تھے۔ شیطان اپنی کامیابی پر قہقہے لگا رہا تھا اور انسانیت منہ چھپا کر رو رہی تھی کیونکہ ڈرائنگ روم میں اب شیطان کا من پسند کھیل شروع ہو چکا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو وحشیوں کی طرح نوچ کھسوٹ رہے تھے۔ ان کے بے لباس جسم ایک دوسرے میں مدغم ہو چکے تھے۔

====OOO====

اپنے تئیں صبیحہ کی قربت حاصل کرنے کے بعد کاشف خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان تصور کر رہا تھا۔ وہ انا پرست لڑکی جس نے کبھی اسے لفٹ نہیں دی تھی جو اس سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتی تھی وہ خود ہی پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آن گری تھی۔ احساسِ تفاخر سے کاشف کی گردن اکڑی جا رہی تھی۔ بھول کر بھی اسے یہ خیال نہیں

آیا تھا کہ وہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر چکا ہے۔

خیال آتا بھی تو کیسے؟ اس کی پرورش ناجائز ذرائع سے کمائی گئی دولت سے ہوئی تھی۔ کہتے ہیں کہ حرام کا ایک بھی لقمہ توڑنے والے شخص کا ہر نیک عمل چالیس روز تک بارگاہ ایزدی میں قبول نہیں ہوتا اور کاشف تو پیدا ہونے کے بعد سے لے کر آج تک حرام ہی کھاتا آیا تھا۔

چند روز کے بعد کاشف اور صبیحہ (سندنی) لانگ ڈرائیو کیلئے نکلے ڈرائیونگ سیٹ پر کاشف تھا۔ شہر کی سڑکوں پر جب وہ کار دوڑاتے دوڑاتے اکتا گیا تو یونہی کسی خیال کے تحت اس نے گاڑی کا رخ ساحل سمندر کی طرف پھیر دیا تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد وہ ساحل پر پہنچ گئے ایک مناسب جگہ دیکھ کر کاشف نے گاڑی پارک کی اور صبیحہ کا ہاتھ تھام کر چہل قدمی کے انداز میں ساحل پر گھومنے لگا۔

ساحل سمندر پر بھانت بھانت کے لوگ گھوم رہے تھے بچے' بوڑھے' جوان' عورتیں۔ تاہم اکثریت آزاد خیال جوڑوں کی تھی شاید ساحل سمندر پر انہیں آزادی کے زیادہ مواقع میسر آ جاتے تھے اور وہ کسی روک ٹوک کے اپنی من مانی کر سکتے تھے وہاں انہیں معاشرے کی چبھتی ہوئی نگاہوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا کوئی بھی ان کے کسی عمل کا نوٹس نہیں لے سکتا تھا۔

مادر پدر آزاد جوڑوں کی تفریح طبع کے لئے ساحل سمندر پر خوبصورت ہٹ بنے ہوئے تھے۔ مناسب کرایہ ادا کر کے یہ ہٹ آسانی سے حاصل کیے جا سکتے تھے۔ صبیحہ اور کاشف تھوڑی دیر تو ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ساحل سمندر پر گھومتے رہے مگر وہاں آزاد خیال لڑکیوں کو نیم عریاں لباس میں دیکھ کر کاشف کے جنسی جذبات رفتہ رفتہ برانگیختہ ہونے لگے تو وہ صبیحہ سے لگاوٹ بھرے انداز میں بولا۔'' کیا خیال ہے جان! کوئی ہٹ کرائے پر حاصل نہ کر لیں تھوڑی دیر آرام بھی کر لیں گے اور......؟''

وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر جواب طلب نظروں سے صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا۔

'' پلیز کاشف ڈارلنگ! اتنے ندیدے نہ بنو۔ آنے والی رات ہماری اپنی ہے۔ جی

بھر کر ارمان نکال لینا۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا اور کاشف کی آنکھوں میں چھائی ہوس کچھ اور بڑھ گئی۔

وہ دونوں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک ساحل سمندر پر گھومتے رہے جب سورج دن بھر کا سفر طے کرنے کے بعد تیزی سے مغرب کی طرف بڑھنے لگا اور لوگ بھی آہستہ آہستہ اپنے گھروں کو کھسکنے لگے تو کاشف اور صبیحہ بھی اپنی کار کی طرف بڑھ گئے۔

کاشف نے جہاں کار پارک کی تھی وہ جگہ ساحلِ سمندر سے کافی ہٹ کر تھی۔ اس جگہ سے مغربی سمت درختوں کا ایک جھنڈ واقع تھا۔ ناریل کے یہ درخت قدرتی طور پر کچھ اس ترتیب کے ساتھ لگے ہوئے تھے کہ ڈوبتے سورج کی جھلک وہاں سے نظر نہیں آتی تھی۔ ویسے بھی وہ جگہ نشیب میں تھی اس لئے وہاں سرِ شام ہی نیم اندھیرا سا پھیل جاتا تھا۔ درختوں کے جھنڈ کے ساتھ دائیں ہاتھ ایک شکستہ سا مکان نظر آ رہا تھا جس کی چار دیواری حوادثِ زمانہ کا شکار ہو کر تقریباً منہدم ہو چکی تھی۔ پہلی نظر میں ہی وہ مکان آسیب زدہ نظر آتا تھا۔ اوپر سے شام کا وقت تھا جس نے اس مکان کی پُراسراریت میں حد درجہ اضافہ کر دیا تھا۔ ماحول پر ایک وحشت ناک قسم کی خاموشی طاری تھی۔ اس پُرہول سناٹے میں کاشف کو صرف اپنے سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ کار کی فرنٹ سیٹ کی کھڑکی کھولتے ہوئے چانک اس کی نظر اس پرانے مکان کی طرف اٹھی اور پھر اس کی آنکھیں خوف اور حیرت کی ملی جلی کیفیت سے پھیلتی چلی گئیں۔

مکان کی شکستہ چار دیواری کو پھلانگتے ہوئے چار آدمی خطرناک انداز میں دوڑتے ہوئے ان کی طرف آ رہے تھے۔ یکایک کاشف کی چھٹی حس نے اسے خطرے کا احساس دلایا تو وہ حواس باختہ ہو کر صبیحہ کی طرف پلٹا۔

''یہ...... یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں صبیحہ؟'' اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''جو کوئی بھی ہیں ہمارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ تم آرام سے گاڑی میں بیٹھ جاؤ میں خود ان سے نمٹ لوں گی۔'' صبیحہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

''صب...... صبیحہ...... تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟ چلو جلدی کرو گاڑی میں بیٹھو ہم ان

کے پہنچنے سے پہلے یہاں سے بہ آسانی نکل جائیں گے۔'' وہ بدستور ہراساں نظر آ رہا تھا۔

''تم شاید بھول رہے ہو کاشف کہ میں مارشل آرٹ میں بلیک بیلٹ حاصل کر چکی ہوں۔ یہ لوگ اگر کسی بری نیت سے آ رہے ہیں تو میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ یہ اپنے قدموں پر چل کر واپس نہیں جا سکیں گے۔ میں ان کی ٹانگیں توڑ کر رکھ دوں گی۔''

''احمق ہو تم' ایسے لوگ خالی ہاتھ تھوڑی پھرا کرتے ہیں۔ لازماً ان کے پاس ہتھیار وغیرہ ہوں گے۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے ایسے لوگوں کے منہ لگنے کی خواہ مخواہ کسی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔''

''کاشف! جو میں کہہ رہی ہوں اس پر عمل کرو۔'' اس کا لہجہ عجیب تحکمانہ انداز لئے ہوئے تھا۔

کاشف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو پھر پلکیں جھپکانا بھول گیا صبیحہ کی آنکھیں انگاروں کے مانند سرخ نظر آ رہی تھیں اور اس کا خوبصورت چہرہ شدتِ طیش سے بھیانک روپ اختیار کر چکا تھا۔ وہ اس وقت کوئی خون آشام چڑیل نظر آ رہی تھی۔ صبیحہ کا یہ روپ وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا تاہم وہ کچھ بولنے کی بجائے چپ چاپ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا۔

اس اثناء میں وہ چاروں دوڑتے ہوئے ان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ شکل وصورت سے وہ سب پرلے درجے کے غنڈے نظر آ رہے تھے۔

صبیحہ دوبارہ کاشف کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''دونوں طرف کی کھڑکیاں اندر سے لاک کر لو اور بے فکر ہو کر بیٹھ جاؤ آج میں تمہیں ایسا تماشا دکھاؤں گی کہ حیران رہ جاؤ گے۔''

اتنا کہہ کر وہ اچھل کر گاڑی کے بونٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کے انداز سے حد درجہ لاپرواہی نظر آ رہی تھی۔

وہ چاروں گاڑی کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کے لئے رکے اور پھر ان میں سے ایک تمسخرانہ انداز میں بولا۔ ''لو بھئی دوستو! دیکھو مسٹر کاشف جمیل نے ہمارے سواگت کے لئے کیسا خوبصورت میزبان گاڑی کے بونٹ پر بٹھا رکھا ہے۔ کیا خیال ہے کاشف جمیل سے

پہلے اس حسین میزبان کی میزبانی کا لطف نہ اٹھالیں؟ ایسے موقعے زندگی میں کبھی کبھار ہی ملا کرتے ہیں۔"

شکل وصورت اور انداز واطوار سے وہ باقی تینوں کا لیڈر نظر آ رہا تھا اور صبیحہ کو اس طرح للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس سے پہلے اس نے کبھی کوئی نوجوان لڑکی نہ دیکھی ہو۔

"پدھاریئے مہاراج پدھاریئے میں جی جان سے آپ جیسے مہان لوگوں کی سیوا کرنے کے لئے تیار ہوں۔" صبیحہ نے مسکراہٹ آمیز لہجے میں جواب دیا اور گاڑی کے بونٹ سے کود کران چاروں کے درمیان اطمینان سے کھڑی ہوگئی۔

"واہ استاد واہ! یہ تو بڑی زوردار چیز ہے۔ گنگا میا کی قسم لطف آ جائے گا اس کے ساتھ گیم کر کے۔" اس بار ایک پستہ قامت نوجوان بولا جس نے چمڑے کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔

"کیا ہی اچھی بات ہوتی اگر سب سے پہلے آپ چاروں اپنا تعارف اور مقصد بیان کر دیتے۔ دیکھیے ناں! میں بھی تو آپ لوگوں سے ہر قسم کا تعاون کر رہی ہوں۔ اجنبیت کی دیوار گر جائے تو اچھا ہے ناں؟"

صبیحہ کے ہونٹوں پر بدستور طنزیہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور گاڑی میں موجود کاشف کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں تاہم وہ بالکل خاموشی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

صبیحہ کی بات سن کر لیڈر نے ایک ثانیے کے لئے اپنے تینوں ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر بڑے ادباشانہ انداز میں بولا۔ "میرا نام شنکر پانڈے ہے اور میں تم جیسی خوبصورت دوشیزاؤں کا پرانا سیوک ہوں اور یہ تینوں میرے بہترین دوست ہیں۔ اس کا نام مدن نو کیا ہے۔ اس نے پستہ قامت نوجوان کی طرف اشارہ کیا اور یہ باقی دونوں جو تمہیں ایک جیسے نظر آ رہے ہیں وکرم ٹھکرال کے سپوت ہیں ایک کا نام راجندر ٹھکرال ہے اور دوسرے کا رویندر ٹھکرال ہے جس نے کان میں چھلہ پہن رکھا ہے۔ ان کا پتا وکرم ٹھکرال شہر کا مشہور وکیل ہے۔ یہ تو ہو گیا ہمارا تعارف اب مقصد بھی سن لو ہم کلیوں کو پھول بناتے ہیں

اور پھولوں کا رس چوستے ہیں اس کے علاوہ کاشف جمیل جیسے امیرزادوں کو اغواء کر کے تاوان کی رقم وصول کرنا بھی ہم لوگوں کا من پسند کام ہے۔"

"شنکر مہاراج پریچے (تعارف) کرانے کا شکریہ۔ لیکن بات یہ ہے کہ کلی تو اب میں رہی نہیں۔" اس نے پیار بھری نگاہوں سے کاشف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "البتہ پھول کا رس باری باری بڑے شوق سے چوس سکتے ہو اور سنو رقم حاصل کرنے کے لئے تمہیں کاشف کو اغوا کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی جتنی رقم چاہو گے مل جائے گی۔ اب آیئے شنکر مہاراج! سب سے پہلے شاید آپ ہی پھول کا رس چوسنا پسند کریں گے کیونکہ آپ مجھے ان سب کے باس لگ رہے ہیں۔"

صبیحہ کے پُر اعتماد انداز نے ایک لمحے کے لئے شنکر اور اس کے ساتھیوں کو شش و پنج میں ڈال دیا تھا کیونکہ صبیحہ جس انداز سے ان کے ساتھ پیش آ رہی تھی وہ ان کی توقع کے خلاف تھا تاہم شنکر نے بارعب لہجے میں کہا۔

"دیکھ بے لونڈیا! کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ عزت کے ساتھ ساتھ جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی۔ اب ذرا ایک ایک کر کے اپنے تمام کپڑے اتار ڈال و تا کہ پہلے ہم تمہارے حسین بدن کا دیدار کر لیں اس کے بعد باقی مراحل تو طے ہوتے ہی رہیں گے۔"

"ارے شنکر مہاراج! تم کیسے ہیجڑہ نما مرد ہو؟ کیا میں خود کپڑے اتارتے ہوئے اچھی لگوں گی۔ آگے بڑھ کر یہ کام خود ہی کر ڈالو ناں!" اس نے شنکر کو طیش دلانے کی غرض سے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

پھر اس کی توقع کے عین مطابق شنکر ایک فحش گالی دیتے ہوئے غصے کے عالم میں آگے بڑھا اور صبیحہ کو بازو سے پکڑ لیا۔ "ارے لونڈیا تُو تو بڑی مست چیز ہے۔ تیرے ساتھ پنگا لے کر بھگوان قسم بڑا لطف آئے گا۔ یہ ہیجڑہ تیرے اندر کی آگ بجھانے کے لئے......؟"

ابھی شنکر کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اچانک صبیحہ کا آزاد بازو ہوا میں لہرایا اور پوری قوت کے ساتھ شنکر کے چہرے پڑا گو کہ صبیحہ نے ہاتھ ذرا ہلکا رکھا تھا مگر شنکر پھر بھی خالی بوتل

کی طرح اڑتا ہوا دس پندرہ قدم دور جا گرا۔ اس کے منہ سے صرف ایک کریہہ چیخ نکلی تھی اور پھر اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ اب اس بے چارے کو کیا خبر تھی کہ بظاہر ایک لڑکی کے روپ میں وہ ایک جن زادی سے پنگا لینے کی غلطی کر بیٹھا ہے۔ شنکر کا انجام دیکھ کر چند لمحوں کے لئے تو وہ تینوں بالکل ساکت ہو گئے۔ ان کے چہروں پر ایک نامعلوم قسم کا خوف نظر آ رہا تھا اور وہ تینوں متذبذب انداز میں کبھی ایک دوسرے کی طرف تو کبھی صبیحہ کی جانب دیکھ رہے تھے۔ صبیحہ کے ہونٹوں پر بدستور طنزیہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ شنکر کو ہاتھ جمانے کے بعد وہ اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئی تھی اسے معلوم تھا کہ شنکر کو ہوش میں آتے آتے گھنٹوں لگ جائیں گے۔

''ارے زنخو! دیکھ کیا رہے ہو؟ کیا پھول کا رس نہیں چوسنا۔ آگے بڑھو۔'' صبیحہ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

صبیحہ کے ان الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ تینوں ریوالور نکال کر محتاط انداز میں اس کی طرف بڑھنے لگے۔ شدت خوف سے کاشف نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اب اسے صبیحہ کی موت یقینی نظر آ رہی تھی وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ صبیحہ کی کوئی مدد کر سکتا اس لئے اس نے چپ رہنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

کاشف کے کان دھماکا سننے کے منتظر تھے لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ آخر کار اس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھول دیں۔ اف کیسا بھیانک منظر تھا کاشف کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ کوئی چیتے سے ملتا جلتا خونخوار درندہ تھا جو ان تینوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ اپنے نوکیلے دانتوں اور خوفناک پنجوں سے بھنبھوڑ رہا تھا۔ ان میں سے دو کا پیٹ چاک ہو چکا تھا اور ان کی آنتیں پیٹ سے باہر لٹک رہی تھیں۔ تیسرے کے چہرے کا آدھا حصہ کھلا ہوا ملغوبہ نظر آ رہا تھا اور وہ جنون کے عالم میں اٹھ اٹھ کر گر رہا تھا۔ اس سے زیادہ دیکھنے کی تاب کاشف میں نہیں تھی۔ بے ہوش ہونے سے قبل اس نے صرف صبیحہ کو دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی۔

کاشف کو جب دوبارہ ہوش آیا تو صبیحہ اس کے اوپر جھکی ہوئی تھی۔

''کاشف ڈارلنگ! ہوش میں آؤ پلیز ہوش میں آؤ'' صبیحہ اس کی ہتھیلیاں مسلتے ہوئے بولی تو وہ یکدم ہوش میں آ کر اٹھ بیٹھا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے صبیحہ کی طرف دیکھنے لگا وہ بدستور سہما ہوا تھا اور اس کا بدن سوکھے پتے کے مانند لرز رہا تھا۔ اپنی زندگی میں اس سے قبل اس نے اتنا دہشت ناک منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بہ وقت تمام وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''وہ...... وہ...... خوف...... ناک درندہ...... پلیز مجھے...... یہاں سے لے چلو۔''

''ارے کاشف! یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو؟ آنکھیں کھول کر دیکھو کہاں ہے درندہ؟ کہیں تم جاگتے ہوئے کوئی بھیانک خواب تو نہیں دیکھ رہے ہو؟'' صبیحہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''دیکھو صبیحہ مجھے...... ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ کیا ان غنڈوں کو ایک خوفناک درندے نے ہلاک نہیں کیا ہے؟ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ خواب نہیں ہو سکتا۔''

اس کی بات سن کر صبیحہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ''ڈونٹ بی سلی کاشف! مجھے لگتا ہے تمہارا معدہ خراب ہو گیا ہے۔ میں نے تو کوئی غنڈے دیکھے ہیں اور نہ ہی کوئی درندہ۔ چلو گھر چلتے ہیں تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

کاشف ابھی اس کی بات کا کوئی مناسب جواب سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر سامنے اٹھی اور اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ سارا منظر ہی بدلا ہوا تھا۔ نہ وہ پُراسرار مکان سامنے تھا نہ وہ غنڈے اور نہ ہی ناریل کے وہ درخت بلکہ ان کی گاڑی مین روڈ کے کنارے کھڑی ہوئی تھی۔

صبیحہ بڑے غور سے اس کے رنگ بدلتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کاشف کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھ کر وہ لگاوٹ بھرے لہجے میں بولی۔ ''کاشف ڈارلنگ! دراصل بات یہ ہے کہ ساحل سمندر پر گاڑی اسٹارٹ کرتے وقت اچانک ہی تم بے ہوش ہو گئے تھے۔ میں بڑی مشکل کے ساتھ تمہیں یہاں تک لائی ہوں۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ بے ہوشی کے عالم میں بھی تم خواب دیکھتے رہے ہو۔ مجھے لگتا ہے تمہیں کوئی دورے

وغیرہ پڑھتے رہتے ہیں۔ کیا اس سے قبل بھی کوئی ایسا واقعہ تمہارے ساتھ پیش آ چکا ہے؟''

''نہیں...... پہلے تو کبھی اس طرح نہیں ہوا۔ مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب ایک بھیانک خواب تھا۔ شاید تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟''

''پھر وہی احمقانہ سوال۔ کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں ہے۔ میں بھلا کیوں تمہارے سامنے جھوٹ بولوں گی۔ میں نے تو اپنا سب کچھ تمہیں سونپ دیا ہے۔ مجھ پر شک کر کے اچھا صلہ دے رہے ہو میری وفاؤں کا۔'' اس نے شکایتی انداز میں جواب دیا اور کاشف نے ندامت سے سر جھکا دیا۔

''سوری صبیحہ! میں تم سے شرمندہ ہوں شاید سچ مچ میں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے۔ پلیز تم محسوس مت کرنا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''چلو معاف کیا اب گاڑی اسٹارٹ کرو بھوک سے میرا دم نکلا جا رہا ہے۔'' صبیحہ نے ہنستے ہوئے کہا اور کاشف نے گاڑی اسٹارٹ کر کے اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔

====OOO====

اس واقعہ کے چند دن بعد جب کاشف کی طبیعت کافی حد تک سنبھل گئی تو تب اس نے صبیحہ سے رجوع کیا لیکن صبیحہ تو گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکی تھی۔ اس کی تلاش میں کاشف نے پورا شہر چھان مارا تھا مگر اس کی ساری تگ و دو رائیگاں گئی تھی۔ شہر کا کوئی ریسٹورنٹ' کوئی پارک' کوئی پکنک پوائنٹ اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ صبیحہ کی کوٹھی کے بھی وہ بیسیوں چکر لگا چکا تھا لیکن وہاں بھی اسے ہر بار تالا پڑا ہوا نظر آیا تھا۔

صبیحہ کے متعلق اس کی پریشانی بڑھتی گئی۔ دن بدن اس کا دماغ سوچوں کے جال میں الجھتا چلا گیا۔ اب تو اسے صبیحہ کے ساتھ گزرا ہوا وقت بھی کسی خواب کے مانند محسوس ہونے لگا تھا۔ پریشانیوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ صبیحہ کی شخصیت اب اسے پُراسرار لگنے لگی تھی۔ اس کا ذہن ان چاروں غنڈوں کی دردناک ہلاکت کو کسی طور پر بھی خواب ماننے کے لئے تیار نہیں ہو رہا تھا۔ وہ چاروں اس کی آنکھوں کے سامنے ہی ایک خوفناک درندے کی درندگی کا شکار ہوئے تھے۔ درندے نے جس بے رحمی کے ساتھ

چاروں غنڈوں کے جسموں کی چیر پھاڑ کی تھی وہ منظر وہ لاکھ کوشش کرنے کے باوجود نہیں بھلا پا رہا تھا۔ رات کو سوتے میں بھی وہ کئی بار ڈر کر اٹھ بیٹھتا تھا۔ اس خونی منظر نے اس کی نیند اڑا کر رکھ دی تھی۔ خواب آور ادویات کا استعمال کرنے کے باوجود وہ یکسوئی کے ساتھ نہیں سو پاتا تھا۔

ایک رات تو حد ہو گئی۔ اس نے دودھ کے ساتھ نیند کی دو گولیاں لیں اور لائٹ آف کرنے کے بعد لحاف اوڑھ کر سو گیا۔ آہستہ آہستہ اس پر غنودگی طاری ہونے لگی اور پھر وہ گہری نیند سو گیا۔ نجانے وہ رات کا کون سا پہر تھا جب اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی خونخوار درندہ اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھا ہو۔ اندھیرے میں درندے کی آنکھیں چھوٹے چھوٹے برقی قمقموں کی طرح چمک رہی تھیں۔ یکایک وہ ہڑبڑا کر اٹھا اور اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ برآمد ہوئی جس نے رات کے سناٹے کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اس کے بعد تو اس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی اور چیخوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا اس کا سارا بدن پسینے سے شرابور ہو گیا اور منہ سے کف بہنے لگا۔ بے ہوش ہونے سے قبل اس کی سماعتوں نے باہر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز ضرور سنی تھی۔ اس کے بعد اسے کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کیا ہوتا رہا۔

جب وہ دوبارہ ہوش میں آیا تو صبح ہو چکی تھی اس کے بیڈروم میں امی ابو کے علاوہ ڈاکٹر بھی موجود تھا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس ایک نرس اس کی جانب پشت کیے شاید سرنج میں کوئی محلول بھرنے میں مصروف تھی۔ جونہی نرس نے اپنے کام سے فارغ ہو کر رخ بدلا کاشف کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب ہو گئیں۔

نرس کے یونیفارم میں صبیحہ اس کے سامنے موجود تھی۔

''تم ..... تم صبیحہ ہی ہو نا؟'' اس نے تصدیق کرنے کے لئے نرس سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ نرس نے بھی متحیر انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر نرس دھیمے لہجے میں بولی۔'' کاشف صاحب! شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرا نام شائلہ ہے

اور میں گزشتہ ایک برس سے ڈاکٹر خان کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ ویسے یہ صبیحہ کون ذات شریف ہے؟''

''ابو! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ صبیحہ ہی ہے اور میری موجودہ حالت کی ذمہ دار بھی یہی ہے۔'' وہ باپ کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔

سیٹھ طارق جمیل نے پریشان کن انداز میں ڈاکٹر اور نرس کی طرف دیکھا اور قدرے توقف سے بولا۔ ''ڈاکٹر صاحب! میں آپ سے از حد شرمندہ ہوں مجھے امید ہے کہ آپ کاشف کی حالت کے پیشِ نظر اس کی بات کا برا نہیں منائیں گے دراصل یہ اس وقت اپنے حواس میں نہیں ہے۔''

''مسٹر طارق جمیل! کاشف کی یہ حالت کب سے ہے؟ کیا اس قسم کا دورہ اسے پہلے بھی کبھی پڑ چکا ہے؟'' ڈاکٹر خان نے اس کی معذرت کو نظر انداز کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں ڈاکٹر صاحب! گزشتہ چند دنوں سے اسے ڈراؤنے خواب تو آ رہے تھے لیکن بے ہوشی کا دورہ اسے پہلی بار پڑا ہے۔''

''ان ڈراؤنے خوابوں کے محرک کے متعلق اگر آپ کو کچھ تفصیل معلوم ہے تو پلیز مجھے بلا جھجک بتا دیجئے۔ مسٹر کاشف کے علاج کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔'' ڈاکٹر خان نے پُر زور لہجے میں استدعا کی۔

''سوری ڈاکٹر! میں نے بیٹے کے بچپن سے لے کر آج تک اس کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کی ہے۔ ویسے بھی میں گزشتہ پچیس برس سے کاروباری بکھیڑوں میں کچھ اس قدر الجھا ہوا ہوں کہ مجھے رات دن کی بھی خبر نہیں رہتی۔ دو فیکٹریوں کے انتظامات سنبھالنا بڑا جان جوکھوں کا کام ہے ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ انسان کو نچوڑ کر رکھ دیتی ہے۔'' سیٹھ طارق جمیل نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

ڈاکٹر خان نے شکایتی انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر تاسف کے عالم میں بولا۔ ''مسٹر طارق جمیل! مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ ایک کامیاب

بزنس مین تو ہیں لیکن ایک کامیاب اور مشفق باپ بننے میں ناکام رہے ہیں۔ آپ نے اپنے بیٹے کو صرف مادی آسائشیں دی ہیں اس کی ذہنی آسودگی کیلئے شاید کوئی پیش رفت نہیں کی ہے اور یہ سب محض اس لئے ہوا ہے کہ آپ ساری زندگی دولت کے پیچھے بھاگتے رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ کے چکر نے آپ کو کبھی بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی مہلت نہیں دی ہے۔ طارق صاحب! آپ کی نجی زندگی میں دخل اندازی کرنا میرا کوئی حق نہیں بنتا تاہم یہ سب کچھ میں آپ کے بھلے کے لئے ہی عرض کر رہا ہوں۔ آپ دن رات ایک کر کے یہ دولت صرف اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے ہی کما رہے ہیں نا؟ یقیناً آپ کا جواب اثبات میں ہوگا اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ کاشف آپ کا اکلوتا بیٹا ہے آپ کے بعد اسی نے آپ کی ساری دولت و جائیداد کا وارث بننا ہے لیکن اگر اسے کچھ ہو گیا تو پھر آپ کیا کریں گے؟ کیا آپ کی ساری دولت و جائیداد اُسے واپس لا سکے گی؟

خدارا! طارق صاحب اپنے بیٹے کی طرف توجہ دیجئے۔ اس کے معاملات پر نظر رکھیے۔ اسے دولت کے ساتھ ساتھ آپ کی محبت اور سرزنش کی بھی ضرورت ہے۔ یہ ابھی نوجوان ہے اسے اچھے اور برے راستے کی تمیز نہیں ہے۔ اس کی رہنمائی کیجئے اسے فلاح کا راستہ دکھائیے ورنہ کسی دن پچھتانے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔''

ڈاکٹر خان جب بولنے پر آیا تو بلا تکان بولتا چلا گیا۔ اس کی باتیں سن کر سیٹھ طارق جمیل اور اس کی بیگم کا سر شرم سے جھک گیا وہ دونوں اپنے آپ کو بیٹے کا مجرم تصور کر رہے تھے اور یہ حقیقت بھی تھی انہوں نے کبھی بھی بیٹے کے کسی اچھے یا برے عمل کا نوٹس نہیں لیا تھا۔ کبھی بھی اس سے کوئی باز پرس نہیں کی تھی حالانکہ وہ دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک عرصے سے ان کا بیٹا بری سوسائٹی کا شکار ہے۔ رات کو دیر گئے گھر لوٹتا ہے۔ شراب و شباب کا رسیا ہے لیکن پھر بھی وہ خاموش رہے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب! آئندہ میں کاشف پر خصوصی توجہ دوں گا۔ اس کے ہر اچھے برے عمل پر نظر رکھوں گا۔ میں مانتا ہوں کہ اس سلسلے میں مجھ سے بے شمار کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں لیکن آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔'' سیٹھ طارق جمیل نے کمرے میں چھائی خاموشی کو توڑتے

ہوئے جواب دیا۔

''یہ آپ کے بیٹے کے حق میں بہتر ہوگا۔ اب اگر آپ لوگ محسوس نہ کریں تو میں اکیلے میں کاشف سے تھوڑی دیر گفتگو کرنا چاہوں گا ویسے آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بظاہر یہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔'' ڈاکٹر خان کی بات سن کر سیٹھ طارق جمیل بیگم کی طرف متوجہ ہوا۔

''چلیے بیگم! مریض اور ڈاکٹر کی گفتگو اکیلے میں ہی سودمند ثابت ہوسکتی ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ بیگم کو ساتھ لے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

====OOO====

ان دونوں کے باہر نکلنے کے بعد ڈاکٹر خان دوبارہ کاشف کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''ہاں تو کاشف میاں شمائلہ آپ کو صبیحہ کس طرح لگنے لگی ہے۔ کیا اس کی شکل وصورت کسی صبیحہ نام کی لڑکی سے ملتی جلتی ہے؟''

ڈاکٹر خان کا سوال سن کر کاشف نے لمحہ بھر کے لئے گھور کر اسے دیکھا اور پھر ناگوار لہجے میں بولا۔ ''ڈاکٹر صاحب! مجھے بنانے کی کوشش مت کیجئے یہ ہے ہی صبیحہ۔ میں جانتا ہوں کہ آپ میری دماغی حالت کے بارے میں مشکوک ہیں لیکن میں پورے ہوش وحواس کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں کہ یہ شمائلہ نہیں ہے بلکہ صبیحہ ہے۔ مجھے تو آپ بھی اس کے ساتھ ملے ہوئے نظر آرہے ہیں۔''

''میرے خیال میں تو شاید آپ نے شمائلہ کو صرف سرسری انداز میں دیکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی شکل تھوڑی بہت صبیحہ نامی کسی لڑکی سے ملتی جلتی ہو لیکن بخدا! یہ صبیحہ نہیں ہے شمائلہ ہے اسے غور سے دیکھیے پھر آپ کا شک دور ہوجائے گا۔''

کاشف نے ڈاکٹر خان کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر غور سے نرس کی طرف دیکھا اور پھر حیرت کا ایک زبردست جھٹکا کھا کر رہ گیا اب جو لڑکی اس کے بستر کے بائیں جانب کھڑی تھی وہ صبیحہ سے یکسر مختلف تھی۔ یہ تو کوئی عام سی لڑکی تھی۔ کہاں صبیحہ جیسی پری چہرہ دوشیزہ اور کہاں یہ عام سی لڑکی۔

بے اختیار کاشف اپنے سر کے بال مٹھی میں جکڑ کر بولا۔ ''سوری ڈاکٹر صاحب! میں آپ سے شرمندہ ہوں شاید میں پاگل ہو رہا ہوں یا پھر میرے ساتھ کوئی انہونی ہو چکی ہے۔''

''کیا آپ مجھے صبیحہ کے متعلق کچھ بتانا پسند کریں گے؟ وہ کون ہے کس کی بیٹی ہے؟ کیا کرتی ہے؟ آپ کا اس سے کیا تعلق ہے؟ یہ تمام سوالات میں آپ سے اس لئے پوچھ رہا ہوں کیونکہ میرے لئے ان کے جوابات بہت اہم ہیں۔ ویسے بھی سیانے کہتے ہیں کہ وکیل اور ڈاکٹر سے کوئی بات نہیں چھپانی چاہئے ورنہ مؤکل اور مریض دونوں نقصان اٹھاتے ہیں۔'' ڈاکٹر خان نے پوچھا۔

ڈاکٹر خان کے نرم رویے سے متاثر ہو کر کاشف نے اسے بلاکم وکاست اپنے اور صبیحہ کے متعلق ہر بات بتادی۔ حتیٰ کہ صبیحہ کے ساتھ اپنے جنسی تعلقات بھی اس نے پوشیدہ نہیں رکھے تھے۔

ڈاکٹر خان نے ساری کہانی سننے کے بعد سوالیہ انداز میں پوچھا۔ ''کیا آپ پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ساحل سمندر کے قریب پیش آنے والا واقعہ آپ نے جاگتی آنکھوں سے دیکھا ہے؟''

''بالکل کہہ سکتا ہوں لیکن صبیحہ کا اصرار ہے کہ یہ سب کچھ محض میرا خواب ہے۔ ذہنی اختراع ہے۔ کاش مجھے صبیحہ ایک بار مل جائے پھر ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔'' اس نے یاسیت کے عالم میں جواب دیا۔

''صبیحہ کے اصرار کو رہنے دیجئے۔ آپ خود کیا کہتے ہیں اس واقعے کے متعلق؟''

''دراصل ڈاکٹر صاحب! جب وہ تینوں غنڈے ریوالور نکال کر صبیحہ کی طرف بڑھ رہے تھے تو اس وقت خوفزدہ ہو کر میں نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چند لمحوں کے بعد جب دوبارہ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک بھیانک منظر میری نگاہوں کے سامنے تھا۔ ایک خونخوار درندہ بڑی بے رحمی کے ساتھ ان تینوں غنڈوں کو چیر پھاڑ رہا تھا اور وہ ہذیانی انداز میں چلا رہے تھے اس کے بعد میں فوراً بے ہوش ہوگیا تھا۔''

''کیا بے ہوش ہونے سے قبل آپ نے صبیحہ کو دیکھا تھا؟'' ڈاکٹر خان نے بالکل کسی
تفتیشی افسر کی طرح سوالیہ انداز میں پوچھا۔
''بالکل کوشش کی تھی لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئی تھی ویسے بھی میں اس وقت اس قدر
دہشت زدہ ہو چکا تھا کہ صبیحہ کی طرف صرف ایک لمحے کے لئے میرا خیال گیا تھا۔ میرے
کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس وقت صبیحہ کو دیکھنے کے لئے زیادہ تگ و دو نہیں کی تھی۔''
کاشف نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔
''اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ کوئی بھی بات پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔
صبیحہ کے کہنے کے مطابق یہ واقعہ آپ کا خواب بھی ہو سکتا ہے لیکن بقول آپ کے اگر یہ
واقعہ سچ مچ پیش آ چکا ہے تو پھر وہ صبیحہ نامی لڑکی ضرور کوئی ساحرہ ہے یا پھر کوئی بھٹکی ہوئی
بدروح ہے۔'' ڈاکٹر خان سنجیدگی سے بولا۔
کاشف نے یوں متحیر انداز میں ڈاکٹر خان کی طرف دیکھا جیسے اس کے سر پر سینگ
نکل آئے ہوں پھر بے ساختہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ''آپ بھی... آپ بھی ڈاکٹر......
میرے دوست سجاد کی طرح توہم پرست ہیں۔ ارے یہ اکیسویں صدی ہے اب ایسی گھسی
پٹی اسٹوریاں کوئی نہیں سنتا۔ یہ جن بھوت چڑیلیں اور بدروحیں صرف ماضی کے دلچسپ
قصے ہیں۔ چالاک اور شاطر لوگوں کی گھڑی ہوئی من گھڑت داستانیں ہیں۔ ڈونٹ بی سلی
ڈاکٹر! آپ تو ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ہیں۔ آپ کے منہ سے ایسی فرسودہ باتیں زیب
نہیں دیتیں۔ اٹ از ویری سیڈ مجھے آپ پر رحم آ رہا ہے۔''
ڈاکٹر خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر کاشف! میں توہم پرست نہیں ہوں البتہ
آپ ایک جیتی جاگتی سچائی سے منحرف ہو رہے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کا یہ مقصد نہیں
ہے کہ آدمی حقائق سے روگردانی کرنا شروع کر دے۔ اس بے کراں کائنات میں نجانے
کون کون سی مخلوقات بس رہی ہوں گی یہ صرف اللہ تعالیٰ کی علیم و خبیر ذات کو ہی معلوم ہو گا۔
آپ اور مجھ جیسے فانی انسانوں کا علم تو بہت محدود ہے۔''
''سجاد بھی بالکل آپ کی طرح باتیں کرتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ دنیا کو آخر کیا ہوتا

جا رہا ہے۔ اس سائنسی اور کمپیوٹرائزڈ دور میں ایسی باتیں بالکل بچگانہ لگتی ہیں۔''
''چلو ان ماورائی قصوں کو چھوڑو۔ یہ آپ کا دوست سجاد کون ہے؟ اور کیا کرتا ہے؟
مجھے ذرا تفصیل سے بتایئے؟''
''ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر حد درجہ توہم پرست انسان ہے۔ میرے ساتھ ہی اس نے
ایم ایس سی کا امتحان امتیازی پوزیشن میں پاس کیا تھا لیکن آج تک بیروزگار پھر رہا ہے۔
احمق شخص کوئی سروس تلاش کرنے کی بجائے روحانی علوم کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے۔
مسجد اور اپنے گھر کے درمیانی فاصلے کے بیچ اپنی جوانی کو ضائع کر رہا ہے۔ عبادت و ریاضت
کے علاوہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ ملواؤں گا آپ کو اس سے کسی دن۔''
کاشف کا جواب سن کر ڈاکٹر خان نے ترحم آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور
ذرا توقف سے بولا۔ ''ٹھیک ہے میں سجاد سے ضرور ملوں گا لیکن فی الحال تو آپ کو علاج کی
ضرورت ہے۔ اب آپ کیسا محسوس کر رہے؟ ذہن پر اگر کوئی بوجھ ہے تو مجھے بلا تردد بتا
دیجئے۔ ہاں میڈیسن بلا ناغہ استعمال کرتے رہنا۔ کل میں دوبارہ آؤں گا۔''
''او کے ڈاکٹر اب آپ جا سکتے ہیں۔ میں بالکل فریش محسوس کر رہا ہوں میرے
ذہن پر کوئی بوجھ نہیں ہے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو ڈیڈی آپ کو فون کر دیں گے۔''
اس نے خوشدلی سے جواب دیا۔ ڈاکٹر خان نے نرس کو ساتھ لیا اور کاشف کے بیڈ روم سے
باہر نکل آیا۔
لان میں سیٹھ طارق جمیل اور اس کی بیگم کو تسلی دینے کے بعد وہ اپنی گاڑی کی طرف
بڑھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھتے وقت ڈاکٹر خان حد درجہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا البتہ نرس شائلہ کے لبوں
پر ایک پُراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی ایک ایسی مسکراہٹ جسے کوئی بھی نام نہیں دیا جا سکتا
تھا۔ ''کاشف ڈارلنگ، بہت جلد تم سے ملوں گی۔ اب تو تم سے عشق ہو چلا ہے مجھے اتنی
آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ زیرلب بڑبڑائی مگر اس کی آواز ڈاکٹر خان کے
کانوں تک نہ پہنچ سکی کیونکہ وہ گاڑی کو ریورس گیئر میں ڈال کر اس کا رخ مین گیٹ کی طرف
موڑ رہا تھا۔

ایک لمحہ بعد ڈاکٹر خان کی گاڑی مین گیٹ کو کراس کرتے ہوئے بڑی سڑک پر پہنچ گئی۔ ڈاکٹر خان نے گاڑی کے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا اور گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔ اس نے ترنگ میں آ کر گاڑی میں موجود آٹو ریٹنگ کیسٹ پلیئر آن کر دیا اور پھر گاڑی میں دھیمی دھیمی میوزک کی مترنم اور سریلی آواز گونجی اور ڈاکٹر خان موج میں آ کر خود بھی گنگنانے لگا۔

اچانک ایک موڑ کاٹتے ہوئے اس کی نظر گاڑی کے بیک ویو مرر پڑی اور وہ بوکھلا اٹھا اسٹیرنگ پر اس کے ہاتھ لرزنے لگے۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ایک سیاہ رنگ کا ناگ لہرا رہا تھا اور نرس شائلہ غائب تھی۔ ڈاکٹر کے ماتھے پر خوف کی شدت سے پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے اور اس پر لرزے کی کیفیت طاری ہوگئی۔

آگے ایک چوک تھا اور ڈاکٹر خان کے ہوش و حواس گم ہو چکے تھے یکایک ایک دھماکا ہوا اور گاڑی سڑک کے درمیان موجود ٹریفک آئی لینڈ سے ٹکرانے کے بعد قلابازیاں کھاتی ہوئی دور تک سڑک پر گھسٹتی چلی گئی ڈاکٹر خان کے ذہن میں آخری احساس صرف موت کا تھا۔ شاید وہ ابدی نیند سو گیا تھا ایک ایسی نیند جس کا اختتام حشر کے دن ہونا تھا۔

===000===

منظر ایک ویران اور خوفناک حویلی کا تھا۔ برطانوی طرز تعمیر کا نمونہ یہ حویلی حوادث زمانہ کا شکار ہو کر تقریباً جگہ جگہ سے منہدم ہو چکی تھی۔ بیرونی طرف سے حویلی کو بڑے چھوٹے بڑے درختوں نے گھیر رکھا تھا۔ حویلی کی سرخ اینٹوں کا رنگ خاکستری ہو چکا تھا۔ حویلی کے عقبی جانب گندے پانی کا ایک نالہ گزر رہا تھا۔ نالے کے کناروں پر خودرو سرکنڈوں کی بہتات تھی۔ انگریزوں کے دور حکومت میں ہو سکتا ہے حویلی کسی صاحب ثروت شخص کے تصرف میں رہ چکی ہو لیکن اب تو اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے ہزاروں بدروحوں کا مسکن ہو۔

حویلی کی اندرونی حالت اتنی وحشت ناک اور پراسرار تھی کہ دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ برآمدے کے ٹوٹے پھوٹے اور شکستہ ستون بمشکل چھت کو سنبھالے ہوئے

تھے۔ کمروں کی کھڑکیوں کے بیشتر شیشے ٹوٹ چکے تھے اور جو سلامت تھے انہیں گرد و غبار اور جالوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔ پورے لان میں خودرو گھاس اور جھاڑ جھنکار پھیلے ہوئے تھے۔ زمین کا اگر کوئی قطعہ خالی بھی نظر آ رہا تھا تو وہاں سیم اور تھور نے قبضہ جما رکھا تھا۔

کمروں کے فرش پر گرد کی ایک موٹی تہہ سی جمی ہوئی تھی جس پر مختلف قسم کے زہریلے اور کریہہ شکل حشرات الارض رینگ رہے تھے۔ حویلی سے ملحق باغ جو شاید کسی زمانے میں نہایت ہی دیدہ زیب رہا ہو گا اب بالکل ویران ہو چکا تھا۔ ٹنڈ منڈ درختوں پر کسی پرندے کا جو نظر نہیں آ رہا تھا۔ باغ کے عین درمیان میں موجود تالاب برسوں سے خشک پڑا ہوا تھا۔ تالاب کی منڈیر چاروں طرف سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھی۔ حویلی کے لان کی طرح باغ میں بھی قد آدم خودرو گھاس پھیلی ہوئی تھی۔

وقفے وقفے سے ہوا کا کوئی جھونکا چلتا تو گھاس کی سرسراہٹ ایسی اعصاب شکن آواز پیدا کرتی جس سن کر کوئی بھی باہوش انسان خوفزدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔

اچانک تالاب کے عین درمیان سے دھوئیں کا ایک مرغولہ اٹھا اور رفتہ رفتہ بلند ہوتا گیا۔ دھوئیں کا وہ مرغولہ اڑتے اڑتے حویلی کے برآمدے تک پہنچ کر رک گیا اور آہستہ آہستہ ٹھوس وجود دھارنے لگا۔ اس اثناء میں حویلی رگوں میں دوڑنے والا لہو منجمد کر دینے والی بھیانک اور پراسرار چیخوں کی آواز سے تھرا اٹھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہزاروں بدروحیں مل کر بین کر رہی ہوں۔

شام کا ملگجا اندھیرا' ویران حویلی اور خوفناک چیخیں' رونے اور ہنسنے کی ملی جلی آوازیں۔ ان سب نے مل کر ماحول پر خوف و ہراس کی ایک ایسی فضا طاری کر رکھی تھی جسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن تھا۔

دھوئیں کا مرغولہ انسانی روپ دھارتے ہی نپے تلے قدموں سے آگے بڑھا اور مختلف راہداریوں اور کمروں سے گزرتا ہوا ایک بڑے کمرے کے سامنے پہنچ کر رک گیا۔ یہ نندنی تھی ایک جن زادی جو آج صبح ڈاکٹر خان کو ٹھکانے لگانے کے بعد اس پراسرار حویلی میں موجود تھی۔

نندنی نے کمرے کے دروازے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا اور دروازہ ایک خوفناک چرچراہٹ کی آواز پیدا کرتے ہوئے کھلتا چلا گیا۔ وہ کمرے کے اندر داخل ہوئی اور پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ کمرے کے گرد آلود فرش پر سینکڑوں چھوٹے بڑے سانپ اور زہریلے بچھو رینگ رہے تھے۔

کمرے کے ایک کونے میں ایک میلا سا چراغ جل رہا تھا جس کی کمزور سی روشنی تاریکی سے لڑنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ نندنی کمرے کے درمیان میں جا کر بیٹھ گئی اور آنکھیں موند کر زیرلب کچھ بڑبڑانے لگی۔ چند سانپ اور بچھو اس کے جسم کے ساتھ لپٹ گئے مگر وہ ان کی طرف دھیان دیے بغیر بدستور منتر جاپنے میں مصروف رہی۔

کمرے میں سانپوں کی سرسراہٹ اور پھنکار ایک دہشت ناک آواز پیدا کر رہی تھی لیکن نندنی کے بے تاثر چہرے پر خوف کا ایک ہلکا سا شائبہ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کچھ اس طرح بے نیاز ہو کر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہوئی تھی جیسے کوئی بارونق اور دیدہ زیب پارک میں یوگا کا کوئی آسن جما کر بیٹھتا ہے۔ وہ شیطان کی پجارن تھی اور اس کے پاس بے شمار کالی طاقتیں تھیں۔ یہ زہریلے سانپ اور بچھو اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

نندنی اس اجاڑ اور سنسان حویلی میں کالی کے پجاری شمبھوناتھ سے بگاڑ کر آئی تھی۔ کاشف جو شمبھوناتھ کا شکار تھا۔ جس کا بلیدان دے کر وہ مہان شکتی حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مگر اب کھیل بگڑ چکا تھا کیونکہ نندنی کاشف کے تیر نظر کا شکار ہو گئی تھی۔ شمبھوناتھ کی بے شمار دھمکیوں کے باوجود نندنی اپنے ارادے سے باز نہیں آئی تھی بلکہ شمبھوناتھ کی دھمکیوں کے جواب میں اس نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ ”کاشف اس کی محبت ہے اور اپنی محبت کے دفاع کے لئے وہ شمبھوناتھ سے ہر قسم کی جنگ لڑنے کے لئے تیار ہے۔“

یہ جانتے ہوئے بھی کہ شمبھوناتھ اس سے کہیں زیادہ شکتیوں کا مالک ہے نندنی مرنے مارنے پر تل گئی تھی لیکن شمبھوناتھ نے حوصلے سے کام لیتے ہوئے نندنی کو چند دن کے لئے سوچنے کی مہلت دے دی تھی۔ وہ ایک پرانا شکاری تھا اس لئے اس بات سے اچھی طرح

آگاہ تھا کہ جنگ یا لڑائی کسی بھی مسئلے کا حتمی حل نہیں ہوتی۔ وہ اگر بلا سوچے سمجھے نندنی سے لڑ جاتا تو نندنی غصے میں آ کر کچھ بھی کر سکتی تھی۔ اسے نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ کاشف کو بھی زخمی کر سکتی تھی اور زخمی کاشف شمبھوناتھ کے کسی بھی کام کا نہیں تھا۔ اسے تو بلیدان دینے کے لئے ایک بے داغ نوجوان کی ضرورت تھی۔ بڑی سخت اور کڑی تپسیا کے بعد شمبھوناتھ کو کاشف جیسا نوجوان ملا تھا۔ اس لئے وہ اسے کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔ نندنی کو تو فقط اس نے خوفزدہ کرنے کے لئے دھمکایا تھا ورنہ اس کے خلاف وہ کسی قسم کی بھی کارروائی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ نندنی اس وقت اس پراسرار حویلی میں بیٹھ کر شمبھوناتھ کو ٹھکانے لگانے کیلئے ایک خطرناک جاپ کرنے میں مصروف تھی۔ یہ جاپ اس کے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس جاپ کے نتیجے میں اس کی جان بھی جا سکتی تھی اور کامیاب ہونے کی صورت میں یہ جاپ اسے شمبھوناتھ سے زیادہ شکتیوں کا مالک بھی بنا سکتا تھا۔

نندنی بدستور آنکھیں بند کئے کسی عجیب و غریب زبان میں زیرلب کچھ بڑبڑاتے جا رہی تھی۔ اس کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ وہ اردگرد کے ماحول سے بالکل بے خبر ہو چکی تھی۔ اسے اپنے بدن پر رینگنے والے سانپوں تک کا احساس نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اگر اس نے خوفزدہ ہو کر جاپ ادھورا چھوڑ دیا تو جل کر راکھ ہو جائے گی۔ سفلی علوم کے اس خطرناک جاپ کا نام ”دہشت منتر“ تھا۔

اس منتر کے پڑھنے سے بدی کا وہ بے رحم دیوتا اور ابلیس کا ایک ایسا کارندہ حاضر ہو جاتا تھا جس کا نام سفلی دنیا میں دہشت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ سفلی علوم کی دنیا میں ”دہشت منتر“ زندگی اور موت کے درمیان اس باریک پگڈنڈی کی طرح تھا جس پر چلنے والا ایک ایک قدم پھونک کر رکھتا ہے کہ نجانے اس کا کون سا قدم غلط اٹھ جائے اور پھر موت کا بھیانک اور سیاہ پنجہ اسے جکڑ لے۔ لیکن یہ عشق تھا...... وہ عجیب و غریب جذبہ جو زندگی اور موت کی پرواہ کبھی نہیں کیا کرتا۔ کبھی ابراہیم علیہ السلام بن کر آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے تو کبھی منصور حلاج کی طرح پتھر کھاتے کھاتے سولی چڑھ جاتا ہے۔

اگرچہ نندنی کا عشق مجازی تھا اور وہ بھی غیر فطرتی۔ کیونکہ وہ ایک جن زادی تھی جب کہ کاشف ایک آدم زاد تھا مگر عشق تو عشق ہے ناں! ہر روپ میں اپنا آپ دکھا کر رہتا ہے۔ وہ بدی کے راستے کی مسافر تھی اور اب بھی اسی پر گامزن تھی یہ الگ بات ہے کہ عشق نے اسے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا سکھا دیا تھا۔ عام حالات میں شاید وہ ایسا رسک لینے کے لیے کبھی بھی تیار نہ ہوتی لیکن عشق نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ اس کی کامیابی کا انحصار اسی جاپ میں تھا بصورت دیگر شمبھوناتھ جیسا کایاں اور سفلی علوم کا ماہر شخص اسے چند منٹوں میں ٹھکانے لگا سکتا تھا۔

شمبھوناتھ نے اسے سوچنے کی مہلت دے کر اپنے پاؤں پر خود ہی کلہاڑی ماری تھی شاید اس کے ظلموں کی رسی دراز ہو گئی تھی اور اب اس کا انت ہونے والا تھا۔ قدرت کے کھیل بھی نرالے ہوتے ہیں کبھی کبھار وہ قادر مطلق برائی کو برائی کے ہاتھوں ہی مروا ڈالتا ہے۔ وہ نندنی جو کل تک اس کی بے دام غلام تھی اس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیتی تھی۔ کبھی اس سے سوال کرنے کی جرات بھی نہیں کیا کرتی تھی وہی نندنی آج اس کے لئے موت کا سامان تیار کرنے کے لئے ''دشٹ منتر'' جاپنے میں مصروف تھی اور اب اس کا منتر آخری مراحل میں تھا کسی بھی وقت دشٹ دیوتا حاضر ہو سکتا تھا کیونکہ کمرے میں موجود سانپوں کی پھنکار میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور یہی دشٹ دیوتا کے آنے کی مخصوص نشانی تھی۔

====OOO====

نندنی آنکھیں بند کیے بڑے مطمئن انداز میں ''دشٹ منتر'' کے عجیب و غریب سمجھ میں نہ آنے والے الفاظ دھیمی آواز میں بولے جا رہی تھی۔ اچانک اس کا پورا وجود لاشعوری طور پر لرزنے لگا اور اس کی بڑبڑاہٹ میں تیزی آ گئی۔ منتر کے آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے اس کی زبان لحہ بھر کے لئے لڑکھڑائی مگر اس نے جلد ہی اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا۔ اس کی ایک چھوٹی سی لغزش اسے موت کے منہ میں دھکیل سکتی تھی۔

یکا یک کمرے میں ایک رونگٹے کھڑے کر دینے والی پھنکار کی آواز گونجی اور نندنی کے پورے وجود میں خوف کی ایک سرد لہر سرایت کر گئی۔ ڈر کے مارے اسے اتنی ہمت بھی

نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اپنی آنکھیں کھول دے۔ منتر پورا کرنے کے باوجود اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں اور پورا بدن پسینے میں شرابور ہو چکا تھا۔

''نادان جن زادی آنکھیں کھول دو تمہارا جاپ مکمل ہو گیا ہے۔ تم دشٹ دیوتا کو بلانے میں کامیاب ہو چکی ہو۔ بولو کیا چاہتی ہو؟''

کمرے میں ایک دہشت ناک پھنکارتی ہوئی آواز گونجی اور نندنی نے اپنی بند آنکھیں آہستہ آہستہ کھول دیں۔ اُف کیسا دہشت ناک منظر تھا۔ نندنی کو اپنے بدن سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس کے عین سامنے دشٹ دیوتا اپنے خوفناک روپ میں موجود تھا۔ گردن سے لے کر چہرے تک دشٹ دیوتا کی شکل بالکل انسانوں سے ملتی جلتی تھی اور نچلا دھڑ ایک خوفناک سنہری ناگ کی صورت میں تھا۔ اس کے نچلے دھڑ سے عجیب و غریب روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ کمرے میں پہلے سے موجود تمام چھوٹے بڑے سانپ دشٹ دیوتا کے سامنے سجدہ ریز ہو چکے تھے۔

دشٹ دیوتا کی گول گول انگارہ نما آنکھیں بدستور نندنی پر جمی ہوئی تھیں اور نندنی پر لرزے کی کیفیت طاری تھی۔ اچانک وہ اپنی جگہ سے ذرا آگے کو سرکی اور دشٹ دیوتا کے سامنے سر بسجود ہو گئی۔

''دشٹ دیوتا تمہاری پوجا سے خوش ہوا ہے نندنی' مانگ کیا مانگتی ہے؟'' دشٹ دیوتا نے دوبارہ پھنکارتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

نندنی نے سجدے سے سر اٹھایا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مہاراج! مجھے پجاری شمبھوناتھ سے نمٹنے کے لئے آپ کی مدد درکار ہے ورنہ وہ مجھے جلا کر بھسم کر ڈالے گا۔ وہ میری جان کا دشمن بن چکا ہے اس لئے مجھے آپ کو بلانے کے لئے دشٹ منتر کا سہارا لینا پڑ گیا تھا۔ یہ سب آقا ابلیس کی کرپا ہے کہ میں اس کڑے امتحان میں کامیاب ہو گئی ہوں۔''

''کیا ایک آدم زاد سے محبت کر کے تم آقا ابلیس سے غداری کی مرتکب نہیں ہو رہی ہو؟''

''مہاراج! اگر آقا ابلیس مجھ سے ناراض ہوتا تو شاید میں اپنے منتر میں کبھی بھی

کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ میری کامیابی ہی اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ آقا ابلیس مجھ سے بے حد خوش ہے کیونکہ میں کافی طویل عرصے سے اولادِ آدم کو بھٹکانے کا اہم فریضہ سرانجام دے رہی ہوں۔'' نندنی نے اپنی زبان کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے پُرجوش لہجے میں جواب دیا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ ایک آدم زاد کی محبت تمہارے فرائض کے آڑے نہیں آ سکتی؟'' دشٹ دیوتا نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''بالکل مہاراج! ایک آدم زاد کی محبت مجھے اپنے فرائض سے کبھی بھی غافل نہیں کر سکتی۔ میں نے اس سے بے شک محبت کی ہے لیکن اس کی رہنمائی بدی کے راستے کی طرف کر رہی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔ ویسے وہ خود بھی ہر وقت نیکی کے کاموں سے نالاں رہتا ہے۔ وہ ایک امیر باپ کی بگڑی ہوئی اولاد ہے۔ دولت کی فراوانی نے اسے اس راستے پر گامزن کر دیا ہے جو آقا ابلیس کا منتخب کیا ہوا من پسند راستہ ہے۔ اس کا باپ انہی طریقوں سے دولت حاصل کر رہا ہے جو اسے آقا ابلیس نے بتائے ہیں۔'' نندنی نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔

دشٹ دیوتا کے مکروہ لبوں پر ایک خوفناک مسکراہٹ نمودار ہوئی اور نندنی کا دل خوشی کے مارے بلیوں اچھلنے لگا۔ اب اس کے چہرے پر یاسیت کی بجائے امید کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ دشٹ دیوتا کی پُراسرار مسکراہٹ اس بات کی واضح دلیل تھی کہ نندنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی ہے۔

دشٹ دیوتا نے ایک لمحے کے لئے سجدہ ریز سانپوں کی طرف دیکھا اور پھر بارعب آواز میں بولا۔ ''دشٹ کے پجاریو! ہمیں تمہاری پوجا پسند آئی ہے۔ جاؤ اب اپنا اپنا کام کرو۔ جب تمہاری ضرورت پڑے گی تو ہم بلا لیں گے۔''

تمام سانپ دشٹ دیوتا کا حکم سنتے ہی رینگتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ سانپوں کے باہر نکلتے ہی دشٹ دیوتا نے نندنی سے کہا۔ ''ہم تجھے اس بات کی آگیا دیتے ہیں کہ پجاری شمبھوناتھ کا کام تمام کر دو اور اس نوجوان کو بدی کے راستے پر اتنی دور لے جاؤ

کہ اس کے لئے واپسی ناممکن ہو جائے اور وہ ظلمت کا سچا پیروکار اور آقا ابلیس کا غلام بن جائے۔''

''مہاراج! اس نوجوان کو تو میں تمام عمر بدی کے راستے پر چلاتی رہوں گی اور یہ کام میرے لئے کوئی مشکل بھی نہیں ہے لیکن پجاری شمبھوناتھ کو ٹھکانے لگانا مجھ اکیلی کے بس سے باہر ہے۔ آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ مجھ سے کہیں زیادہ شکتیوں کا مالک ہے۔''

''نادان! ہم تجھے اس سے زیادہ شکتیاں عطا کریں گے۔ اسے ختم کرنے کے لئے ہم تجھے سنہری خنجر دیں گے۔ سنہری خنجر کی موجودگی میں وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ تم بس مناسب موقع پا کر سنہری خنجر اس کے دل کا نشانہ لے کر پھینکنا پھر اسے موت کے منہ سے کوئی بھی نہیں بچا سکے گا۔'' دشٹ دیوتا نے اسے سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

''مہاراج! شمبھوناتھ کے گرد ہر وقت متعدد پُراسرار شکتیوں کا گھیرا رہتا ہے۔ شاید اسے سنہری خنجر کا نشانہ بنانا میرے لئے مشکل بن جائے۔ آپ خود ہی اسے اپنی شکتی سے پھونک ڈالیں تو اچھا ہوگا۔'' نندنی نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

دشٹ دیوتا نے نچلے دھڑ کو شدت طیش سے بل دیا اور پھر نندنی کو قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے جواباً پھنکارتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''تو کیا سمجھتی ہے احمق جن زادی کیا شیطانی دنیا کے کوئی اصول نہیں ہوتے؟ شمبھوناتھ تیرا دشمن ہے میرا نہیں۔ تجھے خود ہی اس سے جنگ کرنا پڑے گی کیونکہ تم دونوں کا تعلق شیطانی دنیا سے ہے البتہ میں تمہیں اتنا بتا سکتا ہوں کہ سنہری خنجر کی موجودگی میں شمبھوناتھ کی مددگار شکتیاں تمہارے سامنے بے بس ہو جائیں گی۔''

''مہاراج! شما کر دیجئے مجھ سے بھول ہو گئی تھی۔ جب آپ مجھے پجاری شمبھوناتھ کی ہتیا کرنے کی آگیا دے چکے ہیں تو پھر مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں جلد ہی اسے نرک میں پہنچا دوں گی۔'' نندنی نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر معافی طلب کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے تم اپنی شہر والی کوٹھی میں پہنچ جاؤ۔ تمہارے پہنچنے سے قبل وہاں سنہری خنجر پہنچا دیا جائے گا مگر میری ایک بات کان کھول کر سن لو اس آدم زاد کی محبت میں اگر تم نے آقا

ابلیس کی نافرمانی کرنے کی جرات کی تو تمہارا انت بڑا بھیانک ہو گا۔'' آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے دشٹ دیوتا کا لہجہ قہر آلود ہو گیا تھا۔

نندنی نے اثبات میں سر ہلایا اور رکوع کے بل جھک کر دشٹ دیوتا سے اجازت طلب کرنے کے بعد کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے لبوں پر ایک پُراسرار قسم کی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

====OOO====

چند روز بعد شام کے وقت کاشف نے اپنی گاڑی نکالی اور اپنے من پسند ریسٹورنٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ سلمان نامی ویٹر سے صبیحہ کا سراغ ضرور مل جائے گا۔ کیونکہ سلمان ایسے کاموں میں ماہر تھا۔ اکثر دولت مندوں کیلئے وہ ایسے کام سرانجام دیتا رہتا تھا۔ ریسٹورنٹ کا مالک اسے جتنی تنخواہ دیتا تھا۔ اس سے زیادہ تو وہ کاشف جیسے امیر زادوں کے کام انجام دے کر کما لیتا تھا۔

صبیحہ سے خوفزدہ ہونے کے باوجود کاشف اس کی قربت کیلئے ترس رہا تھا۔ دل ہی دل میں وہ خود کو ملامت بھی کر رہا تھا کہ صبیحہ جیسی لڑکی کو خواہ مخواہ ناراض کر کے اس نے حماقت کا ثبوت کیوں دیا ہے۔

گزشتہ چند دنوں میں صبیحہ نے اسے اپنی قربت سے مسلسل نواز کر پاگل سا کر دیا تھا۔ گاڑی پارک کرنے کے بعد وہ چابیوں کو اچھالتے ہوئے ریسٹورنٹ کے ہال کی طرف بڑھ گیا۔ ہال قریب قریب بھرا ہوا تھا تاہم چند ایک میزیں خالی تھیں۔ اس نے صبیحہ کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر اسے مایوسی ہوئی۔ صبیحہ کہیں بھی موجود نہیں تھی۔ ہال میں مترنم نسوانی قہقہے گونج رہے تھے اور ویٹرز بھاگ بھاگ کر لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء فراہم کر رہے تھے۔

اس کی مخصوص میز خالی نہیں تھی اس لئے وہ ہال کے اس کونے کی طرف بڑھ گیا جہاں ایک میز خالی تھی۔ نشست سنبھالتے ہی ایک تیز طرار ویٹر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ ''آرڈر سر!''

''براہ کرم سلمان کو بلوا دو۔ میرا آرڈر وہی سرو کرے گا۔'' اس نے ویٹر کوئی چیز لانے کی بجائے سلمان سے ملنے کی خواہش ظاہر کر دی تھی۔

''میں سلمان کو بلا لاتا ہوں سر۔'' ویٹر نے مودب انداز میں جواب دیا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد سلمان اس کے سامنے موجود تھا۔ ''حکم سر!'' سلمان نے اپنے مخصوص انداز میں اسے سیلوٹ مارتے ہوئے پوچھا۔

''سلمان تمہیں صبیحہ کے متعلق کچھ معلوم ہے؟'' اس نے بلا تمہید سوال کر دیا۔

''سر! آپ کو واقعی کچھ معلوم نہیں ہے یا پھر مجھے بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' سلمان نے مشکوک انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

سلمان کا سوال سن کر بے اختیار اس کا دل دھڑک اٹھا۔ یقیناً سلمان صبیحہ کے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔ ''پلیز سلمان مجھے جلدی بتاؤ کہ صبیحہ کہاں ہے؟ میں اس کے متعلق کافی پریشان ہوں۔'' وہ بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

''لیکن ...'' سلمان کی آنکھوں میں الجھن تیر رہی تھی اور وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''لیکن کیا؟ یار کچھ منہ سے پھوٹو۔ یوں الوؤں کی طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟''

سلمان نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ''سر! مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ آپ صبیحہ کیلئے کیوں پریشان ہیں۔ اس سے تو آپ کا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ رشتہ۔''

''احمق ہو تم۔'' وہ ایکدم جھنجلا اٹھا۔ ''میں صبیحہ کے ساتھ کافی دن گزار چکا ہوں۔ ہم دونوں نے اس کی کوٹھی میں ایسی ایسی رنگین راتیں گزاری ہیں کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔''

''یہ رنجور بڑھئی والے نے کوٹھی کب سے خرید لی ہے؟'' سلمان نے صبیحہ کے والد کا نام لیتے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں پوچھا۔

کاشف نے کہا۔ ''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ شاید تمہیں صبیحہ کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔ بے وقوف کہیں کے آج کل وہ اپنی ذاتی کار میں گھومتی ہے اور اس کے باپ کو لوگ احترام سے سیٹھ رضوان احمد کہہ کر پکارتے ہیں۔''

''کہیں قارون کا خزانہ تو ان کے ہاتھ نہیں لگ گیا؟'' سلمان کا انداز بدستور استہزائیہ تھا۔

کاشف زچ ہو کر بولا۔ ''الو کے پٹھے! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو بغیر کچھ لئے منہ سے ایک لفظ نہیں پھوٹے گا۔ چل اٹھا یہ پانچ سو کا نوٹ اور مجھے فرفر صبیحہ کے متعلق بتا دے۔ وہ کہاں ہے؟ کیا کرتی ہے اور کس کس کے ساتھ نظر آتی ہے۔ دولت مند بننے کے بعد وہ کافی آزاد خیال ہو چکی ہے۔''

سلمان نے ایک نظر میز پر پڑے ہوئے پانچ سو روپے کے نوٹ پر ڈالی اور پھر متحیر انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے انداز سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کاشف کی دماغی حالت کے بارے میں مشکوک ہو چکا ہو تاہم کچھ کہنے کی بجائے اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا تھا۔

''کیا پانچ سو روپے کم ہیں یا پھر سچ مچ تمہیں صبیحہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے؟'' کاشف نے سلمان کے حیرت زدہ چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بات پانچ سو روپے کی نہیں ہے سر'' سلمان نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ ''آپ باتیں ہی ایسی کر رہے ہیں کہ میرا دماغ گھومنے لگا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ صبیحہ آپ کے ساتھ راتیں گزار چکی ہے لیکن میں شرط لگا کر کہتا ہوں کہ وہ ابھی آپ کی صورت سے بیزار ہے۔ آپ نے اسے کار کوٹھی کا مالک بنا دیا ہے لیکن وہ ایک معمولی سے جنرل اسٹور میں سیلز گرل کی ملازمت کر رہی ہے اور اس کا باپ اب بھی ریڑھی لگاتا ہے اور بدستور رنجور ریڑھی والا کہلاتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ میں اپنی عقل پہ ماتم کروں یا پھر....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا اور جواب طلب نظروں سے کاشف کی طرف دیکھنے لگا۔

سلمان کی بات سن کر کاشف کے ذہن میں ساحل سمندر والا واقعہ تازہ ہو گیا اور اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ ''یہ صبیحہ کوئی سچ مچ کی جادوگرنی تو نہیں ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر سلمان کی طرف متوجہ ہو گیا جو بدستور اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ''سلمان! فی الحال تو تم مجھے صبیحہ کا پتا دو۔ ماتم کس کی عقل پر کرنا ہے یہ بعد میں

طے کر لیں گے۔''

سلمان نے کوئی سوال کرنے کی بجائے فوراً ایک جنرل اسٹور کا نام بتا دیا جو شہر کی ایک معروف مارکیٹ میں واقع تھا۔

کاشف نے سلمان کا شکریہ ادا کیا اور میز پر پڑا ہوا پانچ سو روپے کا نوٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ سلمان نے جھپٹ کر نوٹ جیب میں ڈالا اور اسے سلام کرنے کے بعد نئے آنے والے گاہکوں کی طرف بڑھ گیا۔

ریسٹورنٹ سے نکلنے کے بعد کاشف نے پارکنگ ایریئے سے اپنی گاڑی نکالی اور ریسٹورنٹ کے صدر دروازے سے گزرتا ہوا کھلی سڑک پر آ گیا۔ سلمان کی گفتگو نے اس کے پورے وجود میں سنسنی سی پھیلا دی تھی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات اٹھ رہے تھے۔ ایک لمحے کے لئے اسے اپنے دوست سجاد کی کہی گئی باتیں بھی یاد آئیں لیکن اس نے اپنی اس سوچ پر لعنت بھیج دی۔ وہ ترقی یافتہ ہندوستان کا باشندہ تھا۔ دیوی دیوتاؤں کی سرزمین پر رہنے کے باوجود وہ ماورائی باتوں کو ماننے کیلئے بالکل تیار نہیں تھا۔

انہی خیالات میں کھویا ہوا وہ مطلوبہ جنرل اسٹور کے سامنے پہنچ گیا۔ گاڑی کو سائیڈ میں پارک کرنے کے بعد وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جنرل اسٹور میں داخل ہو گیا۔

''فرمایئے صاحب۔'' ایک سیلز بوائے تیزی سے اس کے قریب آتے ہوئے کاروباری انداز میں بولا۔

''کیا صبیحہ صاحبہ موجود ہیں؟'' اس نے بلاتمہید سوال کر دیا۔

سیلز بوائے نے پہلے تو غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر ذرا مشکوکانہ انداز میں بولا۔ ''صاحب! آپ صبیحہ صاحبہ کے کون لگتے ہیں؟''

''میں کزن ہوں اس کا۔'' اس نے بلاسوچے سمجھے جواب دیا۔

لیکن میں نے آپ کو پہلے تو کبھی نہیں دیکھا' آپ کہیں دانیال کے بھائی تو نہیں ہیں؟'' سیلز بوائے شاید ضرورت سے زیادہ ہوشیار تھا۔ اس لئے سوال پر سوال کئے جا رہا تھا۔

''بالکل بالکل تم نے ٹھیک پہچانا میں اسی کا بھائی ہوں۔'' کاشف نے اندھیرے میں تیر چھوڑتے ہوئے کہا۔

سیلز بوائے بولا۔ ''واہ صاحب واہ آپ کا بھی جواب نہیں ہے۔ آج آپ کے بھائی کی صبیحہ کے ساتھ منگنی ہے اور آپ اپنی ہونے والی بھابی کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔'' کاشف کھسیانی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔ اس کی چوری موقع پر ہی پکڑی گئی تھی۔ سیلز بوائے استہزائیہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ کاشف نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر زرا دھیمی آواز میں بولا۔

''دیکھو دوست! میں تمہارے بڑے بھائی جیسا ہوں۔ صبیحہ سے میرا ملنا از حد ضروری ہے۔ پلیز مجھے اس کے گھر کا پتا بتا دو۔ میں اپنی دروغ گوئی پر شرمندہ ہوں۔ دانیال کو میں جانتا تک نہیں ہوں۔ تاہم میں تمہیں اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ صبیحہ مجھے اچھی طرح جانتی ہے۔''

''صاحب! کوئی چکر وکر تو نہیں ہے؟'' سیلز بوائے بھی شیطان کا چیلا معلوم ہوتا تھا۔ کاشف نے وقت ضائع کرنے کی بجائے ایک بڑے نوٹ کی قربانی دی اور سیلز بوائے سے صبیحہ کے گھر کا پتا معلوم کرنے کے بعد جنرل اسٹور سے باہر نکل آیا۔

====OOO====

صبیحہ گزشتہ دو ماہ سے ایک جنرل اسٹور میں سیلز گرل کی ملازمت کر رہی تھی۔ بڑا بھائی نہ ہونے کی وجہ سے گھر کا آدھا بوجھ اس کے ناتواں کندھوں پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خوبصورتی کے ساتھ ساتھ حسن سیرت سے بھی نوازا تھا۔ باپ نے بڑی مشکل سے اسے ایف۔ اے تک تعلیم دلوائی تھی۔ آگے پڑھانے کی اسے ہمت ہی نہیں ہو سکی تھی۔ صبیحہ سے چھوٹی تین بہنیں اور ایک بھائی تھا جو ابھی زیر تعلیم تھے۔

اس کا باپ رضوان احمد عرف رجو سبزی کی ریڑھی لگاتا تھا اور ماں اکثر بیمار رہتی تھی۔ ہر ماہ اس کی دوائیوں پر بھی کافی خرچہ اٹھ جاتا تھا۔ اس لئے اس نے باپ کا ہاتھ بٹانے کیلئے سیلز گرل کی سروس کر لی تھی۔ تاکہ باپ کا بوجھ ہلکا کرنے کے ساتھ ساتھ ماں کا بھی مناسب علاج کروا سکے۔ اس کے علاوہ وہ اپنا جہیز اکٹھا کرنے کیلئے بھی کبھی کبھار چھوٹی موٹی چیزیں خریدتی رہتی تھی۔ کیونکہ اسے اپنی اوقات معلوم تھی۔ غریب کی بیٹی کو تو ویسے بھی کوئی نہیں پوچھتا اور بغیر جہیز کے تو کوئی تھوکتا بھی نہیں ہے۔ سو صبیحہ بھی عام ہندوستانی غریب لڑکیوں کی طرح خود ہی اپنا جہیز اکٹھا کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

دانیال اس کی سگی پھوپھی کا بیٹا تھا اور اسے بے حد چاہتا تھا لیکن اس کی پھوپھی کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ گو کہ اس کی پھوپھی کا تعلق متوسط طبقے سے تھا لیکن وہ خود کو امراء میں شمار کرتی تھی۔ اس لئے وہ دانیال کی شادی کے خواب کسی اونچے خاندان میں دیکھ رہی تھی لیکن دانیال کی سوئی صبیحہ پر ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔ ماں کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ اپنی ضد پر ڈٹا رہا۔ ماں نے اس پر ہر حربہ آزما ڈالا لیکن اسے قائل نہ کر سکی۔

جب ماں کی ضد نے شدت اختیار کر لی تو اس نے گھر چھوڑنے کی دھمکی دے ڈالی اور واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر اس کی شادی صبیحہ سے نہ ہو سکی تو وہ تمام عمر کنوارا ہی رہے گا۔اس کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی اور اس کی ماں کسی حد تک قائل ہو گئی مگر ساتھ ہی اس نے ڈھیر سارے جہیز کی شرط عائد کر کے صبیحہ اور دانیال کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

دانیال خود ایک کنسٹرکشن کمپنی میں ملازمت کر رہا تھا۔اسے اچھی خاصی تنخواہ مل رہی تھی۔ماں سے چوری چھپے وہ حتی المقدور ماموں کی مدد کرتا رہتا تھا۔اسے یقین تھا کہ وہ تین سالوں کے اندر صبیحہ کا جہیز تیار ہو جائے گا اور پھر اس کی ماں کی زبان بند ہو جائے گی۔

ماں سے ضد کر کے اس نے اپنی منگنی کی تاریخ بھی طے کروا دی تھی۔آج اس کی اور صبیحہ کی منگنی کی تقریب تھی۔اس تقریب میں متوسط طبقے کے چند ایک لوگ مدعو تھے۔منگنی کی اس تقریب کا وقت عشاء کی نماز کے بعد رکھا گیا تھا لیکن دانیال صبح سویرے ہی صبیحہ کے گھر پہنچ گیا تھا اور صبیحہ کی بہنوں کے ساتھ مل کر منگنی کے انتظامات میں لگ گیا تھا۔صبیحہ نے بھی آج جنرل اسٹور سے چھٹی کر لی تھی۔

اس وقت وہ سب مل کر منگنی کے انتظامات ترتیب دینے میں مصروف تھے جب اچانک دروازے پر لگی ہوئی کال بیل بج اٹھی۔

''میں دیکھتی ہوں باجی آپ لوگ کام کریں۔''صبیحہ کی چھوٹی بہن نازیہ بیل کی آواز سن کر اٹھتے ہوئے بولی۔

تھوڑی دیر کے بعد نازیہ واپس آ کر بولی۔''کوئی صاحب باجی سے ملنا چاہتے ہیں۔کہہ رہے ہیں بہت ضروری کام ہے۔شکل سے کافی پریشان بھی لگتے ہیں۔''

''خدا خیر کرے کون ہو سکتا ہے اس وقت۔''صبیحہ عجلت میں اٹھتے ہوئے دروازے کی طرف چل دی۔صبیحہ کو جاتے دیکھ کر دانیال بھی اس کے پیچھے پیچھے بیرونی دروازے کی طرف چل پڑا۔

صبیحہ نے جونہی دروازہ کھولا اس کا دل دھک سے رہ گیا۔سامنے ہی کاشف کھڑا ہوا تھا۔جو اسے عجیب سے انداز میں گھور رہا تھا۔

''تم اور یہاں؟ آخر تم میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟''صبیحہ نے غصیلے انداز میں پوچھا۔

''واہ مس صبیحہ واہ! کیا کہنے تمہارے۔''وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔''میں تمہارے پیچھے پڑا تھا یا تم؟ اتنی جلدی تم وہ رنگین لمحات بھول گئی ہو جو تم نے میرے ساتھ گزارے تھے۔تم اپنے آپ...''

''بکواس مت کرو ذلیل انسان۔''اپنے کردار پر آنچ پڑتے دیکھ کر صبیحہ زخمی شیرنی کی طرح دھاڑی اور کاشف کی بات نامکمل رہ گئی۔

''تم کیا سمجھتے ہو کہ میں تمہاری الزام تراشی سے ڈر کر تمہارے سامنے گھٹنے ٹیک دوں گی۔اور پھر تم اپنی من مانی کر سکو گے۔اتنا بڑا جھوٹ بول کر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟''وہ بدستور غصے سے پھنکار رہی تھی۔

صبیحہ کی چلاتی ہوئی آواز سن کر دانیال بھی جلدی سے باہر نکل آیا اور کاشف جو کچھ کہنے کیلئے منہ کھول رہا تھا حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''اچھا تو یہ ہے دانیال جس کیلئے تو میرے منہ پر تھوکنے چلی ہے۔''دانیال کو دیکھتے ہی وہ حقارت سے بولا۔''یہ دو ٹکے کا گھٹیا انسان تمہیں کیا دے سکتا ہے؟ یہ تو شکل سے ہی سالا بھکاریوں کی برادری کا لگتا ہے۔''

''اے طرم خان کی اولاد!''دانیال نے آگے بڑھ کر اسے گریبان سے پکڑ لیا۔''کیا پاگل خانے سے فرار ہو کر آ رہا ہے! چل پھوٹ یہاں سے ورنہ شکل بگاڑ کر رکھ دوں گا۔تیرے جیسے کئی لٹ پونجیے میں نے سیدھے کئے ہیں۔''

''ٹھہر سالے! تیرا قصہ تو ابھی پاک کرتا ہوں۔''اتنا کہہ کر کاشف اس پر ٹوٹ پڑا لیکن دانیال بھی اس سے کم نہیں تھا۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ دونوں ارنے سانڈوں کی طرح بھڑنے لگے۔

صبیحہ چلا چلا کر دانیال کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس پر تو جنون سوار ہو چکا تھا۔وہ منہ ناک دیکھے بغیر کاشف پر گھونسے برسا رہا تھا اور نتیجے میں کاشف کے گھونسے کھا رہا تھا

ذرا کی ذرا میں ان دونوں نے ایک دوسرے کو دھنک کر رکھ دیا تھا۔

دونوں کی ناک سے خون بہہ رہا تھا لیکن کوئی بھی شکست ماننے کیلئے تیار نہیں تھا صبیحہ کے چلانے کی آوازیں سن کر کافی سارے لوگ وہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔ انہی میں سے کسی نے پولیس کو بھی فون کر دیا تھا۔

پولیس نے پہنچتے ہی دونوں کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالی اور انہیں وین میں بٹھا کر تھانے کی طرف روانہ ہو گئی۔ صبیحہ بیچاری پولیس والوں کے سامنے ہاتھ جوڑتی ہی رہ گئی تھی۔ اس نے رو رو کر پولیس انسپکٹر کو دانیال کی بے گناہی کا ثبوت دینے کی کوشش کی تھی لیکن وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے چل پڑے تھے۔

دانیال کی ماں تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ صبیحہ کی شان میں قصیدہ گوئی کرتی ہوئی ان کے گھر پہنچ گئی۔ صبیحہ کو اور اس کی بیمار ماں کو اس نے ایسی کھری کھری سنائی تھیں کہ خدا کی پناہ۔ وہ تو اپنی سگی بھتیجی یعنی صبیحہ پر بدچلنی کا الزام لگانے سے بھی نہیں چوکی تھی۔ صبیحہ نے رو رو کر خود کو ہلکان کر لیا تھا۔ وہ بار بار پھوپھی کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔ اسے اپنی بے گناہی کا ثبوت دینے کیلئے خدا اور رسولؐ کے واسطے دے رہی تھی۔ لیکن پھوپھی اس کی کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں تھی۔

"جنم جلی! میرا اکلوتا بیٹا تھانے میں ہے اور تو ٹسوے بہا کر خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کون تھا وہ مردود جو تیرا خصم بن کر آیا تھا؟" پھوپھی نے زہر خند لہجے میں پوچھا۔

"پھوپھی خدا کیلئے میرا یقین کیجئے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "مجھ پر اتنا بڑا الزام مت لگائیے آخر میں آپ کی ہونے والی بہو ہوں۔"

"بہو گئی جہنم میں۔" پھوپھی نے غصے کے مارے منہ سے کف اڑاتے ہوئے کہا۔

"بس ایک بار میرا دانیال گھر آ جائے پھر ہم لوگ تم پر تھوکنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ میں اپنے دانیال کیلئے کوئی خاندانی لڑکی دیکھوں گی۔"

"پھوپھی جان! آپ بھی اسی خاندان کی ہیں۔ اب آپ کے پاس چند ٹکے کیا

آ گئے ہیں کہ آپ کے پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے ہیں۔" صبیحہ سے چھوٹی بہن نازیہ ایک دم پھٹ پڑی شاید اپنی بڑی بہن کی اتنی تذلیل اس سے برداشت نہیں ہو سکی تھی۔

پھوپھی نے اپنا سینہ پیٹتے ہوئے کہا۔ "ہائے اللہ! یہ رجو کی بیٹیوں میں تو شرم وحیا نام کی بھی نہیں رہی۔ ایک سے ایک بڑھ کر ایک حرافہ ہے۔ ہاتھ بھر کی لڑکی ہے اور گز بھر کی زبان منہ میں رکھتی ہے۔ نہ بڑوں کی تمیز ہے اور نہ کسی رشتے ناتے کا لحاظ۔"

"بس بہت ہو گیا پھوپھی جان۔" صبیحہ نے دوپٹے کے پلو سے اپنی بھیگی ہوئی پلکیں صاف کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو ہم لوگوں سے رشتہ نہیں رکھنا تو نہ رکھیں لیکن اب ایک لفظ بھی اگر آپ کے منہ سے نازیبا نکلا تو پھر مجھ سے بھی گستاخی ہو جائے گی۔ میں نے بہت لحاظ رکھا ہے آپ کا۔"

پھوپھی نے حقارت سے "اونہہ" کہہ کر صبیحہ پر ایک قہر آلود نظر ڈالی اور بغیر کچھ بولے ان کے گھر سے نکل گئی۔

پھوپھی کے جانے کے بعد صبیحہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور نازیہ اسے تسلی دینے میں مصروف ہو گئی لیکن اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ بڑی مشکل سے نازیہ نے اسے ماں کی بیماری کا حوالہ دے کر چپ کروایا۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر تھا کہ پھوپھی کی زہریلی باتیں ان کی ماں کے کانوں تک نہیں پہنچی تھیں۔ ورنہ وہ تو صدمے سے مر ہی جاتی۔ وہ بچاری تو پہلے ہی بیمار تھی۔ صبیحہ کو اپنی منگنی ٹوٹنے کا اتنا غم نہیں تھا جتنا دکھ اسے پھوپھی کے رویے سے پہنچا تھا۔

بیمار ماں تک اگر ان بگڑے ہوئے حالات کی خبر پہنچ جاتی تو وہ تو وقت سے پہلے ہی مر جاتی۔ وقتی طور پر صبیحہ نے ماں کو ایک معقول بہانہ بنا کر ٹال دیا تھا۔ تاہم اس کے باپ کو اس سانحے کا بہت صدمہ پہنچا تھا اور اسے ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ بچارے کے ناتواں کندھوں پر ایک کی بجائے چار چار بیٹیوں کا بوجھ تھا۔ دن رات وہ بیٹیوں کے غم میں گھلتا رہتا تھا۔ بڑی مشکل سے صبیحہ کی بات بنی تھی لیکن شومئی قسمت کہ وہ بھی ایک پل میں ٹوٹ گئی تھی۔ الٹا اس کی معصوم بیٹی بھی مفت میں بدنام ہو گئی تھی۔

دانیال کی گرفتاری کا غم الگ سے اسے پریشان کر رہا تھا۔ اس کی بہن زینت نے بھی اس کی بیٹیوں کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن دانیال اس کا بہت فرمانبردار اور لائق بھانجا تھا۔ اُسے دانیال سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ تاہم زینت کی طرف سے اس کے دل میں بال آ چکا تھا۔

بیٹیوں کو تسلی دینے کے بعد وہ فوراً دانیال کی رہائی کیلئے گھر سے نکل پڑا محلے کے چند بزرگ اور صاحب حیثیت لوگ بھی اس کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہو گئے تھے۔

====OOO====

تھانے کا انچارج ایک متعصب قسم کا ہندو تھا۔ اس نے تھانے میں پہنچتے ہی دانیال اور کاشف کی جی بھر کر دھلائی کی تھی۔ دانیال خاموشی سے مار کھاتا رہا لیکن کاشف اس ہندو انسپکٹر کو خطرناک نتائج کی دھمکیاں دینے سے باز نہ آیا۔

انسپکٹر نے اس کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان دونوں کو الگ الگ سیل میں بند کر دیا تھا اور ان کی نگرانی پر ایک کانسٹیبل کو مامور کر دیا تھا۔ کانسٹیبل ایک شریف النفس قسم کا مسلمان تھا اور اس کی آنکھوں میں ان دونوں کیلئے ہمدردی اور رحم کے جذبات نظر آ رہے تھے۔ لیکن وہ مجبور تھا' انسپکٹر نے اسے ان دونوں سے بات کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی تھی۔

انسپکٹر کو جب آفس میں گھسے دس پندرہ منٹ ہو گئے تو کاشف نے اشارے سے کانسٹیبل کو بلانے کی کوشش کی لیکن کانسٹیبل نے اس کے اشارے پر کوئی توجہ نہ دی۔ تب کاشف نے تمام احتیاط بالائے طاق رکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کانسٹیبل کو پکارا۔ ''اے ادھر آؤ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ انسپکٹر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میری پہنچ بہت اوپر تک ہے۔''

کانسٹیبل نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور پھر ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا۔

کاشف نے جھنجھلا کر کہا۔ ''تم سب اُلو کے پٹھے پچھتاؤ گے۔ تم مجھے جانتے نہیں ہو'

میں سیٹھ طارق جمیل کا بیٹا ہوں۔ یہاں سے چھوٹتے ہی میں نے تم سب کی وردیاں نہ اُتروا دیں تو اپنے باپ کا نہیں۔''

کانسٹیبل نے اس کی بات سُن کر ایک لمحے کیلئے انسپکٹر کے آفس کی طرف دیکھا اور پھر ٹہلنے کے انداز میں چلتا ہوا کاشف کے قریب پہنچ گیا۔ ''مجھے اپنے باپ کا فون نمبر بتا دو۔ جونہی میری ڈیوٹی آف ہو گی میں اسے آپ کی گرفتاری کے بارے میں آگاہ کر دوں گا۔'' کانسٹیبل کی آواز اتنی دھیمی تھی کہ بمشکل اس کے کانوں تک پہنچی تھی۔

کاشف نے بغیر وقت ضائع کیے جلدی سے اسے اپنے گھر اور باپ کے آفس کا فون نمبر بتا دیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر آفس سے باہر نکل اور آفیسرانہ شان سے چلتا ہوا کاشف کے سیل کے سامنے پہنچ گیا۔

''انسپکٹر رنجیت ورما نام ہے میرا لیکن لوگ مجھے رنجیتا جلاد کے نام سے پکارتے ہیں۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ اپنی زبان بند رکھو ورنہ ہڈی پسلی ایک کر دوں گا۔ دن دیہاڑے غنڈہ گردی کرتے ہو اور خود کو شریف زادہ بھی ظاہر کرتے ہو۔'' انسپکٹر اسے قہر آلود نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

''مجھے ایک بار یہاں سے نکلنے دے پھر لوگ تجھے رنجیتا بکری کہہ کر پکارا کریں گے۔ تمہیں شاید میرے باپ کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہے ورنہ یوں نہ اکڑتے پھرتے۔'' کاشف نے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ تمہیں خود بھی اپنے باپ کا پتا نہیں ہے۔ حرام کے جنے لگتے ہو اور.....''

''انسپکٹر!'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے چلایا۔ ''بہت برا کر رہے ہو' پچھتاؤ گے ایک دن۔ زبان پر قابو پانا سیکھو ورنہ کسی سرپھرے کے ہاتھوں کتے کی موت مارے جاؤ گے اور تمہاری گندی لاش کسی گٹر میں پڑی ہو گی۔''

''یو باسٹرڈ! تمہاری تو میں ابھی چمڑی ادھیڑتا ہوں۔'' انسپکٹر حلق کے بل دھاڑا۔

”کانسٹیبل! فوراً تالا کھولو اس سالے پر بہت چربی چڑھ گئی ہے۔ اسے دن میں تارے دکھانا
پڑیں گے۔ شاید یہ ابھی رنجیتا جلاد سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ ورنہ یوں آوارہ کتے
کی طرح نہ بھونکتا۔“

کانسٹیبل نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً لاک اپ کا تالا کھول دیا اور انسپکٹر
رنجیت ورما آندھی کی طرح اندر داخل ہوگیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی
اسٹک سے کاشف کو بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ کاشف ہاتھوں کے ذریعے اپنا دفاع
کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن انسپکٹر پر تو جنون سوار ہو چکا تھا۔ وہ اندھا دھند کاشف پر
چھڑی برسا رہا تھا۔ کاشف کے دونوں ہاتھ اپنے چہرے کا بچاؤ کرنے کے لئے اٹھے ہوئے
تھے۔ مارنے کے ساتھ ساتھ انسپکٹر اسے انتہائی فحش گالیاں بھی بک رہا تھا۔

اچانک انسپکٹر کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ پڑا اور وہ تقریباً اڑتا ہوا پشت کے بل
عقبی دیوار سے جا ٹکرایا۔ چھڑی اس کے ہاتھ سے نکل کر بجتے فرش پر گر پڑی۔

اس نے فوراً آگے بڑھ کر دوبارہ چھڑی اٹھانے کی کوشش کی لیکن چھڑی خود بخود اٹھ
کر فضا میں تیرنے لگی اور انسپکٹر کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹنے کی قریب ہوگئیں۔ ابھی
وہ حیرت کے اس جھٹکے سے سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ چھڑی نے اس کے جسم پر برسنا شروع کر
دیا۔ جہاں جہاں چھڑی پڑتی تھی وہاں وہاں سے اس کی کھال تقریباً ادھڑتی جا رہی تھی۔

انسپکٹر کسی خارش زدہ کتے کی طرح چلا رہا تھا لیکن چھڑی رکنے میں نہیں آ رہی تھی۔ یہ
ماورائے عقل منظر دیکھ کر کاشف کے ساتھ ساتھ کانسٹیبل کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیلی
ہوئی تھیں۔

انسپکٹر مدد کیلئے چلا رہا تھا لیکن کانسٹیبل کسی بت کے مانند اپنی جگہ پر کھڑا ہوا تھا۔
مارے دہشت کے وہ حرکت ہی نہیں کر پا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد تھانے کا پورا عملہ لاک
اپ کے سامنے پہنچ گیا۔ چند جرات مند قسم کے کانسٹیبل فوراً انسپکٹر کو بچانے کی کوشش کرنے
لگے لیکن چھڑی کسی طرح بھی ان کے ہاتھ نہیں لگ رہی تھی۔

چھڑی اب لاک اپ کی چھت کے ساتھ ساتھ فضا میں تیر رہی تھی اور کانسٹیبل

احمقوں کی طرح اچھل اچھل کر اسے پکڑنے میں لگے ہوئے تھے۔ انسپکٹر لاک اپ کے فرش
پر پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔ بہ دقت تمام اس کی زبان سے یہی چند الفاظ برآمد ہو سکے تھے جو اس
نے اپنے کانسٹیبلوں سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔ ”ارے احمقو! چھڑی کو نہیں مجرم کو پکڑو یہ کوئی
ساحر ہے۔“

انسپکٹر کی بات سن کر وہ چھڑی کو چھوڑ کر کاشف کی طرف بڑھے لیکن اس سے پہلے کہ
وہ کاشف تک پہنچتے کمرے کی چھت کے ساتھ لگی ہوئی چھڑی تیزی سے نیچے آئی اور بجلی کی
سی تیزی کے ساتھ ان پر برسنے لگی۔ لاک اپ ان کے منہ سے نکلنے والی چیخوں سے گونج
اٹھا۔ ذرا دیر کے بعد وہ بھی انسپکٹر کے ساتھ فرش پر پڑے ہوئے کراہ رہے تھے۔ چھڑی نے
ان کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دی تھی۔

چھڑی لمحہ بھر کے لئے ان کے اوپر فضا میں تیرتی رہی پھر آہستہ آہستہ کاشف کی
طرف بڑھنے لگی۔ چھڑی کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ ”شاید اب میری
باری ہے۔“ اس نے دل ہی دل میں سوچا لیکن چھڑی اس کے قریب پہنچ کر فضا میں ٹھہر گئی۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں میں
ایک نسوانی سرگوشی گونجی۔ ”ڈرو نہیں کاشف! میں تمہاری دوست ہوں اور تمہیں چھڑانے
کیلئے آئی ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چلنے کیلئے تیار ہو؟“

”ل... لیکن... ت... تم کون ہو؟“ وہ دہشت زدہ ہو کر بولا۔

”میں جو کوئی بھی ہوں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ تمہاری جان چھڑانے کے لئے آئی
ہوں۔ چلو جلدی کرو ورنہ دوبارہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔“

نسوانی سرگوشی دوبارہ سنائی دی اور کاشف سہمے ہوئے انداز میں لاک اپ کے
دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

اچانک ایک نادیدہ ہاتھ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ کاشف نے ڈر کر ہاتھ چھڑانے کی
کوشش کی تو وہی نسوانی آواز پیار بھرے لہجے میں بولی۔ ”تم اس لئے ڈر رہے ہو نا! کہ میں
تمہیں دکھائی کیوں نہیں دے رہی؟ سنو! میں تمہاری ہمدرد ہوں مجھ سے ڈرنے کی یا

گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تھانے سے باہر نکلو پھر سب کچھ تمہارے سامنے آ جائے گا۔ تمہاری تسلی کیلئے میں صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ میں صبیحہ کی دوست ہوں اور وہ تم سے ملنے کیلئے بے چین ہے۔''

وہ ابتدائی جھٹکے سے سنبھل چکا تھا اس لئے پُراعتماد انداز میں بولا۔ ''صبیحہ ہی کی وجہ سے تو یہ سب کچھ ہوا ہے۔ اس حرام زادی کو تو میں کوٹھے پر بٹھوا کر دم لوں گا۔ کتیا کی بچی خود کو بہت پارسا سمجھتی ہے حالانکہ اپنا سب کچھ کب کا میرے حوالے کر چکی ہے لیکن پھر بھی اکڑ دکھاتی ہے۔''

نادیدہ نسوانی ہستی نے کہا۔ ''تم فی الحال صبیحہ کو بھول جاؤ اور ایک لمحے کیلئے اپنی آنکھیں بند کر لو۔ جب تک میں نہ کہوں آنکھیں مت کھولنا ورنہ تمہارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔''

کاشف نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ دوسرے ہی لمحے اس کے پیروں نے زمین چھوڑ دی۔ وہ خود کو فضا میں تیرتا ہوا محسوس کر رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ چند لمحوں کے بعد اچانک اس کے پاؤں زمین سے ٹکرائے اور عین اسی وقت اسے وہی نسوانی آواز سنائی دی جس نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ''اب تم بلا خوف و خطر آنکھیں کھول سکتے ہو۔''

کاشف نے جونہی آنکھیں کھول کر دیکھا اس کا دل دھک سے رہ گیا اور آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں۔ اس کے سامنے جو ہستی موجود تھی وہ اس کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ لہرا کر پکی زمین پر گرا اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گیا۔

====0OO====

دشت دیوتا کے کہنے کے مطابق نندنی کو اپنی شہر والی کوٹھی سے سنہری خنجر با آسانی مل گیا تھا۔ خنجر کو اپنے لباس میں چھپانے کے بعد وہ مندر میں پہنچ کر پجاری شمبھوناتھ کی تاڑ میں رہنے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ کاشف پر بھی اپنی مددگار شکتیوں کے توسط سے نظر رکھے ہوئے تھی۔ سنہری خنجر کی موجودگی میں اس کی پُراسرار شکتیاں کچھ اور بڑھ گئی تھیں۔ اس لئے اُسے

کاشف کے معمولات کی پل پل خبر مل رہی تھی۔ جس وقت کاشف صبیحہ کے گھر کے سامنے دانیال سے مار پیٹ کر رہا تھا۔ عین اُسی وقت نندنی دبے پاؤں پجاری شمبھوناتھ کی کوٹھڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ یہ وقت شمبھوناتھ کے جاپ کرنے کا تھا۔ وہ آنکھیں موندے جاپ کرنے میں مصروف تھا اور موت نندنی کی صورت میں آہستہ آہستہ بڑھتی ہوئی اس کے سر پر پہنچنے والی تھی۔

بدی کی ایک طاقت کا خاتمہ بدی کے ہاتھوں ہونے والا تھا۔ شمبھوناتھ آنے والی موت سے بے خبر زیر لب جاپ کے الفاظ دھرا رہا تھا۔ اُس کے چاروں طرف سفید چونے سے ایک دائرہ کھنچا ہوا تھا۔ دائرے کے اندر وہ آلتی پالتی مارے بیٹھا ہوا تھا۔ کھینچے ہوئے دائرے پر دو دو ہاتھ کے فاصلے پر ایک ترتیب کے ساتھ موم شمعیں جل رہی تھیں۔

دائرے کے اندر عین اُس کے سامنے ایک انسانی کھوپڑی کا اوپری حصہ بھی رکھا ہوا تھا۔ جسے کچھ اس ترتیب سے بنایا گیا تھا کہ وہ تقریباً کشکول کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اس کشکول نما انسانی کھوپڑی سے ہلکا ہلکا سا دھواں اُٹھ رہا تھا۔ اس دھوئیں کی وجہ سے کوٹھڑی میں ایک ناگوار قسم کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب پُراسرار قسم کا ماحول تھا۔ دن کا وقت ہونے کے باوجود وہاں ایک اعصاب شکن سناٹا طاری تھا۔

نندنی دبے پاؤں کوٹھڑی کے اندر داخل ہوئی اور شمبھوناتھ کو جاپ کرتے دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک پُراسرار قسم کی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ شمبھوناتھ بدستور آنکھیں بند کئے تیزی سے جاپ کے الفاظ دھراتا جا رہا تھا۔ اُس نے نندنی کی آمد کا نوٹس تک نہیں لیا تھا۔

غیر محسوس انداز میں نندنی کا ہاتھ لباس میں چھپے ہوئے خنجر کی طرف رینگ گیا۔ شمبھوناتھ کو ٹھکانے لگانے کیلئے یہ وقت نہایت ہی موزوں تھا۔ قریب تھا کہ نندنی لباس کے اندر چھپا ہوا خنجر باہر نکال لیتی لیکن اچانک کسی خیال کے تحت اُس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اس کے ذہن میں ایک سوچ در آئی تھی کہ دائرے کے اندر شمبھوناتھ محفوظ بھی تو ہو سکتا ہے۔ اگر اُس کا وار خطا ہو جاتا تو پھر شمبھوناتھ کے قہر سے اُسے کوئی بھی نہ بچا سکتا۔

وہ دبے پاؤں چلتی ہوئی شمبھوناتھ کے بائیں پہلو پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اب اُسے

شمبھوناتھ کے جاپ ختم کرنے کا انتظار تھا۔ ادھر وہ دائرے سے باہر قدم رکھتا اور اِدھر نندنی کا خنجر اپنا کام کر گزرتا۔ نندنی اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا نندنی کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ تاہم اُس کا دایاں ہاتھ بدستور خنجر کے دستے پر رکھا ہوا تھا۔ وہ شمبھوناتھ کو سنبھلنے کیلئے ایک لمحہ بھی نہیں دینا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ شمبھوناتھ کو بے خبری میں ہی شکار کیا جا سکتا تھا۔

اگر بفرض محال وہ نندنی کی طرف سے چوکنا ہو جاتا تو پھر نندنی کو لینے کے دینے پڑ جاتے۔ اس لئے نندنی دم سادھے ہوئے کھڑی تھی۔ البتہ اس کی معاون شکتیاں برابر اسے کاشف کے متعلق معلومات بہم پہنچا رہی تھیں۔ پولیس اب کاشف اور دانیال کو پکڑ کر تھانے کی طرف لے جا رہی تھی۔ نندنی کیلئے ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ شمبھوناتھ سے نپٹ کر اُسے اپنے محبوب کو بھی انسپکٹر کے غضب سے بچانا تھا۔

شمبھوناتھ کی بڑبڑاہٹ میں اب تیزی آتی جا رہی تھی۔ اس کا جاپ اب اختتام پذیر ہونے والا تھا۔ نندنی بھی چوکنا انداز میں اُس کی طرف متوجہ تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ شمبھوناتھ دائرے کے اندر آنکھیں نہیں کھول سکتا۔ تاہم دائرے کے باہر قدم رکھتے ہی وہ فوراً آنکھیں کھولتا۔ نندنی کو اس کی آنکھیں کھلنے سے پہلے ہی اپنا کام کر گزرنا تھا۔

جونہی اس کی بڑبڑاہٹ ختم ہوئی۔ نندنی نے خنجر لباس سے باہر کھینچ لیا۔ خنجر کا سنہرا پھل سورج کی کرنوں کی طرح چمک رہا تھا اور نندنی کا دل پہلو میں پارے کی طرح اچھل رہا تھا۔ اس پر خوف اور ہیجان کی ملی جلی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

ذرا سا غلط قدم اسے موت کے منہ میں دھکیل سکتا تھا۔ اسے شمبھوناتھ کے دل کا نشانہ لینا تھا۔ خنجر اگر ذرا سا بھی اِدھر اُدھر ہو جاتا تو وہ صاف بچ نکلتا اور پھر نندنی کیلئے کہیں بھی جائے امان نہ رہتی۔ شمبھوناتھ اسے پاتال سے بھی کھینچ لانے کی طاقت رکھتا تھا۔ وہ بوڑھا پجاری بہت مہان شکتیوں کا مالک تھا۔ اسے بے خبری میں ہی شکار کیا جا سکتا تھا۔ نندنی کی نظریں بدستور اس پر مرکوز تھیں۔ اچانک شمبھوناتھ دائرے کے اندر اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور نندنی کے اعصاب ایکدم تن گئے۔ خنجر کو اُس نے نشانہ لینے کے انداز میں پکڑ رکھا تھا اور اس کی نگاہیں

عین شمبھوناتھ کے دل کے مقام پر ٹھہری گئی تھیں۔

شمبھوناتھ نے آہستہ سے ایک پاؤں اٹھا کر دائرے کے باہر رکھا اور پھر دوسرا پاؤں اٹھا کر دائرے کے باہر زمین پر رکھنے ہی لگا تھا کہ معاً ایک تیز دھار آلہ اس کے پہلو میں عین دل کے مقام پر پیوست ہوتا چلا گیا۔ اس کے منہ سے ایک کریہہ چیخ کی آواز برآمد ہوئی اور مندر کے سناٹے کو مرتعش کرتی ہوئی فضا میں تحلیل ہو گئی۔

دوسرے ہی لمحے مندر عجیب و غریب اور رگوں کا لہو منجمد کر دینے والی چیخوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہزاروں بدروحیں مل کر بین کر رہی ہوں۔ پھر یکایک ان چیخوں میں ہنسنے کی آوازیں بھی شامل ہوتی چلی گئیں لیکن نندنی لاپرواہ انداز میں کھڑی رہی۔ تاہم اس کی نظریں شمبھوناتھ کے تڑپتے اور خون اگلتے جسم پر لگی ہوئی تھیں۔

تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد اس کا جسم بالکل ساکت ہو گیا اور ساتھ ہی فضا میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ اب نہ چیخوں کی آوازیں آ رہی تھیں اور نہ رونے ہنسنے کی۔ مندر کی فضا پر دوبارہ اعصاب شکن خاموشی طاری ہو چکی تھی۔

نندنی نے آگے بڑھ کر شمبھوناتھ کے دل میں پیوست خنجر ایک جھٹکے سے باہر کھینچ لیا اور پھر اسے شمبھوناتھ کے ہی لباس سے صاف کر کے دوبارہ اپنے لباس کے اندر چھپا لیا۔

شمبھوناتھ کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ بے حد مطمئن و مسرور نظر آ رہی تھی۔ اس کے راستے کی سب سے بڑی دیوار گر چکی تھی۔ اب اس سے اس کا کاشف کوئی بھی نہیں چھین سکتا تھا۔ وہ حقارت سے شمبھوناتھ کی لاش پر تھوکتے ہوئے بڑبڑائی۔ ”چلا تھا میرے کاشف کا بلیدان دینے۔ اب یہاں تیری لاش گلتی سڑتی رہے گی۔“

اچانک اس کا دھیان کاشف کی طرف گیا اور دوسرے ہی لمحے اس کا وجود دھوئیں کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔ اسے کاشف کو انسپکٹر کے عذاب سے بچانا تھا۔ اس لئے وہ پلک جھپکنے کی دیر میں وہاں پہنچ گئی۔

====OOO====

کاشف جب ہوش میں آیا تو اس نے خود کو ایک آرام دہ بستر پر پڑا ہوا پایا۔ چند لمحے

تو وہ پلکیں جھپکاتا رہا۔ جب اسے ٹھیک طرح سے نظر آنے لگا تو اس نے دیکھا کہ وہ جس بستر پر لیٹا ہوا ہے نہ وہ بستر اس کے لئے اجنبی ہے اور نہ وہ کمرہ۔ وہ ایک ہی لمحے میں پہچان گیا تھا کہ یہ صبیحہ کی کوٹھی ہے۔ وہی کوٹھی جہاں اس نے صبیحہ کے ساتھ اپنی زندگی کے رنگین ترین لمحات گزارے تھے۔

ابھی وہ کسی کو پکارنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک حور شمائل دوشیزہ کمرے میں داخل ہوئی اور وہ حیرت زدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''خادمہ آداب بجالاتی ہے۔'' لڑکی تقریباً رکوع کے بل جھکتے ہوئے بولی۔ ''حضور کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو خادمہ حاضر ہے۔''

''میں...... میں تو صبیحہ کو دیکھ کر بے ہوش ہوا تھا۔ پھر مجھے یہاں کون لایا ہے تم کون ہو اور صبیحہ کہاں ہے؟'' اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

لڑکی نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا۔ ''فی الحال تو تم نہا دھو کر تازہ دم ہو جاؤ اور میں تمہارے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔ اس کے بعد تمہیں صبیحہ سے بھی ملوا دیا جائے گا۔''

''مگر مجھے بھوک نہیں ہے اور ویسے بھی میں صبیحہ سے ملے بغیر کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ اور اگر تم واقعی صبیحہ کی خادمہ ہو تو پھر میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ فوری طور پر صبیحہ کو بلا لاؤ۔'' وہ تحکمانہ انداز میں بولا۔

''صبیحہ جی کو ضدی لوگ ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ تمہیں اگر واقعی اس سے ملنا ہے تو پھر بلا چوں چراں میری باتوں پر عمل کرتے جاؤ۔'' اس بار لڑکی کے لہجے میں سنجیدگی تھی جسے اس نے محسوس کر لیا تھا۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر سب سے پہلے میں اپنے گھر جانا چاہوں گا۔ مجھے گھر سے نکلے بہت دیر ہو چکی ہے۔ ویسے بھی میری گاڑی ایک غیر متعلقہ جگہ پارک ہے۔ یہ نہ ہو کہ اسے پولیس والے اٹھا لے جائیں۔'' اس نے بستر سے اٹھتے ہوئے جواب دیا۔

''باہر تمہارے لئے خطرہ ہے مسٹر کاشف!'' لڑکی نے تنبیہی انداز میں کہا۔ ''تمہیں

شاید معلوم نہیں ہے کہ انسپکٹر رنجیت ورما لاک اَپ کے اندر دم توڑ چکا ہے اور دیگر کانسٹیبلز بھی شدید زخمی حالت میں ہاسپٹل پہنچا دیئے گئے ہیں۔ پورے شہر میں پولیس بڑی سرگرمی کے ساتھ تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ ایسے حالات میں تمہارا یہاں سے باہر جانا تمہارے لئے لاتعداد مشکلات کھڑی کر سکتا ہے۔ رہ گئی تمہاری گاڑی تو وہ کب کی تمہارے گھر پہنچا دی گئی ہے۔''

''لل...... لیکن انسپکٹر کو میں نے تو نہیں مارا تھا۔ پھر پولیس مجھے کیوں تلاش کر رہی ہے؟'' اُس نے پریشان کن انداز میں سوال کیا۔

لڑکی نے کہا۔ ''لاک اَپ کے اندر تمہارے سوا کوئی دوسرا مجرم موجود نہیں تھا۔ ظاہر ہے سارا الزام تم پر ہی آیا ہو گا۔''

''میں مانتا ہوں لیکن انسپکٹر کو میں نے نہیں بلکہ صبیحہ نے مارا تھا۔'' اُس نے جھنجھلا کر کہا۔ ''اور مجھے اِس بات کی بھی ابھی تک سمجھ نہیں آئی کہ یہ صبیحہ غائب کس طرح ہو جاتی ہے۔ کیا وہ کوئی جادوگرنی ہے؟''

''مجھے تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں ہے تاہم تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو تم مجھے حکم دے سکتے ہو، یہاں شراب بھی مل سکتی ہے اور شباب بھی۔''

''اور اگر میں یہاں سے باہر جانا چاہوں تو کیا تم مجھے روکو گی؟'' اس نے لڑکی کی پیش کش کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''میں مجبور ہوں۔'' وہ سر جھکاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ تمہیں اس کوٹھی سے کسی صورت باہر نہ نکلنے دوں۔ یہی میری مالکہ کا حکم ہے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں یہاں قید ہوں۔ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اُف خدایا یہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔''

''تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔'' لڑکی نے اُسے پریشان ہوتے دیکھ کر ملائم لہجے میں کہا۔ ''تم صرف اس کوٹھی سے باہر نہیں جا سکتے۔ کوٹھی کے اندر سب تمہارے غلام ہیں۔ تم جو بھی حکم دو گے وہ فوراً پورا کر دیا جائے گا۔ یہاں تمہارا ہر طرح سے خیال رکھا جائے

گا۔"

"صبیحہ سے میری ملاقات کب ہوگی؟" وہ دوبارہ بستر پر بیٹھتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھنے لگا۔

"اطمینان رکھو جلد ہی صبیحہ تم سے ملے گی۔ فی الحال تم نہا دھو لو اور میں تمہارے لیے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔ کپڑوں کی الماری میں سے تمہیں اپنے ناپ کے کپڑے مل جائیں گے۔" اتنا کہہ کر لڑکی کمرے سے باہر نکل گئی۔

چار و ناچار وہ بستر سے اٹھا اور اٹیچ باتھ روم میں گھس گیا۔ نیم گرم پانی سے ایک بھرپور شاور لینے کے بعد اس کی ساری تھکاوٹ اور کسلمندی اتر گئی تھی۔ اب وہ خود کو تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔ کپڑوں کی الماری سے اسے اپنے ناپ کے کپڑے باآسانی مل گئے تھے۔

لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ بستر پر نیم دراز ہو گیا اور صبیحہ کے متعلق سوچنے لگا۔ جو اُس کے لئے ایک معمہ بن گئی تھی۔ جوں جوں وہ سوچتا گیا اس کی پریشانی فزوں تر ہوتی گئی۔ وہ صبیحہ کے متعلق مشکوک ہو چکا تھا۔ پے در پے وقوع پذیر ہونے والے حیرت انگیز واقعات نے اس کا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔ کبھی صبیحہ اُسے ایک امیر لڑکی کے روپ میں ملتی تھی اور اُس پر اپنا تن من نچھاور کرنے کیلئے تیار ہو جاتی تھی اور کبھی وہی صبیحہ اُسے ایک غیرت مند اور مفلس لڑکی کے بھیس میں ٹکرا رہی تھی۔ کیا صبیحہ دوہری شخصیت کی مالک تھی؟ یا پھر یہ سب اس کا وہم تھا؟ ان سوالات کا اُس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ عجیب گورکھ دھندے میں پھنس گیا تھا۔ حالات ریشم کے دھاگے کی طرح الجھتے جا رہے تھے اُسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا اور اب تو وہ قتل جیسے سنگین جرم میں بھی ملوث ہو چکا تھا اور قتل بھی ایک پولیس انسپکٹر کا۔ ابھی تو ساحل سمندر والا واقعہ تازہ تھا۔ وہ تو گھر سے صبیحہ کا معمہ حل کرنے کیلئے نکلا تھا۔ اُس کی اصلیت معلوم کرنا چاہتا تھا لیکن حوالات میں پیش آنے والے واقعات نے صبیحہ کی شخصیت کو اُس کی نگاہوں میں مزید پراسرار بنا دیا تھا۔

اُسے رہ رہ کر اپنے دوست سجاد کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ "کاش اس وقت سجاد میرے ساتھ ہوتا۔" اُس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر وہاں سے فرار ہونے کے منصوبے

پر غور کرنے لگا۔

وہ بستر سے اٹھا اور اضطراب کی حالت میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کا دماغ تیزی سے وہاں سے نکلنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ وہ اگر ذرا سی ہمت کا مظاہرہ کرتا تو باآسانی اپنی رکھوالی پر مامور اس نازک اندام لڑکی پر قابو پا سکتا تھا۔ اتنا سوچتے ہی اُس کی آدھی پریشانی کم ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔ اب اُسے لڑکی کی واپسی کا انتظار تھا۔

اچانک اُس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور بے اختیار چونک اٹھا۔ گھڑی اسے جو وقت اور تاریخ بتا رہی تھی وہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ حوالات میں پیش آنے والا واقعہ آج کا ہے لیکن اُسے تو دو دن ہو چکے تھے۔ اب تک تو پولیس اُس کے گھر کے بھی کئی چکر لگا چکی ہوگی اور اُس کے والدین کو بھی پریشان کر رہی ہوگی۔ ممی پاپا اس کے لئے نہ جانے کتنا پریشان ہو رہے ہوں گے۔

وہ انہی سوچوں میں مستغرق تھا جب لڑکی کھانے کی ٹرے لئے اچانک کمرے میں داخل ہوئی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کھانا کھا لیجئے اس کے بعد آپ کی ملاقات صبیحہ صاحبہ سے کروا دی جائے گی۔" لڑکی نے بستر کے عین سامنے پڑی ہوئی ٹیبل پر کھانا لگاتے ہوئے کہا۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کھانے کے دوران وہ کن انکھیوں سے لڑکی کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ جو ایک طرف رکھے ہوئے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔ اس کا دل لڑکی سے بات کرنے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔ گو کہ لڑکی اس کی توقع سے کہیں زیادہ حسین و جمیل تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں ایسی خوبصورت لڑکی آج تک نہیں دیکھی تھی۔ عام حالات میں شاید وہ اس سے گھنٹوں باتیں کرتا رہتا اور اسے وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوتا لیکن آج حالات کچھ اور تھے۔

"تم صبیحہ سے ملنے کیلئے اتنے بے چین کیوں؟ کیا اُسے بہت چاہتے ہو؟" لڑکی نے کمرے میں چھائی ہوئی خاموشی کو توڑتے ہوئے پوچھا۔

"بات چاہنے کی نہیں ہے بلکہ ضد اور انا کی ہے۔ صبیحہ نے میری انا کو ٹھیس پہنچائی

ہے۔ میں اسے اپنے قدموں میں ماتھا رگڑتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے دل کی بات عیاں کرتے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو۔ وہ تمہاری محسن ہے۔ اسی نے حوالات میں جا کر تمہاری جان بچائی تھی۔ بھلا کوئی اپنے محسن کے ساتھ بھی ناروا سلوک کرتا ہے۔'' لڑکی نے ناگوار انداز میں کہا۔

''مجھے بنانے کی کوشش مت کرو۔'' وہ تپ کر بولا۔ ''میری محسن صبیحہ نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میرے سامنے وہ صبیحہ کا روپ بدل کر آتی ہے۔''

لڑکی نے ایک لمحے کے لئے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر سنجیدہ لہجے میں بولی۔ ''مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا صبیحہ کوئی غیر مرئی مخلوق ہے یا پھر کوئی ایسی ساحرہ ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہونے کا منتر جانتی ہے۔''

وہ مایوس انداز میں بولا۔ ''اگر مجھے یہ بات معلوم ہوتی تو پھر پریشانی کی کون سی بات تھی۔ کاش مجھے صبیحہ کی اصلیت معلوم ہوتی۔''

''تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ بس تھوڑی دیر کی بات ہے۔ میں.....''

''کیا تمہیں صبیحہ کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟ اگر ہے تو براہ مہربانی مجھے بتا دو یہ تمہارا مجھ پر احسان ہوگا۔'' اس نے قطع کلامی کرتے ہوئے لڑکی سے التجائیہ انداز میں پوچھا۔

لڑکی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''مجھے نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتا سکتی۔ میں صرف صبیحہ کے حکم کی پابند ہوں اور انہی کے حکم پر تمہاری خدمت اور حفاظت کیلئے یہاں موجود ہوں۔''

''میں اپنی حفاظت خود کر سکتا ہوں۔'' وہ بیزار لہجے میں بولا۔ ''صبیحہ مجھے یہاں قید کر کے نہیں رکھ سکتی۔ دیکھتا ہوں مجھے کون روکتا ہے۔'' کھانا چھوڑ کر وہ یکدم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''مسٹر کاشف۔'' لڑکی نے ذرا سخت لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ ''کوئی بھی غلط قدم اٹھانے سے پہلے اتنا سن لو کہ نتیجے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ بہتر یہی ہوگا کہ مجھے سختی کرنے

پر مجبور نہ کریں۔ صبیحہ کی طرف سے مجھے مکمل اختیارات حاصل ہیں میں کسی بھی صورت میں تمہیں یہاں سے نہیں جانے دوں گی۔''

''مجھے تو لگتا ہے کہ تم خود ہی صبیحہ ہو۔ مجھے اس کمرے میں قید ہوئے آج تیسرا دن ہونے والا ہے لیکن صبیحہ مجھے ایک بار بھی دکھائی نہیں دی ہے۔ میں جا رہا ہوں تم اگر مجھے روک سکتی ہو تو روک لو۔'' وہ دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔

''میں کہتی ہوں رک جاؤ۔'' لڑکی چلا کر بولی۔ ''ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔''

''صبیحہ سے کہہ دینا کہ مجھے اس کی مدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں پولیس سے خود ہی نمٹ لوں گا۔'' وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے دروازے کے نزدیک پہنچ گیا۔

قبل اس کے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتا۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر اسے بازو سے پکڑ لیا۔ اس نے جھنجھلا کر اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کی لیکن لڑکی کی گرفت اس کی توقع سے کہیں زیادہ مضبوط تھی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا بازو کسی شکنجے میں کس دیا گیا ہو۔ دوسرے ہی لمحے اس کی کنپٹی پر ایک ہاتھ پڑا اور اس کی نگاہوں کے سامنے تارے سے ناچ اٹھے۔ وہ جسے ایک نازک اندام لڑکی سمجھ رہا تھا۔ اس نے ایک پل میں اسے لڑھکا دیا تھا۔

====OOO====

انسپکٹر رنجیت ورما کی پُراسرار موت پر ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پولیس بڑی مستعدی کے ساتھ کاشف کو تلاش کر رہی تھی۔ پولیس نہ صرف اسے پورے شہر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی بلکہ اکثر اوقات اس کے گھر کے اردگرد بھی منڈلاتی رہتی تھی۔ اس کا باپ سیٹھ طارق جمیل اگر شہر کی ایک مقتدر ہستی نہ ہوتا تو شاید اب تک پولیس اسے گرفتار کر چکی ہوتی۔

یہ تو اس کا اثر رسوخ کام آ گیا تھا ورنہ پولیس نے تو اسے تنگ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ اس کی پُرسکون زندگی محض کاشف کی وجہ سے انتشار کا شکار ہو گئی تھی۔ اسے رہ رہ کر کاشف پر غصہ آ رہا تھا لیکن کاشف تھا کہ گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکا تھا۔ اسے کاشف کی گمشدگی کی اتنی فکر نہیں تھی تاہم اس کا قتل کے جرم میں ملوث ہو جانا سیٹھ طارق جمیل کیلئے ایک پریشان کن امر تھا۔۔

وہ ایک بزنس مین تھا۔ تھانے کچہری سے اس کا واسطہ کبھی بھی نہیں پڑا تھا لیکن اب شاید کاشف کی وجہ سے پڑنے والا تھا۔ کاشف کی والدہ کی وجہ سے وہ الگ پریشان تھا۔ اس کی ممتا بھی اب جاگی تھی جب کاشف ہی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔

وہ جب بھی تھکا ہارا آفس سے گھر لوٹتا تو بیگم اس پر چڑھ دوڑتی تھی۔

''کاشف کا کچھ پتہ چلا؟'' حسب معمول وہ سوالیہ انداز میں پوچھتی تو وہ نفی میں سر ہلا کر رہ جاتا اور بیگم اس کے لتے لینا شروع کر دیتی تھی اس کا کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا حتیٰ کہ سونا جاگنا تک غارت ہو کر رہ گیا تھا۔

کرائم برانچ کا انسپکٹر عابدی الگ سے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ عابدی کا جونیئر انسپکٹر اشوک ملہوترا تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔ ایسے ایسے عجیب غریب سوال پوچھتا کہ خدا کی پناہ۔ دراصل انسپکٹر اشوک ملہوترا قتل ہو جانے والے انسپکٹر رنجیت ورما کا قریبی رشتہ دار تھا۔

انسپکٹر عابدی جس کا پورا نام عابد علی عابدی تھا۔ ایک ایماندار اور فرض شناس پولیس آفیسر تھا۔ اعلیٰ آفیسرز نے اس کی فرض شناسی کو دیکھ کر ہی قتل کا یہ پُراسرار کیس اس کے سپرد کیا تھا۔ انسپکٹر عابدی ایسے کئی الجھے ہوئے کیس حل کر چکا تھا۔ اس نے درجنوں ایسے قاتل گرفتار کئے تھے۔ جن پر قتل کا شبہ تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کرائم برانچ کے یہ دونوں انسپکٹر گزشتہ دو روز سے سیٹھ طارق جمیل کے معمولات پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سیٹھ طارق جمیل کے گھر اور آفس کے فون ٹیپ کرنے کا بھی خفیہ طریقے سے انتظام کر رکھا تھا۔ فون ٹیپ کرنے والا یہ بندوبست انہوں نے کچھ اس طرح سے کیا تھا کہ سیٹھ طارق جمیل کو ہلکی سی بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔

سیٹھ طارق جمیل نے عقلمندی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک قریبی پولیس اسٹیشن میں کاشف کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروا دی تھی لیکن اس کی رپورٹ کو تھانے کے انچارج نے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ کیونکہ کاشف اس کی نظروں میں ایک قاتل تھا اور قاتل کی گمشدگی کی رپورٹ ایک مضحکہ خیز عمل تھا۔ تاہم سیٹھ طارق جمیل اپنے تئیں کاشف کو

ڈھونڈنے کی سعی کر رہا تھا۔ دولت کی اسے کوئی کمی نہیں تھی۔ اس لئے وہ کاشف کو تلاش کرنے کیلئے بے دریغ رقم لٹا رہا تھا۔

اس دن وہ معمول سے کچھ لیٹ آفس پہنچا تھا۔ ابھی اس نے سیٹ سنبھالی ہی تھی کہ انسپکٹر عابدی فوراً نازل ہو گیا۔ اس کا جونیئر اشوک ملہوترا بھی اس کے ساتھ تھا۔ انٹر کام پر کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ انسپکٹر عابدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ''عابدی صاحب! آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔ مجھ سے آپ کو کاشف کا کوئی سراغ نہیں ملنے والا۔ میرا یقین کیجئے میں بھی کاشف کے متعلق اتنا ہی لاعلم ہوں جتنا آپ۔ میں اسے اپنے ذرائع سے تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں لیکن فی الحال کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی ہے۔'' سیٹھ طارق جمیل نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر عابدی بولا۔ ''سیٹھ صاحب! مجھے آپ کی صاف گوئی اور سچائی پر اعتبار ہے لیکن میں جس پیشے سے تعلق رکھتا ہوں اس میں ہر وقت شک کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ بعض اوقات تو ہمیں اپنے آپ کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنا پڑتا ہے۔ یہ پیشہ ہی ایسا ہے کہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہنا پڑتا ہے۔ ہم اگر ہر شخص کی زبان پر اعتبار کرنے لگیں تو پھر ہو چکی تفتیش۔''

سیٹھ طارق جمیل نے شکایتی انداز میں جواب دیا۔ ''انسپکٹر صاحب! میں آپ کی تفتیش کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں بن رہا ہوں۔ میرا بیٹا اگر واقعی مجرم ہے تو اسے قرار واقعی سزا ملنی چاہئے۔''

''بجا فرمایا ہے آپ نے۔'' انسپکٹر عابدی نے کہا۔ ''لیکن برا مت منائیے گا۔ ہمیں اوپر سے حکم ملتا ہے تب ہمیں مجبوراً آپ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اب بھی ہم آپ سے چند سوالات پوچھنے کے لئے آئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے سوالات کے ٹھیک ٹھیک جوابات دیں گے۔''

''پوچھیے میں حاضر ہوں۔'' سیٹھ طارق جمیل نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

انسپکٹر عابدی اس سے سوال کرنے ہی والا تھا لیکن آفس بوائے کو دیکھ کر اس نے

خاموشی اختیار کر لی۔ آفس بوائے نے ان تینوں کو کافی سرو کی اور خاموشی کے ساتھ آفس سے باہر نکل گیا۔

"پلیز کافی لیجیے۔" سیٹھ طارق جمیل نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے انہیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

انسپکٹر عابدی نے "شکریہ" کہہ کر کپ اٹھا لیا اور پھر گرم گرم کافی کی ایک چسکی لیتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ "تفتیش کے دوران ہمیں ایک چونکا دینے والی بات معلوم ہوئی ہے۔ جس چھری سے انسپکٹر رنجیت ورما کی موت واقع ہوئی ہے اس پر نسوانی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں اور یہ بات چھری کی ٹیسٹ رپورٹ کے بعد سامنے آئی ہے۔ کیا کاشف کسی پُراسرار سرگرمیوں میں ملوث تھا؟ میرا مطلب سفلی علوم وغیرہ سے ہے؟"

سیٹھ طارق جمیل نے یوں چونک کر انسپکٹر عابدی کی طرف دیکھا جیسے وہ کوئی پاگل ہو۔ انسپکٹر عابدی نے کہا۔ "آپ کی حیرت بجا ہے لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں کہ آپ کا بیٹا کسی پُراسرار طاقت کا مالک ہے۔ اس نے بغیر ہاتھ لگائے انسپکٹر رنجیت ورما کو ہلاک کیا ہے بلکہ چند کانسٹیبلوں کو بھی بری طرح گھائل کر دیا ہے۔ آپ اس کے باپ ہیں ظاہر ہے آپ کو اس کے مشاغل وغیرہ کے متعلق معلومات ہوں گی۔"

سیٹھ طارق جمیل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "عابدی صاحب! آپ میرا یقین نہیں کریں گے لیکن حقیقت یہی ہے کہ مجھے اس کے مشاغل کے متعلق سرے سے کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔ میں صرف اس کے ایک دوست سے واقف ہوں جس کا نام سجاد علی ہے۔ ہو سکتا ہے سجاد علی اس کے متعلق کوئی ایسی بات جانتا ہو جو آپ کی تفتیش میں کارآمد ثابت ہو سکے۔"

"کیا آپ مجھے اس سجاد علی نامی شخص کے متعلق کچھ بتا سکتے ہیں کہ وہ کون ہے' کیا کرتا ہے اور کس جگہ کا رہنے والا ہے؟" انسپکٹر عابدی نے پُرجوش انداز میں یکے بعد دیگرے سوالات کرتے ہوئے پوچھا۔ سیٹھ طارق جمیل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جب اسے سجاد علی نامی نوجوان کے متعلق معلومات فراہم کیں تو انسپکٹر عابدی کا سارا جوش و

خروش ایک پل میں صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ سجاد علی انسپکٹر عابدی کا چھوٹا بھائی تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" انسپکٹر عابدی نے پریشان کن انداز میں کہا۔ "سجاد علی میرا چھوٹا بھائی ہے مگر میں نے آج تک اس کے ساتھ کاشف کو نہیں دیکھا۔ کہیں آپ مجھے احمق بنانے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہیں؟"

"مجھے بھلا جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے؟" سیٹھ طارق جمیل ناگوار لہجے میں بولا۔ "میں نے تو وہی کچھ آپ کو بتایا ہے جو سچ تھا۔ سجاد علی اگر آپ کا چھوٹا بھائی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ جا کر اپنے بھائی سے پوچھیے۔"

"ضرور پوچھوں گا سیٹھ صاحب۔" وہ پُرعزم لہجے میں بولا۔ "سجاد علی اگر میرا چھوٹا بھائی ہے تو کیا ہوا وہ قانون سے بالاتر تو نہیں ہے۔ وہ اگر مجرم نکلا تو میں اپنے ہاتھوں سے اسے سرکاری کنگن پہناؤں گا۔" اتنا کہہ کر وہ انسپکٹر اشوک ملہوترا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اٹھیے ملہوترا صاحب! آج تمہیں میری میزبانی کا شرف حاصل کرنا پڑے گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں سیٹھ طارق جمیل سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کرتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد سیٹھ طارق جمیل اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ گزشتہ چند دنوں کا کام پینڈنگ پڑا ہوا تھا۔ جو اسے آج ہی نمٹانا تھا۔ کچھ ایسے آرڈرز بھی تھے جن کی سپلائی کا کام رکا ہوا تھا۔ ان آرڈرز پر صرف اس کے سائن ہونا باقی تھے۔ درجن بھر فائلیں لیڈی سیکرٹری نے لا کر اس کی ٹیبل پر رکھ دی تھیں۔ اور وہ باری باری ایک ایک فائل کو چیک کرنے میں لگ گیا۔

-OOO-

"سجاد علی واقعی آپ کا چھوٹا بھائی ہے سر؟" آفس سے باہر نکلتے ہی انسپکٹر اشوک ملہوترا نے سوالیہ انداز میں عابدی سے پوچھا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے ملہوترا صاحب۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"تاہم اس بات کا مجھے پورا یقین ہے کہ میرا چھوٹا بھائی کسی بھی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث نہیں ہوسکتا۔"

"وہ کرتا کیا ہے سر؟" اشوک ملہوترا نے دوبارہ پوچھا۔

"بھارت دیش کے دیگر پڑھے لکھے نوجوانوں کی طرح فارغ پھر رہا ہے۔ حالانکہ ایم ایس سی کر چکا ہے۔"

"پھر بھی وقت پاس کرنے کیلئے کچھ نہ کچھ کرتا تو ضرور ہوگا۔ میرا مطلب اس کے مشاغل وغیرہ سے ہے۔"

عابدی نے کہا۔ "اسے روحانی علوم سے خاصی دلچسپی ہے۔ اکثر اوقات روحانیات کے متعلق کتابیں پڑھتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے وظائف وغیرہ پڑھنے کا بھی خاصا شوق ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ اس کے تابع جنات وغیرہ بھی ضرور ہوں گے۔" اشوک ملہوترا دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"ملہوترا صاحب! جنات کو قابو کرنے کیلئے چلے کاٹنا پڑتے ہیں۔ سجاد میرا دیکھا ہوا ہے وہ اتنی جرات کا مظاہرہ نہیں کرسکتا۔ ویسے بھی اس قسم کا علم حاصل کرنے کیلئے کسی قابل روحانی استاد کی ضرورت پڑتی ہے۔ چلے کاٹنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔"

"ہوسکتا ہے سر اس کا کوئی روحانی استاد ہو جس کے بارے میں آپ لاعلم ہوں۔ ایسے کام کوئی کسی کو بتا کر تھوڑی کیا کرتا ہے۔ اکثر ایسے کاموں میں رازداری شرطِ اولین ہوتی ہے۔" اشوک ملہوترا ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

"ہونے کو تو کچھ بھی ہوسکتا ہے ملہوترا صاحب۔" عابدی نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "لیکن فی الحال میں بھی تمہاری طرح مکمل اندھیرے میں ہوں۔ یہ تو سجاد سے تفتیش کرنے کے بعد ہی معلوم ہوسکے گا کہ اس کے پاس ایسی کوئی غیر مرئی طاقت ہے بھی یا نہیں؟ محض اندازے قائم کر لینے سے حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچا جاسکتا۔"

اشوک ملہوترا بولا۔ "سجاد ہمیں اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتائے گا۔ کوئی بھی عامل

اپنے معمولات کے متعلق کسی کو بھی نہیں بتاتا۔"

"وہ میرا بھائی ہے۔" عابدی بولا۔ "اور میرا شمار کسی میں نہیں ہوتا میں اس کا بڑا بھائی ہوں۔ وہ مجھ سے کوئی بھی بات چھپانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ تاہم میں اس سے تمہارے سامنے کچھ بھی نہیں پوچھوں گا۔ ہوسکتا ہے تمہاری موجودگی میں وہ جھوٹ کا سہارا لینے کی کوشش کرے۔"

"میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا سر۔ آپ میرے سینئر ہیں آپ کا حکم بجالانا میرے پیشہ ورانہ فرائض میں شامل ہے۔"

"تھینک یو ملہوترا! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ میں تمہیں اپنا جونیئر سمجھنے کی بجائے ایک مخلص دوست سمجھتا ہوں۔"

یہی باتیں کرتے ہوئے وہ عابدی کے گھر پہنچ گئے۔ انسپکٹر ملہوترا کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد وہ سجاد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور انسپکٹر ملہوترا اس کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

سجاد علی اسے اپنے کمرے میں ہی مل گیا تھا۔ بڑے بھائی کو بے وقت اپنے کمرے میں دیکھ کر ایک لمحے کیلئے تو سجاد حیران رہ گیا مگر پھر مسکرا کر بولا۔ "کیا بات ہے بھائی جان! آپ اور اس وقت میرے کمرے میں؟"

"سجاد مجھے ایک کیس حل کرنے کیلئے تمہاری ضرورت پڑ گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم میرے سوالات کا ٹھیک ٹھیک جواب دو گے۔" عابدی بلاتمہید اصل موضوع پر آتے ہوئے بولا۔

سجاد نے ایک لمحے کیلئے چونک کر بڑے بھائی کی طرف دیکھا اور پھر سعادت مندی سے بولا۔ "پوچھئے بھائی جان! میں بھلا آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی گستاخی کرسکتا ہوں؟"

عابدی نے کہا۔ "تم کاشف جمیل کے متعلق کیا جانتے ہو؟ وہ کیسا شخص ہے اور کب سے تمہارا دوست ہے؟"

''وہ تو کالج میں میرا کلاس فیلو رہا ہے۔ کبھی کبھار کہیں نہ کہیں اس سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ امیر باپ کا بیٹا ہے اس لئے عیاشی کے علاوہ کچھ نہیں کرتا لیکن آپ اس کے متعلق معلومات کیوں حاصل کرتے پھر رہے ہیں۔ کہیں کاشف نے کوئی جرم تو نہیں کر ڈالا؟''

''سوال نہیں صرف جواب۔'' عابدی نے اس کو سرزنش کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے پوچھا تھا کہ وہ کیسا شخص ہے؟ مطلب اسے سفلی علوم وغیرہ حاصل کرنے کا شوق تو نہیں ہے؟''

سجاد بولا۔ ''بھائی جان! وہ تو سرے سے سفلی علوم کو مانتا ہی نہیں ہے۔ سیکھنا تو دور کی بات ہے۔''

''تم کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہو؟'' عابدی نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

''بھائی جان! آپ ایک پولیس آفیسر ہیں اور شک کرنا ہر پولیس والے کی خصلت میں ہوتا ہے اس لئے میں آپ سے کوئی شکایت نہیں کروں گا۔ تاہم میں آپ کو اتنا بتا دوں کہ مجھے جھوٹ بولنے سے سخت نفرت ہے۔ ویسے بھی کاشف سے میرے کوئی اتنے گہرے تعلقات نہیں ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق میری معلومات بس سرسری سی ہیں۔''

عابدی نے کہا۔ ''اچھا کاشف کو چھوڑو تم اپنی سناؤ آج کل کون سے علوم حاصل کر رہے ہو؟ اتنا تو مجھے معلوم ہے کہ تمہیں روحانی علوم سے خاصا شغف ہے۔ کوئی چلہ وغیرہ کاٹا ہے یا محض وقت ضائع کرتے رہتے ہو؟''

''بس بھائی جان تھوڑا بہت جانتا ہوں لیکن آج تک ان علوم کو آزمانے کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے ابھی سے میرا کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ ویسے بھی میں ابھی سیکھنے کے مراحل میں ہوں۔''

''تم کوئی کام دھندا کیوں نہیں کرتے؟ یہ علوم تمہارے کس کام آئیں گے سوائے اس کے کہ اس شہر میں ایک نئے عامل کا اضافہ ہو جائے گا۔'' عابدی نے ناصحانہ انداز میں کہا

اور وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

''بھائی جان! اس علم سے خلق خدا کی مدد کی جا سکتی ہے۔ خاص کر ان لوگوں کی جن پر جنات کا سایہ ہوتا ہے۔ میں یہ علم انسانیت کی بھلائی کیلئے سیکھ رہا ہوں اور.....''

عابدی نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''پھر تو تم انسپکٹر رنجیت ور ما والے کیس میں ہماری مدد کر سکتے ہو۔ اس الجھے ہوئے کیس نے ہمیں چکرا کر رکھ دیا ہے۔''

''شاید۔'' اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''شاید نہیں یقیناً کہو۔'' عابدی پُر زور لہجے میں بولا۔ ''اس عجیب و غریب کیس نے مجھے ہلکان کر دیا ہے۔ قاتل کا کہیں پتا ہی نہیں چل رہا ہے۔ اوپر سے افسران بالا نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا قاتل کو کہاں تلاش کروں۔''

''قاتل کون ہے؟''

''ایک بے جان سی چھڑی۔'' عابدی نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ چھڑی خود بخود انسپکٹر رنجیت ور ما پر برستی رہی ہے۔ اس واقعے کے کئی چشم دید گواہ بھی موجود ہیں تاہم پولیس کی نگاہوں میں قاتل تمہارا دوست کاشف جمیل ہے۔''

''کاشف جمیل ... قاتل ... میں کچھ سمجھا نہیں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' سجاد نے متحیر لہجے میں پوچھا تو عابدی نے بلاتردد اسے سارا واقعہ سنا دیا۔

''ناممکن..... حیرت انگیز..... کاشف جمیل نے یہ سب کچھ کس طرح کر لیا کیونکہ روحانی علوم سے اسے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور سفلی علوم کو تو وہ سرے سے مانتا ہی نہیں ہے۔ پھر یہ سب کچھ کس طرح ممکن ہوا ہے؟'' واقعے کی تفصیل سن کر سجاد نے حیرت اور ہیجان کی ملی جلی کیفیت میں پوچھا۔

''ممکن ناممکن کو رہنے دو۔ یہ بتاؤ تم اس سلسلے میں ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟''

''فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' سجاد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ''آلۂ قتل اور جائے واردات دیکھنے کے بعد ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔''

تھوڑی دیر کے بعد سجاد اور عابدی' انسپکٹر اشوک ملہوترا کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھے رنجیت ورما کیس پر تبادلہ خیالات کر رہے تھے۔ انہوں نے ملہوترا کو کھانا کھلا کر ہی رخصت کیا تھا۔ سجاد نے اس کیس میں انہیں مکمل تعاون کی یقین دہانی کرادی تھی۔

====OOO====

کاشف اپنے چہرے پر کسی کی گرم گرم سانسیں محسوس کر کے ایک دم ہوش میں آ گیا۔ ایک گدرایا ہوا نسوانی وجود اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لئے ہوئے تھا۔ اس نے کسمسا کر نسوانی وجود کے گھیرے سے نکلنا چاہا لیکن اس کی یہ کوشش ناکام ہوگئی۔

''زندگی کے مزے لوٹو جان من! ایسے لمحات بار بار میسر نہیں آتے۔'' ایک خمار آلود نسوانی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور اس کے رگ و پے میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ کتنی مدت کے بعد وہ صبیحہ کی آواز سن رہا تھا۔ گوکہ کمرے میں اندھیرا تھا اور صبیحہ اسے نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اس کے بدن کی مسحور کن خوشبو ہی اسے دیوانہ بنانے کیلئے کافی تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ اس کے گداز بدن کے نشیب و فراز میں کھو کر رہ گیا۔ اس نے جی بھر کر اپنے ارمان نکالے۔ صبیحہ نے خود سپردگی کا ایسا انداز اپنایا تھا جس نے اس پر جنون کی کیفیت طاری کر دی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد جب یہ طوفان تھم گیا تو ان کی سانسیں بھی اعتدال پر آ گئیں۔ تاہم وجود کی برہنگی کو لباس میں چھپانے کے بعد صبیحہ نے کمرے کی لائٹ آن کر دی تھی۔ کاشف کا اوپری بدن ابھی برہنہ تھا۔ کمرے میں روشنی ہوتے ہی وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ایک لمحہ صبیحہ کو متحیر انداز میں دیکھنے کے بعد وہ سنجیدہ انداز میں بولا۔ ''ایک طرف تو تم مجھ سے والہانہ محبت کا اظہار کرتی ہو اور اپنا تن من مجھ پر نچھاور کر چکی ہو لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں ابھی تک تمہاری اصلیت سے ناواقف ہوں۔ آخر تم چاہتی کیا ہو اور کیوں میرے ساتھ یہ کھیل کھیل رہی ہو؟''

صبیحہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''پہلے تم نہا دھو کر فریش ہو جاؤ اور لباس بھی تبدیل کر لو۔ الماری میں تمہارے ناپ کے بے شمار لباس موجود ہیں' دوسری الماری میں درجنوں جوتے

رکھے ہیں وہ سب بھی تمہارے پاؤں میں فٹ آئیں گے۔ میں خود بھی باتھ روم جا رہی ہوں۔ اس کے بعد کھانا کھائیں گے اور پھر ڈھیروں باتیں کریں گے اور تمہیں تمہارے ہر سوال کا جواب مل جائے گا۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی اور کاشف بھی چاروناچار باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

غسل سے فارغ ہونے کے بعد اس نے کپڑوں کی الماری کھول کر اپنے لئے ایک لباس منتخب کیا اور اسے زیب تن کرنے کے بعد جوتوں والی الماری کی طرف بڑھ گیا۔ صبیحہ جب تیار ہو کر واپس کمرے میں پہنچی تو کاشف اس کا منتظر تھا تاہم اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

''بہت خوب۔'' صبیحہ نے اس پر ایک بھرپور نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ ''اس لباس میں تو تم کسی ریاست کے شہزادے نظر آ رہے ہو' باہر مت نکلنا ورنہ کسی کی نظر لگ جائے گی۔''

''کیا تم مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہی ہو؟'' اس نے ناگوار انداز میں پوچھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ابھی کھانا لگنے والا ہے۔ کھانا کھا کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔ میں تمہارے تمام گلے شکوے دور کر دوں گی۔ کچھ بھی نہیں چھپاؤں گی تم سے۔''

چند لمحوں کے بعد ایک خوبصورت سی دوشیزہ کھانے کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور ان کے سامنے کھانا لگانے کے بعد مؤدب انداز میں ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

''چلو کھانا شروع کرو۔'' اس نے کاشف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر کھانا لانے والی لڑکی کو سر کے خفیف اشارے سے باہر بھیج دیا۔

کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو نے ایک دم کاشف کی بھوک چمکا دی تھی اور وہ بغیر کوئی سوال کئے خاموشی کے ساتھ کھانا کھانے لگا۔ کافی پرتکلف کھانا تھا۔ بھنے ہوئے گوشت کے ساتھ چکن پلاؤ' مٹن بریانی' مختلف قسم کی سویٹ ڈشز اور تازہ پھل وافر مقدار میں موجود تھے۔ کاشف نے خوب سیر ہو کر کھایا تھا۔ کی صبیحہ نے بھی نہیں چھوڑی تھی۔

جونہی وہ کھانے سے فارغ ہوئے۔ وہی دوشیزہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس

بار اس نے ہاتھوں میں ایک ٹرے اٹھا رکھی تھی جس میں بھاپ اڑاتے ہوئے دو کپ موجود تھے۔ دوشیزہ نے کپ ان کے سامنے رکھے اور پھر ٹیبل پر پڑے ہوئے کھانے کے برتن سمیٹنے لگی۔

اب وہ دونوں خوشبودار قہوے کی چسکیاں لے رہے تھے۔ جونہی کھانا لانے والی دوشیزہ خالی برتن سمیٹ کر کمرے سے باہر نکلی۔ کاشف صبیحہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''ہاں تو مس صبیحہ! اب بتاؤ تمہاری اصلیت کیا ہے؟ تم کوئی ساحرہ ہو یا صرف مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہو؟''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں صبیحہ نہیں ہوں تو کیا تم یقین کر لو گے؟'' اس نے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟ کیا میں اندھا ہوں؟'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

وہ ایک دم سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ ''مائی ڈیئر کاشف! میں بکواس نہیں کر رہی ہوں بلکہ تمہیں حقیقت بتا رہی ہوں۔ غور سے سنو میں صبیحہ نہیں ہوں میرا نام نندنی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ میں جس کی چاہوں صورت اختیار کر سکتی ہوں۔ تمہیں صبیحہ کی صورت بہت پسند تھی اس لئے میں اسی کا روپ دھار کر تم سے ملتی رہی حالانکہ اصل صبیحہ اب بھی تم سے نفرت کرتی ہے اور اس کا نظارا تم چند دن پہلے دیکھ چکے ہو۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی ایک ساحرہ ہو؟''

''بالکل غلط۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''میں کوئی ساحرہ وغیرہ نہیں ہوں۔ غلط اندازے قائم کرنے کی کوشش مت کرو۔''

''تو پھر تم کون ہو؟ پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو' سیدھی طرح بتا کیوں نہیں دیتیں کیوں خوامخواہ میری پریشانی بڑھا رہی ہو؟'' اس نے جل کر پوچھا۔

''میرا تعلق تمہاری دنیا سے نہیں ہے لیکن ایک بات......''

''پھر وہی بکواس۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ ''کیا تم مریخ سے آئی ہو یا کسی گمنام سیارے سے؟''

''احمق انسان! پہلے میری پوری بات سن لو بعد میں جو دل چاہے کہنا۔'' وہ قدرے غصے سے بولی۔ ''میرا تعلق آتشی مخلوق سے ہے سمجھے تم۔''

''کک...... کیا...... مطلب...... کیا تت...... تم جن زادی ہو؟'' اس نے اٹکتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ شدت خوف سے اس کے چہرے پر زردی پھیل چکی تھی اور آنکھیں متحیر انداز میں کھلی ہوئی تھیں۔

''ہاں میں ایک جن زادی ہوں لیکن تمہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری تو میں بے دام غلام ہوں۔ تمہاری خاطر تو میں نے بڑے بڑے کشٹ اٹھائے ہیں۔ میں اگر تمہارا ساتھ نہ دیتی تو شاید اس وقت تک کالی کے چرنوں میں تمہارا بلیدان دیا جا چکا ہوتا۔ شکر ادا کرو میرا کہ میں نے تمہیں پجاری شمبھوناتھ کے خطرناک عزائم سے بچا لیا ہے۔''

''پجاری شمبھو...... ناتھ اور کالی کے چرنوں میں میرا بلیدان' میں کچھ سمجھا نہیں تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' اس نے خوف اور تحیر کی ملی جلی کیفیت میں سوال کیا۔ اس کے استفسار پر نندنی نے شروع سے لے کر آخر تک کے تمام واقعات اس کے گوش گزار کر دیئے۔

وہ آنکھیں پھاڑے نندنی کی ماورائے عقل باتیں سن رہا تھا۔ وہ جسے آج تک صبیحہ سمجھتا آ رہا تھا وہ تو اس کی سوچ سے بھی دور کی ہستی نکلی تھی۔ ایک جن زادی تھی۔ ایک لمحے کیلئے اس کے دل میں خیال آیا۔ ''کیا یہ مجھے نقصان تو نہیں پہنچائے گی کسی بہت بڑی مصیبت میں تو نہیں پھنسا دے گی؟''

''تم غلط سوچ رہے ہو کاشف ڈارلنگ! میں تمہیں نقصان پہنچانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔'' نندنی نے شاید اس کے خیالات پڑھ لئے تھے۔ اس لئے وہ اس کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔

''لیکن تمہاری خادمہ تو کہہ رہی تھی کہ پولیس مجھے انسپکٹر رنجیت ورما کے قتل کے الزام میں ڈھونڈتی پھر رہی ہے جب کہ اسے میں نے نہیں مارا اور یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو کہ اسے کس نے مارا ہے؟''

''ہاں میں جانتی ہوں۔'' نندنی نے کہا۔ ''انسپکٹر رنجیت ورما کو میں نے مارا ہے اور الزام تم پر آیا ہے لیکن تمہیں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پولیس تمہارا بال بیکا بھی نہیں کر سکتی۔''

''مگر میں ایک مفرور کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ میرے ماں باپ ہیں ایک گھر ہے۔ میں عمر بھر پولیس سے چھپنے کیلئے تمہاری قید میں نہیں رہ سکتا۔'' اس نے احتجاج کرتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہیں پولیس سے چھپنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میری طاقت کا ابھی تمہیں پوری طرح اندازہ نہیں ہے۔ میرے کہنے پر چلو گے تو شہزادوں جیسی زندگی بسر کرو گے۔ میں تمہاری ہر تمنا پوری کرنے کی طاقت رکھتی ہوں۔ دنیا کی ہر نعمت لا کر تمہارے قدموں میں ڈال دوں گی۔''

''اور اس کے نتیجے میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''صرف میرا کہنا ماننا پڑے گا۔ مجھے تم سے محبت ہے اور میں تمہیں کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی۔''

''لیکن تم ایک جن زادی اور میں ...''

نندنی قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔ ''اور تم ایک انسان ہو یہی کہنا چاہتے تھے نا! لیکن تم ایک بات بھول رہے ہو کہ ہم پہلے بھی کئی بار ایک دوسرے کی قربت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں ساری زندگی تمہاری جنسی خواہش پوری کرتا رہوں گا اور جب میرا وجود ہڈیوں کا خالی پنجر بن کر رہ جائے گا تو تم اٹھا کر باہر پھینک دو گی اور خود کسی نئے کاشف کی تلاش میں چل دو گی۔''

''احمق ہو تم۔'' اس کا جواب سن کر نندنی کو ایک دم غصہ آ گیا۔ ''میری محبت کی توہین کر کے تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔ میں نے اب تک تمہاری خاطر کیا کچھ نہیں کیا حتیٰ کہ قتل تک کیے ہیں لیکن تم پر آنچ نہیں آنے دی۔ اچھا صلہ دے رہے ہو میری بے لوث چاہت کا۔''

''میں نے نہیں کہا تھا تم سے کہ تم میری خاطر یہ سب کچھ کرو۔ انسپکٹر رنجیت ورما کو بھی تم نے اپنی مرضی سے ہلاک کیا ہے اور اپنا یہ جرم میرے کھاتے میں ڈلوا دیا ہے۔ مجھے تم سے خوف آتا ہے۔ اس لئے میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ بس مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔''

''ٹھنڈے دماغ سے ایک بار سوچ لو کاشف۔'' نندنی ناصحانہ انداز میں بولی۔ ''مجھ سے پیچھا چھڑا کر تم مشکلات کا شکار ہو جاؤ گے۔ تمہارا باپ لاکھ امیر سہی لیکن تمہیں پھانسی کے پھندے سے نہیں بچا سکے گا۔''

''میں تمہاری کوئی بات نہیں سننا چاہتا۔ تمہیں اگر واقعی مجھ سے محبت ہے تو پھر مجھے یہاں سے جانے دو۔'' وہ نندنی کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔'' نندنی نے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہیں کوئی نہیں روکے گا۔ اس وقت تمہارے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں اور نہ ہی تمہیں حالات کی سنگینی کا اندازہ ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تم بہت جلد میری ضرورت محسوس کرو گے۔''

نندنی کی اجازت پا کر وہ بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر نکل گیا اور نندنی کے چہرے پر ایک معنی خیز قسم کی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ شاید دل ہی دل میں وہ اسے مزا چکھانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ ایک جن زادی تھی۔ اس کے لئے ایسے کام بائیں ہاتھ کا کھیل تھے۔ کاشف کو نہیں معلوم تھا کہ باہر مصیبتیں اس کے لئے بانہیں کھولے کھڑی ہیں۔

====○○○====

انسپکٹر عابدی اپنے آفس میں بیٹھا ایک فائل کی ورق گردانی میں مصروف تھا کہ اچانک ٹیبل پر پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ تیسری گھنٹی پر اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو! کیا یہ پولیس اسٹیشن ہے؟'' ریسیور میں سے ایک مترنم نسوانی آواز ابھری۔

''یس سر۔'' عابدی نے مختصر سا جواب دیا۔

''میں انسپکٹر عابدی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ دراصل میں نے اسے ایک اہم اطلاع دینا تھی۔''

''میں انسپکٹر عابدی بول رہا ہوں محترمہ! تمہیں جو کچھ بتانا ہے بلا جھجک بتا دو۔''

''سنیئے انسپکٹر صاحب! کیا آپ رنجیت ورما کے قاتل کو گرفتار کرنا چاہیں گے؟''

عابدی نے پُر جوش لہجے میں کہا۔ ''محترمہ! اسی کو تو میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔ تم کہاں سے بول رہی ہو اور کون ہو؟''

''مجھے چھوڑیے انسپکٹر صاحب میں کوئی بھی ہوں قانون کی ہمدرد ہوں۔ اگر آپ رنجیت ورما کے قاتل کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو بغیر وقت ضائع کیے فوراً پیلس ہوٹل کے کمرہ نمبر 113 پر ریڈ کیجئے۔ آپ کو وہاں رنجیت ورما کا قاتل مل جائے گا۔ وش یو گُڈ لک۔''

دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔

انسپکٹر عابدی نے ریسور کریڈل پر پٹخا اور پھر دوڑنے کے انداز میں آفس سے باہر نکل گیا۔

ایک لمحے کے بعد وہ پولیس موبائل کے ساتھ تیزی سے ہوٹل پیلس کی طرف اڑا چلا

جا رہا تھا۔ انسپکٹر اشوک ملہوترا بھی حسب معمول اس کے ساتھ تھا۔ پیلس ہوٹل پہنچتے ہی انہوں نے فوراً ہوٹل کو گھیرے میں لے لیا۔ ہوٹل کے داخلی اور خارجی دروازوں پر فوراً پولیس کے جوانوں نے قبضہ کر لیا اور انسپکٹر عابدی اشوک ملہوترا کو ساتھ لے کر ہوٹل کے ہال میں سے گزرتا ہوا تیزی سے روم نمبر **113** کے دروازے پر پہنچ گیا۔

انسپکٹر اشوک ملہوترا نے فوراً دروازے پر دستک دی لیکن اندر سے کوئی جواب موصول نہ ہوا تو دوسری بار اس نے زرا زور سے دستک دی۔

''کون ہے؟'' اندر سے ایک کرخت سی آواز سنائی دی۔

''ویٹر سر۔'' اشوک ملہوترا نے مسکین سے لہجے میں جواب دیا۔

''کیا مصیبت ہے یار! آدمی کو کم از کم سانس تو لینے دیا کرو۔''

''معافی چاہتا ہوں سر دراصل آپ کے کمرے میں پہلے والے صاحب کا کوئی ضروری سامان رہ گیا ہے۔ وہی لینے آیا ہوں۔'' انسپکٹر ملہوترا نے لہجے کو مزید عاجزانہ بناتے ہوئے کہا۔

دوسرے ہی لمحے دروازے کے پیچھے کسی کے قدموں کی چاپ ابھری اور پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھلتے ہی وہ دونوں آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہو گئے۔

کمرے میں موجود نوجوان حیرت زدہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا اس وقت وہ دونوں سول لباس میں تھے۔ اس لئے وہ انہیں نہیں پہچان پایا تھا۔ تاہم وہ ان کے ہاتھوں میں ریوالور دیکھ کر ایکدم گھبرا گیا تھا۔

''کک.....کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟'' نوجوان نے حواس باختہ ہو کر پوچھا۔

''مسٹر کاشف! کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ نتیجے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔'' انسپکٹر عابدی بارعب لہجے میں بولا۔ ''ہم تمہیں انسپکٹر رنجیت ورما کے قتل کے جرم میں گرفتار کرنے آئے ہیں۔''

''لل.....لیکن.....مم.....میں بے گناہ ہوں.....انہیں میں نے نہیں مارا تھا۔'' وہ

بدحواسی کے عالم میں بولا۔

''یہ سب تھانے چل کر معلوم ہوگا مسٹر کاشف! کہ کون بے گناہ ہے اور کون گناہ گار؟'' عابدی نے سرد لہجے میں جواب دیا اور پھر اشوک ملہوترا سے مخاطب ہو کر بولا۔
''گرفتار کر لیجئے اسے۔''

کاشف چیختا چلاتا رہ گیا مگر انسپکٹر ملہوترا نے اس کے چیخنے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آگے بڑھ کر اسے ہتھکڑی لگا دی۔

تھانے پہنچتے ہی اسے بغیر کچھ پوچھے حوالات میں بند کر دیا گیا۔ نڈھال سا ہو کر وہ دیوار کے ساتھ پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ دماغ مختلف قسم کی سوچوں کی آماجگاہ بن گیا۔ جس تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پولیس نے اسے گرفتار کیا تھا وہ خلاف توقع تھا۔ اپنے ملک کی پولیس کے بارے میں وہ خوب جانتا تھا۔ کہ وہ کتنی سست اور کاہل ہے۔ ''تو کیا میری مخبری کی گئی ہے؟'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر اس کے خیال میں فوراً نندنی در آئی۔ ''ہاں وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اس کیلئے کچھ بھی ناممکن نہیں ہے وہ ایک آتش زادی ہے۔ حیرت انگیز طاقتوں کی مالک ہے۔'' دماغ نے اس کی سوچ کی تائید کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

بے اختیار اس کے پورے وجود میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔ اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ نندنی کی پُراسرار نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ نندنی اس کے معمولات پر آنکھ رکھے ہوئے ہے اور یقیناً پولیس کو بھی اس کے بارے میں اسی نے اطلاع دی ہوگی۔ ''تو کیا نندنی مجھے پھانسی کے تختے پر پہنچانا چاہتی ہے؟'' اس نے دل ہی دل میں خود سے سوال کیا اور پھر شدتِ خوف سے ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ نندنی سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ سب سے بڑی اور اہم بات تو یہ تھی کہ وہ ایک جن زادی تھی۔ بے شمار مخفی قوتوں کی مالک اس کے علاوہ اسے سفلی علوم پر بھی دسترس تھی۔ وہ اسے دنیا کی نگاہوں میں عبرت کا نشان بنا کر رکھ سکتی تھی۔

اس طرح کے اور اس سے ملتے جلتے بے شمار خیالات نے اس کے دماغ پر یلغار کر

دی تھی۔ جوں جوں وہ سوچتا گیا اس کا ذہن الجھتا گیا اور پریشانی فزوں تر ہوتی گئی۔ وہ عجیب کش مکش کا شکار ہو گیا تھا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والی بات ہو گئی تھی۔ اس کے آگے گہری کھائی تھی تو پیچھے کانٹوں بھرا جنگل تھا۔ وہ نہ آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا۔

آخر کار اس نے قوت ارادی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سر جھٹک کر ان پریشان کن خیالات سے پیچھا چھڑا لیا اور خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

تقریباً دو گھنٹوں کے بعد اس کے لاک اَپ کا تالا کھلا اور دو ہٹے کٹے کانسٹیبل اندر داخل ہوئے۔ ''چلو اٹھو صاحب کے سامنے تمہاری پیشی ہے۔'' ان میں سے ایک بارعب لہجے میں بولا اور کاشف بادلِ نخواستہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

حفظ ماتقدم کے طور پر ان دونوں نے کاشف کو مضبوطی کے ساتھ بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا وہ ایک قاتل تھا اور پولیس والے کسی قسم کا رسک لینا نہیں چاہتے تھے۔ لاک اپ کے بائیں ہاتھ ایک طویل راہداری میں سے گزرتے ہوئے وہ ایک کھلی جگہ پر پہنچ گئے۔ یہ تھانے کا احاطہ تھا اور اسے تقریباً ایک خوشنما پارک کی شکل میں ڈھالا گیا تھا۔ درمیان میں خوبصورت تراشی ہوئی گھاس تھی اور اردگرد کیاریوں میں مختلف قسم کے پھولدار پودے لگے ہوئے تھے۔ آنکھوں کو یہ منظر بہت خوبصورت لگ رہا تھا لیکن کاشف کی تو جان پر بنی ہوئی تھی اسے خوبصورتی اور بدصورتی کا ہوش ہی کہاں تھا۔

اس دیدہ زیب اور چھوٹے سے پارک کے دوسری جانب دفاتر کی عمارت تھی۔ وہ پارک کے بیچوں بیچ گزرتے ہوئے انسپکٹر عابدی کے دفتر کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے کاشف کے چہرے پر سنجیدگی کے ساتھ ساتھ خوف کے سائے بھی منڈلا رہے تھے۔ اس کا دل پہلو میں معمول سے کچھ زیادہ رفتار کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ آنے والا وقت نہ جانے اس کیلئے کیا لا رہا تھا؟ طویل قید یا پھر پھانسی کا تختہ؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

''کاشف!'' اچانک ایک نسوانی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور وہ چونک کر

دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ دونوں کانسٹیبلز کے چہروں پر حیرت کا کوئی تاثر نہیں تھا وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہے تھے۔

''میری آواز صرف تمہیں سنائی دے رہی ہے۔'' نسوانی آواز دوبارہ اس کے کانوں میں پڑی۔ ''اب بھی وقت ہے میرا کہنا مان لو ورنہ پچھتاؤ گے۔ دیکھو بے وقوف مت بنو میں تمہارے بھلے کیلئے کہہ رہی ہوں۔ پولیس والے مار مار کر تمہاری کھال اُدھیڑ کر رکھ دیں گے۔ تم اگر چاہو تو میں تمہیں یہاں سے بچا کر لے جا سکتی ہوں۔ میرے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔''

''بکواس مت کر کتیا کی بچی۔'' اچانک وہ چلا کر بولا اور دونوں کانسٹیبل یوں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگے جیسے وہ پاگل ہو گیا ہو۔

====OOO====

''یہ تھانہ ہے بچے' کوئی تھیٹر نہیں جہاں تمہاری اداکاری چلے گی۔ چپ چاپ چلتے رہو ورنہ ادھر ہی لمبا کر دیں گے۔'' ایک کانسٹیبل اسے دھکا دیتے ہوئے بولا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''اگر تم کہو تو ان سپاہیوں کو میں ابھی ان کی بدتمیزی کا مزا چکھا سکتی ہوں۔'' نندنی کی سرگوشی ایک بار پھر اس کے کانوں میں گونجی لیکن وہ سنی اَن سنی کرتے ہوئے آگے بڑھتا چلا گیا۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد وہ انسپکٹر عابدی کے آفس میں اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔

''مسٹر کاشف!'' عابدی نے اس کی آنکھوں میں ذومعنی انداز میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''تمہارے خلاف قتل کا مقدمہ درج ہو چکا ہے۔ کل میں عدالت سے ریمانڈ بھی حاصل کر لوں گا لیکن تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ تم ابھی سے مجھے تمام حالات بتا کر اقبالِ جرم کر لو ورنہ پولیس کے تشدد کو برداشت کرنا تمہارے جیسے نازک اندام نوجوان کے بس سے باہر ہے۔''

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں بے گناہ ہوں۔'' اس نے بے خوف انداز میں جواب

دیا۔

انسپکٹر عابدی نے کہا۔ ''ہر مجرم یہی کہتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔ پولیس والے اگر مجرموں کی زبان پر اعتبار کرنا شروع کر دیں تو پھر ہو چکی تفتیش۔ میں تمہاری زبان سے صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔ بولو رنجیت ورما کو تم نے کس طرح ہلاک کیا تھا؟''

''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ رنجیت ورما کو میں نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔''

''میں جانتا ہوں۔'' عابدی بولا۔ ''کہ تم نے اسے چھوا تک نہیں تھا لیکن قاتل تم ہی ہو' تم نے اسے کسی ماورائی طاقت کے ذریعے ہلاک کیا ہے اور میں اسی اَن دیکھی طاقت کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''میرے پاس نہ کوئی ماورائی طاقت ہے اور نہ ہی ایسا کوئی علم ہے جس کے ذریعے میں انسانوں کو بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے ہلاک کرتا پھروں۔ آپ ایک ذہین پولیس انسپکٹر ہیں لیکن اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ میرے پاس اگر ایسا کوئی علم ہوتا تو کیا میں پولیس کے ہاتھ لگتا؟''

اس کے پُراعتماد لہجے نے عابدی کو اُلجھن میں ڈال دیا تھا۔ کہہ تو وہ ٹھیک رہا تھا کہ اگر اس کے پاس ایسا کوئی علم ہوتا تو کیا وہ پولیس کے ہاتھ آتا؟

عابدی نے ایک لمحے کیلئے سوچا۔ وہ ایک پولیس انسپکٹر تھا اور شک کرنا اس کی سرشت میں شامل تھا۔ اس کی نگاہیں کاشف کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور دماغ سوچنے میں مصروف تھا۔ ''ہو سکتا ہے یہ مجرم نہ ہو؟'' اس کے دل نے کہا لیکن دماغ دل کی تائید کرنے کیلئے تیار نہیں تھا وہ دوسرے پہلو پر سوچ رہا تھا۔ ''خود کو بے گناہ ثابت کروانے کیلئے اس نے خود کو پولیس کے حوالے کیا ہے۔''

دماغ کا مشورہ بھی خارج از امکان نہیں تھا۔ ایسا بالکل ہو سکتا تھا بلکہ بعض اوقات تو قاتل خود ہی قتل کی اطلاع تھانے میں پہنچا دیتا تھا تا کہ خود کو پولیس کے شک سے محفوظ رکھ سکے۔

''تو کیا یہ بھی کوئی ایسا ہی کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہا ہے؟'' عابدی نے ایک لمحے کیلئے دل ہی دل میں سوچا اور پھر دوبارہ مشکوک انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔

"اگر تمہارے پاس واقعی کوئی نادیدہ طاقت نہیں ہے تو پھر لاک اَپ کے اندر انسپکٹر رنجیت ورما کی چھڑی نے تمہیں کس لیے چھوڑ دیا تھا؟ کیا چھڑی کو صرف پولیس والوں سے بیر تھا یا پھر وہ تمہارے کہنے پر چل رہی تھی؟"

کاشف بولا۔ "میں نے صرف چھڑی کو پولیس والوں پر برستے دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔"

"بکواس کرتے ہو تم' میری نرمی کا ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش مت کرو ورنہ ریمانڈ حاصل کئے بغیر بھی میں تمہاری کھال کھینچنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے ہوش کھو بیٹھوں مجھے لفظ بہ لفظ ساری کہانی سنا ڈالو۔" عابدی اچانک ہی آپے سے اکھڑ گیا تھا۔

"بغیر ریمانڈ حاصل کیے آپ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔ اتنا قانون تو میں بھی جانتا ہوں۔" وہ عابدی کی دھمکی کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"تو مجھے قانون سکھائے گا' انسپکٹر عابدی کو۔" وہ ایک جھٹکے کے ساتھ کرسی سے اٹھا اور پھر ٹیبل پر ہاتھ دھرتے ہوئے آگے کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ "شاید تو اس لئے اترا رہا ہے کہ تیرا باپ سیٹھ طارق جمیل ہے جو بیک وقت دو دو فیکٹریوں کا مالک ہے لیکن ایک بات میری بھی سن لو اگر تم قاتل نکلے تو میں تجھے پھانسی کے پھندے تک پہنچا کر دم لوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تجھ سے۔"

"مجھے قبول ہے آپ کا یہ چیلنج۔"

"لے جاؤ اس باسٹرڈ کو۔" عابدی چلا کر بولا۔ "اور لاک اَپ میں بند کر دو۔ کل میں ریمانڈ حاصل کرنے کے بعد اس کی وہ دھلائی کروں گا کہ اس کی پشتیں بھی یاد رکھیں گی۔"

عابدی طیش کے عالم میں کانپ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا ورنہ وہ کاشف کو آفس میں ہی شوٹ کر دیتا۔ عین اسی وقت انسپکٹر اشوک ملہوترا آفس کے اندر داخل ہوا اور بگڑی ہوئی صورتحال دیکھنے کے بعد بولا۔ "سر! یہ باتوں کا نہیں لاتوں کا بھوت ہے۔ آپ کچھ دیر کیلئے آفس سے باہر تشریف لے جائیں واپسی پر یہ آپ کو ٹیپ ریکارڈر کی طرح بجتا ہوا ملے

گا۔"

"او کے۔" عابدی نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں کسی قسم کی ذمہ داری قبول نہیں کروں گا۔ اس لئے ذرا سوچ کر ہاتھ پاؤں چلانا۔"

"ڈونٹ وری سر' میں احتیاط کروں گا۔" اشوک ملہوترا خوشی سے باچھیں چوڑی کرتے ہوئے بولا اور عابدی کاشف کو استہزائیہ انداز میں دیکھتے ہوئے آفس سے باہر نکل گیا۔

====OOO====

"ہاں تو مسٹر کاشف جمیل ریڈیو کی طرح بجنا شروع کر دو کیونکہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔" عابدی کے باہر جاتے ہی اشوک ملہوترا اس سے پُرغرور انداز میں مخاطب ہوا۔

"کون سا گانا سنو گے اشوک ملہوترا صاحب۔" کاشف کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ شاید اشوک ملہوترا کا پُرغرور انداز اسے کھل رہا تھا۔

"داد دینا پڑے گی بھئی تمہاری ہمت کی' قتل جیسا سنگین جرم کرنے کے بعد بھی تمہاری حس مزاح باقی ہے۔ واقعی شیر جوان ہو لیکن افسوس کہ یہ تھانہ ہے یہاں کبھی کسی کو داد نہیں ملتی۔" انسپکٹر اشوک ملہوترا نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بید کی چھڑی کے ذریعے اس کی ٹھوڑی کو اوپر اٹھاتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"انسپکٹر! میں ایک شریف شہری ہوں۔ براہ مہربانی مجھے......"

"تیری شرافت کی ایسی کی تیسی۔" اشوک ملہوترا نے قطع کلامی کرتے ہوئے اس کے سر کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ "میں تمہاری کھال ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔ یہاں تمہاری پھنے خانی نہیں چلے گی کیونکہ میں اشوک ملہوترا ہوں رنجیت ورما نہیں ہوں سمجھے تم' اس سے پہلے کہ میں......"

اشوک ملہوترا کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس کے عقب میں موجود ٹیبل پر پڑی ہوئی ایش ٹرے اڑتی ہوئی اس کے سر سے ٹکرائی اور اس کا سر خالی کنستر کی طرح بج اٹھا۔ اور ایش ٹرے فرش پر گر کر چکنا چور ہو گئی۔

سر پر چوٹ کھاتے ہی اشوک ملہوترا شدت طیش سے لال پیلا ہو گیا اور پھر کاشف کو

بے تحاشا گالیاں دیتے ہوئے اس پر جھپٹ پڑا۔ دونوں کانسٹیبل بھی اشوک ملہوترا کا ساتھ دے رہے تھے۔ پانچ منٹ کے اندر انہوں نے کاشف کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا تھا۔

انسپکٹر اشوک ملہوترا بدستور اسے گالیاں دے رہا تھا۔ ''تیری تو میں......'' اس نے کاشف کو ایک فحش گالی دیتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری شعبدہ بازی یہاں نہیں چلنے والی اور نہ میں ایسی شعبدہ بازیوں سے ڈرنے والا ہوں۔ تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟''

کاشف بدحال سا فرش پر پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے بڑی بے رحمی سے اسے مارا تھا۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا تاہم بدقت تمام وہ کراہتے ہوئے بولا۔ ''انسپکٹر صاحب! میں بے گناہ ہوں آپ کے سر پر ایش ٹرے میں نے نہیں ماری تھی بلکہ یہ میری دشمن کی کارستانی ہے اور اسی نے مجھے قتل کے الزام میں پھنسایا ہے۔''

''دشمن؟'' انسپکٹر اشوک ملہوترا نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

''کون ہے وہ؟ مجھے تفصیل کے ساتھ بتاؤ؟''

کاشف بولا۔ ''وہ ایک آتش زادی ہے اور......''

''بکواس مت کرو۔'' انسپکٹر اشوک ملہوترا قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ ''ایک آتش زادی کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟''

''آپ......آپ پہلے میری پوری بات تو سن لیں۔ بعد میں جو دل چاہے فیصلہ کرنا۔ میں کون سا تھانے سے بھاگا جا رہا ہوں۔'' وہ التجائیہ انداز میں بولا۔

''بکو جو کچھ بھی بکنا چاہتے ہو میں سن رہا ہوں۔'' انسپکٹر اشوک ملہوترا نے گویا اس پر احسان کرتے ہوئے کہا۔

کاشف بولا۔ ''پلیز پہلے مجھے پانی پلوا دیجئے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے ہیں۔'' انسپکٹر اشوک ملہوترا نے ایک کانسٹیبل کو پانی لانے کا اشارہ کیا اور پھر اطمینان کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھ گیا تاہم کاشف بدستور فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔

ایک لمحے کے بعد کانسٹیبل پانی لے کر پہنچ گیا۔ پہلا گلاس اس نے ایک ہی سانس میں

پی لیا تو کانسٹیبل نے پوچھا۔ ''اور پانی پینا ہے؟''

جواب دینے کی بجائے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کانسٹیبل نے خالی گلاس دوبارہ بھر دیا۔

''ہاں اب بولو کیا کہنا چاہتے تھے؟'' اس کے پانی پی لینے کے بعد انسپکٹر اشوک ملہوترا نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

کاشف نے کہا۔ ''انسپکٹر صاحب آپ کو یقین نہیں آئے گا مگر سچ بات یہی ہے کہ یہ سب کچھ ایک جن زادی کر رہی ہے۔ اس کا نام نندنی ہے اور گزشتہ کچھ عرصے سے وہ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔''

اس کے بعد کاشف نے انسپکٹر اشوک ملہوترا کے استفسار پر بلا کم و کاست اسے پوری سرگزشت کہہ سنائی۔

کاشف کی یہ حیرت انگیز داستان سن کر انسپکٹر اشوک ملہوترا ذرا بھی حیران نہیں ہوا تھا۔ وہ بدستور کاشف کو مشکوک انداز میں گھور رہا تھا۔ تاہم ایک لمحہ توقف کے بعد وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ ''کہانی تو تم نے زبردست سنائی ہے لیکن یہ تھانہ ہے اور بدقسمتی سے میں ایک پولیس انسپکٹر ہوں اگر فلم میکر ہوتا تو تجھے حسب توفیق داد ضرور دیتا۔''

''مجھے معلوم تھا کہ آپ یقین نہیں کریں گے لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ کاش میں اس آتش زادی کو ثبوت کے طور پر آپ کے سامنے لا سکتا تب آپ کے پاس یقین نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔'' اس نے مایوس کن انداز میں جواب دیا۔

''لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تو تم بڑے دعوے کے ساتھ یہ کہہ رہے تھے کہ وہ جن زادی تمہارے عشق میں پاگل ہو چکی ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے بلاوے پر نہ آئے۔''

کاشف نے کہا۔ ''میرے بلاوے پر وہ آ سکتی ہے لیکن اس نے جو شرط رکھی ہے وہ میں کسی طرح بھی ماننے کیلئے تیار نہیں ہوں۔''

''ایسی کون سی شرط ہے جو تم ماننے کیلئے تیار نہیں ہو؟ ذرا میں بھی تو سنوں۔''

''وہ عمر بھر کیلئے میرا ساتھ چاہتی ہے اور یہ بات مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ ساری زندگی بھلا ایک انسان کیسے ایک جن زادی کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ آپ خود ہی بتائیں کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے؟'' کاشف نے جواب طلب انداز میں پوچھا۔

''وہ شکل و صورت کی کیسی ہے؟'' انسپکٹر اشوک ملہوترا نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے استفسار کیا۔

''میں نے اُس کی اصل شکل آج تک نہیں دیکھی تاہم مجھ سے وہ اُس لڑکی کا روپ دھار کر ملا کرتی تھی جس کے میں اُن دنوں پیچھے پڑا ہوا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ اس نے مجھے دھوکے سے اپنے پیچھے لگا لیا تھا۔''

اشوک ملہوترا بولا ''میں اگر تمہاری اِن باتوں کو مان بھی لوں تب بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قانون ایسی باتوں کو نہیں مانتا۔ وہ صرف ثبوت مانگتا ہے اور تمہارے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ تمہاری پوزیشن بہت نازک ہے۔ تمہیں قتل کے اس کیس میں سزائے موت بھی ہو سکتی ہے۔''

''قانون کو اندھا شاید اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ثبوتوں کی بناء پر چلتا ہے۔ اسی لئے تو کئی بے گناہ پھانسیوں پہ جھول جاتے ہیں۔''

''تم ایسا کہہ سکتے ہو۔'' اشوک ملہوترا نے کہا۔ ''لیکن سزا سے نہیں بچ سکتے کیونکہ مقتول ایک پولیس آفیسر تھا اور قتل بھی تھانے کے اندر ہوا ہے۔ تمہارے خلاف کئی چشم دید گواہ موجود ہیں۔''

اسی دوران انسپکٹر عابدی دوبارہ آفس میں داخل ہوا اور اشوک ملہوترا کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''یہ تو کوئی اور ہی کہانی سنا رہا ہے سر۔'' اشوک ملہوترا نے عابدی کا مطلب بھانپتے ہوئے کہا۔

''کیسی کہانی؟'' عابدی نے استفسار کیا۔

''کسی جن زادی کا نام لے رہا ہے۔'' اشوک ملہوترا تفصیل بیان کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''سندری نام کی ایک جن زادی ہے جس کا رنجیت ورما کے قتل سے گہرا تعلق ہے۔ اِس کے کہنے کے مطابق وہ جن زادی اِس کی محبت میں گرفتار ہے۔ جس وقت لاک اَپ کے اندر انسپکٹر رنجیت ورما اِس پر تشدد کر رہا تھا عین اُسی وقت وہ جن زادی وہاں پہنچ گئی اور پھر اُس نے چھڑی کے ذریعے رنجیت ورما پر اِس قدر شدید وار کئے کہ وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے لاک اَپ کے اندر ہی ہلاک ہو گیا۔''

عابدی نے طنزیہ انداز میں اشوک ملہوترا کی طرف دیکھا تو وہ خجالت سے اپنی نیم گنجی کھوپڑی کھجانے لگا اور عابدی مسکرا کر رہ گیا۔

اشوک ملہوترا اُسے ذومعنی انداز میں ہنستے دیکھ کر بولا ''سر! میں نے مجرم کی بیان کی ہوئی کہانی آپ کو سنائی ہے۔ یہ تو نہیں کہا ہے کہ مجھے اِس کی کہانی پر یقین ہے۔ مجرم اکثر ایسی بے پر کی اڑاتے رہتے ہیں۔''

عابدی بولا۔ ''یہ مجرم ضرورت سے زیادہ ہوشیار معلوم ہوتا ہے اِس لئے ہمیں اِس پر خصوصی توجہ دینا پڑے گی اور کڑی نگاہ رکھنا پڑے گی۔ ایسا نہ ہو کہ یہ پہلے کی طرح تھانے سے ہی بھاگ نکلے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔''

''کوئی چنتا نہ کریں سر۔'' اشوک ملہوترا نے اپنی ہتھیلی پر چھڑی مارتے ہوئے کہا۔ ''اِس کا تو باپ بھی یہاں سے نہیں نکل سکتا میرا نام اشوک ملہوترا ہے۔ آج تک میں نے کسی مجرم کو نہیں بھاگنے دیا۔ یہ صرف ہوا بن کر یہاں سے نکل سکتا ہے اور کوئی صورت نہیں ہے اِس کے فرار کی۔''

''پھر بھی ملہوترا صاحب اِس پر کڑی نگاہ رکھنا پڑے گی۔ ہم اِس امکان کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ اِس کا تعلق ایک آتش زادی سے ہے۔'' یہ کہہ کر عابدی دونوں کانسٹیبلوں کی طرف رخ پھیرتے ہوئے بولا۔ ''فی الحال اِس کو یہاں سے لے جاؤ اور لاک اَپ میں بند کر دو۔ کل ریمانڈ حاصل کرنے کے بعد اِس سے دوبارہ ملاقات ہو گی۔''

تھوڑی دیر کے بعد کاشف دوبارہ لاک اَپ کے ننگے فرش پر بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ اُس کا پورا بدن کسی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ پولیس والوں نے اِسے جانور سمجھ کر پیٹا

تھا۔ دِل ہی دِل میں وہ نندنی کو بے شمار گالیاں دے رہا تھا کیونکہ یہ سب کچھ اُسی کا کیا دھرا تھا۔ نہ وہ انسپکٹر ملہوترا کے سر پر ایش ٹرے مارتی اور نہ ہی وہ غصے سے بے قابو ہو کر کاشف کی پٹائی کرتا۔

انہی سوچوں میں وہ غلطاں و پیچاں تھا کہ ایک بار پھر نندنی کی سرگوشی اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ ''دیکھ لیا ہے تم نے میری بات نہ ماننے کا نتیجہ۔ اب بھی وقت ہے کہ میرا کہنا مان لو ورنہ پچھتاؤ گے۔''

''کبھی نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ ''میں مر جاؤں گا لیکن تمہاری بات کبھی نہیں مانوں گا۔ تمہارا غلام بننے سے تو بہتر ہے کہ میں پھانسی کے پھندے پر جھول جاؤں۔''

''میں نے تجھے کبھی غلام نہیں سمجھا اور نہ آئندہ سمجھوں گی۔ بے وقوف انسان! میں تمہیں چاہتی ہوں اِسی لئے تو اپنا تن من تجھ پر وار چکی ہوں۔ میں دنیا کی ہر نعمت تیرے قدموں میں ڈھیر کر دوں گی۔ بدلے میں تم اپنا آپ بس میرے حوالے کر دو۔'' نندنی کی ناصحانہ سرگوشی سنائی دی۔

''تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر لو لیکن مجھے پانے کے لئے عمر بھر ترستی رہو گی۔'' اُس نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا لیکن نندنی جا چکی تھی کیونکہ اُسے اپنی بات کا کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

====OOO====

سیٹھ طارق جمیل کو جب کاشف کی گرفتاری کا پتا چلا تو وہ فوراً تھانے کی طرف دوڑا۔ کاشف اُس کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اُس کی کروڑوں کی جائیداد اور بزنس کا وارث تھا۔ وہ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی سلاخوں کے پیچھے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

اِس دوران وہ اپنے قانونی مشیر ایڈووکیٹ انصاری سے بھی رابطہ قائم کر چکا تھا۔ انصاری اکثر اُس کے کاروباری جھگڑے جو کورٹ تک پہنچ جاتے تھے، بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ نمٹا دیا کرتا تھا۔ بحیثیت ایک وکیل کے وہ ایک ذہین اور قابلِ اعتماد شخص تھا۔ اُس کے

کریڈٹ پر بے شمار ایسے مقدمات تھے جو اُس نے مخالف وکلاء سے طویل قانونی جنگ لڑنے کے بعد جیتے تھے۔ سیٹھ طارق جمیل اور ایڈووکیٹ انصاری ایک ساتھ تھانے پہنچے تھے۔ سب سے پہلے انہوں نے کاشف سے ملاقات کی۔ سیٹھ طارق جمیل کاشف کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ''تم فکر مت کرو بیٹے! تمہیں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ میں انشاءاللہ پہلی پیشی پر تمہیں ضمانت پر چھڑوا لوں گا۔ تم کسی ایرے غیرے کے بیٹے نہیں ہو، میری پہنچ حکومت کے ایوانوں تک ہے۔''

''ڈیڈی! آپ میری مشکل کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہو چکا ہوں۔'' کاشف نے پریشان کن انداز میں جواب دیا۔

''میں نے کہہ دیا ہے نا! کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر تم کس لئے پریشان ہو رہے ہو۔ تمہیں باعزت بری کروانا انصاری کا کام ہے۔'' سیٹھ طارق جمیل نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

انصاری نے فوراً بریف کیس کھولا اور ایک وکالت نامہ نکال کر آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔ ''فی الحال تم اس وکالت نامے پر دستخط کر دو۔ باقی باتیں میں تمہیں بعد میں سمجھا دوں گا۔''

کاشف نے انصاری کے ہاتھ سے وکالت نامہ لے کر فوراً اس پر دستخط کر دیئے۔ انصاری نے ایک نظر وکالت نامے پر ڈالی اور پھر مطمئن ہو کر وکالت نامہ دوبارہ بریف کیس میں رکھ لیا۔ اس کے بعد انصاری کے استفسار پر کاشف نے تمام واقعات بلا کم و کاست بیان کر دیئے تاہم وہ صبیحہ یعنی نندنی سے اپنی قربت کا قصہ گول کر گیا تھا کیونکہ باپ کی موجودگی میں اسے ایسی بات کہنے کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی۔

انصاری کاشف کی زبانی یہ محیر العقل واقعات سن کر لحہ بھر کے لئے دم بخود رہ گیا اور کاشف کو اس طرح حیرت زدہ نگاہوں سے گھورنے لگا جیسے اسے اس کی دماغی حالت پر شبہ ہو۔

کاشف اس کی مشکوک نگاہوں کا مطلب بھانپتے ہوئے بولا۔ ''انکل انصاری! آپ کا

مشکوک ہونا بجا ہے لیکن جھوٹ میں بھی نہیں بول رہا ہوں۔ میں نے جو کچھ بھی آپ کو بتایا ہے وہ حرف بہ حرف سچ ہے۔ ویسے بھی مجھے آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے...... لیکن قانون ایسی باتوں کو نہیں مانتا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہے تو تم مجھے بلا جھجک بتا سکتے ہو۔ میں تمہارا وکیل ہوں۔" انصاری کا شک ابھی پوری طرح رفع نہیں ہوا تھا اس لئے اس نے بدستور مشکوک لہجے میں پوچھا۔

"انکل! میں آپ کو یقین دلانے کیلئے صرف قسم ہی کھا سکتا ہوں اور تو میرے بس میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

انصاری نے کہا۔ "میرے شک کرنے یا نہ کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تمہیں بے گناہ ثابت کروانے کیلئے مجھے ناقابل تردید جواز چاہئیں۔ عدالت ایسی بے سروپا باتوں پر قطعی یقین نہیں کرے گی۔"

کاشف بولا۔ "جو حقیقت تھی وہ میں نے آپ کے سامنے بیان کر دی ہے۔ آگے آپ جو مناسب سمجھیں وہی کریں۔ میں عدالت کے سامنے وہی کہوں گا جو آپ چاہیں گے۔"

انصاری سیٹھ طارق جمیل کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ "سیٹھ صاحب! آپ کو کیا لگتا ہے؟ کیا آپ کا برخوردار جو کچھ کہہ رہا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہو سکتا ہے۔ اکیسویں صدی میں جن بھوتوں کے قصوں پر کون یقین کرے گا۔"

سیٹھ طارق جمیل بولا۔ "آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن کاشف کی باتوں کو بھی بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آخر وہ اتنا اصرار کر رہا ہے تو کچھ نہ کچھ ہوگا ضرور۔ بہرکیف آپ جو مناسب سمجھیں وہی کریں۔ مجھے صرف اپنے بیٹے کی رہائی سے سروکار ہے۔ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟ اس کو ابھی رہنے دیں۔ فی الحال کاشف کو رہا کروانے کی سوچیں۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب! کل عدالت میں ملاقات ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ میں اسے ضمانت پر رہا کروا لوں گا۔ بعد میں کیس چلتا رہے گا۔" انصاری نے پُراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

عین اسی وقت کاشف کے کانوں میں نندنی کی سرگوشی گونجی۔ "سنو! کل تمہارا وکیل عدالت تک نہیں پہنچ پائے گا۔ بہتر ہے میرا کہنا مان کر ایک قیمتی جان بچا لو ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔"

اس کی سرگوشی سن کر کاشف کا خون غصے سے کھول اٹھا لیکن موجودہ صورتحال میں وہ کچھ بھی کہہ کر خود کو تماشا بنانا نہیں چاہتا تھا۔ تاہم انصاری کو آنے والے خطرے سے آگاہ کرنا بھی ضروری تھا۔

"انکل!" اس نے انصاری کو سنجیدہ لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ امید ہے آپ میری بات کو سنجیدگی سے لیں گے۔"

"کہو۔" انصاری دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"وہ آتش زادی آپ کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اس لئے آپ کو محتاط رہنا ہوگا۔"

"برخوردار! میں تمہارے حوصلے کی داد دیتا ہوں کہ ایسی صورتحال میں بھی تم مذاق کر لیتے ہو۔" انصاری نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"یہ مذاق نہیں ہے انکل! پلیز حالات کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ وہ میری دشمن بن چکی ہے اس لئے مجھ سے تعاون کرنے والے ہر شخص کو اپنا دشمن سمجھتی ہے۔"

"او کے! او کے! میں احتیاط کروں گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" انصاری نے لاپروائی سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

اتنا کہہ کر انصاری تو کسی کام کے سلسلے میں اجازت لے کر چلا گیا اور سیٹھ طارق جمیل کاشف سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔

"تمہاری تربیت میں بے شک مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے لیکن یہ تو میں نے کبھی سپنے میں بھی نہیں سوچا تھا کہ تم قتل جیسے سنگین جرم میں ملوث ہو جاؤ گے۔ میں نے تمہارے مستقبل کے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچ رکھا تھا۔ مگر تم نے میرے سارے خواب خاک میں ملا دیے ہیں۔" وہ شکایتی انداز میں بیٹے سے مخاطب ہو کر بولا۔

کاشف نے کہا۔ "ڈیڈی! میں مانتا ہوں کہ مجھ سے ہمیشہ غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں۔

آپ کے ساتھ کاروبار پر توجہ دینے کی بجائے میں آوارہ گردیاں کرتا رہا لیکن اس قتل کے ساتھ میرا کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ بات میں قسم کھا کر بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں قاتل نہیں ہوں۔ مجھے اس قتل میں پھنسایا جا رہا ہے۔''

''تم دانیال کے ساتھ کس لئے جھگڑے تھے؟'' اچانک سیٹھ طارق نے بالکل ایک غیر متعلق سوال کرتے ہوئے پوچھا اور کاشف کا رنگ ایک لمحے کیلئے متغیر ہو کر رہ گیا تاہم وہ سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ دو ٹکے کا شخص خواہ مخواہ میرے منہ لگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجھے مجبوراً اسے اس کی اوقات یاد دلانا پڑ گئی تھی۔ میں نے جان بوجھ اس کے ساتھ جھگڑا نہیں کیا تھا۔''

''خواہ مخواہ وہ نہیں بلکہ تم اس کے گلے پڑ گئے تھے۔ تم وہاں گئے کس لئے تھے۔ دانیال جیسے شخص سے آخر تمہارا واسطہ ہی کیا تھا؟'' سیٹھ طارق جمیل نے قدرے سخت لہجے میں پوچھا۔

کاشف کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لئے اس کا سر ندامت کی وجہ سے جھک گیا۔ اب وہ باپ کے سامنے کس طرح یہ بات کہتا کہ وہ وہاں صبیحہ کی وجہ سے گیا تھا۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟''

''وہ...... وہ...... ڈیڈ...... میں......'' کوشش کے باوجود اس سے بات نہیں بن رہی تھی۔ اس لئے وہ محض ہکلا کر ہی رہ گیا۔

''تمہارا جھکا ہوا سر اور شرمسار چہرہ دیکھ کر مجھے اس غریب لڑکی کی ہر بات سچی اور حقیقت پر مبنی لگ رہی ہے۔'' سیٹھ طارق جمیل اسے سرزنش کرتے ہوئے بولا۔ ''تم میں اگر کچھ شرم و حیا باقی رہ گئی ہے تو آئندہ اس مفلس لڑکی سے دور ہی رہنا ورنہ تم پر اس سے زیادہ عذاب اور قہر بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ میں اس کے کزن دانیال کو ضمانت پر رہا کروا چکا ہوں۔ تمہارے گناہ کی کچھ نہ کچھ تلافی تو ادا کرنا ہی تھی اس لئے میں نے ان دونوں کی منگنی کروا دی ہے۔''

''میں...... میں شرمندہ ہوں ڈیڈ! بس ایک دفعہ اس مصیبت سے میری جان چھوٹ جائے۔ اس کے بعد میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گا جو آپ کے لئے پریشانی اور شرمندگی کی وجہ بنے۔'' اس نے جھکا ہوا سر اٹھاتے ہوئے شرمسار لہجے میں جواب دیا۔

''تمہیں بری کروانا میرے لئے مشکل نہیں ہے لیکن اس کام میں وقت ضرور لگے گا اس لئے پریشان مت ہونا۔ یہاں تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔''

''میں اگر کل ضمانت پر نہ چھوٹ سکا تو پولیس والے مجھے بری طرح ٹارچر کریں گے۔ خاص کر انسپکٹر اشوک ملہوترا جو ہر ملزم کو جانور سمجھ کر پیٹتا رہتا ہے۔'' اس نے اپنے دل میں چھپے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے باپ کو بتایا۔

''روپیہ ہر مسئلے کا حل ہے اس لئے بے فکر رہو۔ میں اشوک ملہوترا کو خرید لوں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔'' سیٹھ طارق جمیل نے جاتے جاتے بیٹے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

====OOO====

رات کے وقت ایڈووکیٹ انصاری اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھا کاشف کے کیس پر غور و خوض کر رہا تھا۔ کاشف نے اسے جو مافوق العقل باتیں بتائی تھیں ان پر یقین کرنا اس کے نزدیک اول درجے کی حماقت تھی اور قانون کے سامنے ایسی باتوں کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ وہ جوں جوں اس معاملے کے متعلق سوچتا گیا توں توں اس کا ذہن الجھتا گیا۔

زندگی میں آج تک اس نے جتنے مقدمات لڑے تھے۔ یہ مقدمہ ان تمام سے الگ نوعیت کا تھا۔ اس کیس میں مقتول ایک پولیس انسپکٹر تھا اور قاتل ایک عجیب و غریب نوجوان جس کی باتیں انصاری کی سمجھ سے باہر تھیں۔ عینی شاہدین میں بھی پولیس والوں کا نام تھا۔ بہر کیف اسے کسی طرح بھی کاشف کو باعزت بری کروانا تھا۔ مقتول اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو پھر اسے کافی آسانی ہوتی لیکن وہ ایک پولیس انسپکٹر تھا اور وہ بھی ہندو۔ مخالف وکیل تعصب سے کام لے کر اس کیس کو کوئی بھی رنگ آسانی سے دے سکتا تھا۔ وہ کہہ سکتا تھا کہ یہ قتل مذہبی فسادات کو پھیلانے کیلئے کیا گیا ہے۔

کاشف کو وہ کسی مسلم انتہا پسند تنظیم کا رکن بھی ثابت کر سکتا تھا۔ اچانک سوچتے سوچتے کسی خیال کے تحت اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ شاید اُسے اِس گھمبیر مسئلے کا کوئی حل سوجھ گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے اپنے سامنے پڑے ہوئے فون کا ریسور اُٹھایا اور تیزی سے سیٹھ طارق جمیل کے گھر کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

دوسری طرف سے خوش قسمتی سے فون کا ریسیور خود سیٹھ طارق جمیل نے اُٹھایا تھا۔

''ہیلو سر!'' انصاری نے ہیجان انگیز لہجے میں کہا۔ ''میں آپ کا خادم ایڈووکیٹ انصاری بات کر رہا ہوں۔''

''ہاں بولو انصاری کیا بات ہے؟ بہت خوش لگ رہے ہو۔''

''بس سر! میں بہت خوش ہوں۔ بس سمجھیے چھوٹے صاحب کا کیس دوسری پیشی پر حل ہو جائے گا۔''

''کیا کوئی خاص پوائنٹ ہاتھ لگ گیا ہے؟'' دوسری طرف سے سوالیہ انداز میں پوچھا گیا۔

''کچھ ایسی ہی بات ہے سر۔''

''تو بولیے نا! بھئی میں سُن رہا ہوں۔''

''سر! کوئی مشہور دماغی امراض کا ڈاکٹر آپ کا دوست ہے؟''

''بالکل ہے لیکن اِس کیس میں دماغی ڈاکٹر کی کیا ضرورت ہے؟ کہیں آپ کاشف کو نفسیاتی مریض ظاہر کرنا تو نہیں چاہتے۔''

''آپ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے سر۔ کسی بھی دماغی ڈاکٹر کی میڈیکل رپورٹ اس کیس میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ کاشف کا غیر مرئی مخلوق کے بارے میں بیان اور ڈاکٹر کی رپورٹ اِس کیس کا پانسا پلٹ سکتے ہیں۔''

''لیکن اِس طرح تو کاشف کو عدالت کسی مینٹل ہاسپٹل میں زیرِ علاج رکھ سکتی ہے اور مینٹل ہاسپٹل میں رہ کر وہ سچ مچ پاگل بھی ہو سکتا ہے۔ نہیں انصاری نہیں اِس مسئلے کا کوئی اور حل سوچو۔ کاشف میرا اکلوتا بیٹا ہے میں کسی قسم کا رسک لینا نہیں چاہتا۔'' اُس نے اپنے

خدشے کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

انصاری نے کہا۔ ''پلیز سر! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں میں کاشف کا دشمن نہیں ہوں۔ ہم ایسا صرف حفظ ماتقدم کے طور پر کریں گے ورنہ تو میں اپنی پیشہ ورانہ مہارت ہی استعمال کروں گا۔ ویسے بھی میڈیکل رپورٹ حاصل کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔ ہمارے ہاتھ مفت کا ایک پلس پوائنٹ لگ جائے گا۔ ہم اُسے آخری حربے کے طور پر بھی تو استعمال کر سکتے ہیں۔ بعد میں پچھتانے سے بہتر ہے ہم ابھی سے پورا بندوبست کر لیں۔''

''اگر ایسی بات ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ آپ بے فکر رہیں میں میڈیکل رپورٹ حاصل کرلوں گا۔'' وہ رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

''تھینک یو ویری مچ سر۔ باقی میں سنبھال لوں گا۔ آپ بس پہلی فرصت میں کسی مشہور ڈاکٹر سے رابطہ قائم کر کے رپورٹ حاصل کر لیں۔''

''او کے۔'' دوسری طرف سے مختصر سا جواب ملا۔

''خدا حافظ سر۔'' اتنا کہہ کر انصاری نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور دوبارہ مطالعے میں مصروف ہو گیا۔ انصاری کا ہمیشہ سے یہ معمول چلا آ رہا تھا کہ وہ رات کا اکثر حصہ اپنے اسٹڈی روم میں گزارتا تھا۔ اُس کے اسٹڈی روم میں نہ صرف قانون سے متعلق کتب تھیں بلکہ ادبی اور تفریحی کتب بھی کافی تعداد میں موجود تھیں کیونکہ مطالعہ نہ صرف اُس کے پروفیشن کا حصہ تھا بلکہ اُس کا شوق بھی تھا۔

وہ رات کو دیر گئے تک پڑھتا رہتا تھا اور چائے پینے کے ساتھ ساتھ سگریٹ بھی پھونکتا رہتا تھا۔ اُس کے بیوی بچوں کو اسٹڈی روم میں داخل ہونے کی بالکل اجازت نہیں تھی۔ اِس لیے وہ اسٹڈی روم میں کبھی جھانکتے بھی نہیں تھے۔ بچے تو انصاری سے اس قدر خوفزدہ رہتے تھے کہ اسٹڈی روم کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتے تھے۔ کئی دفعہ انصاری کے ہاتھوں وہ پٹ بھی چکے تھے۔

اُس وقت کوئی آدھی رات کا عمل تھا اور انصاری رائیڈر ہیگرڈ کا ایک پُراسرار اور ایڈونچر ناول تھامے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر پڑھ رہا تھا۔ ناول کا ہیرو رات کے وقت ایک

سنسان جنگل میں راستہ بھٹک کر چکراتا پھر رہا تھا۔ کبھی اُسے خوفناک اور خونخوار درندوں کی آوازیں سنائی دینے لگتی تھیں۔ تو کبھی رونے اور ہنسنے کی ملی جلی آوازیں اُس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ انصاری کے پورے وجود پر سنسنی کی سی کیفیت طاری تھی اور اُسے اپنے دل کی دھک دھک صاف سنائی دے رہی تھی۔ سردیوں کی یخ بستہ رات، خوفناک ناول اور تنہا کمرہ، انصاری کو اپنے بدن پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''انصاری..... رے انصا..... ری!'' معاً اُس کی سماعتوں سے ایک مدہم سی نسوانی آواز ٹکرائی اور لمحہ بھر کے لئے وہ سُن ہو کر رہ گیا۔ خوف کی شدت سے اُس کے لہو کی روانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ بدقت تمام اُس کے منہ سے لڑکھڑاتی ہوئی آواز نکلی۔

''کک..... کون..... ہے؟''

لیکن اُس کے سوال کا کوئی جواب نہ ملا۔ ''شاید میرا وہم تھا۔ میں خوامخواہ خوفزدہ ہو رہا ہوں۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

''یہ تمہارا وہم نہیں ہے بلکہ میں سچ مچ تمہیں دیکھ رہی ہوں۔ تمہاری پیشانی پر پسینے کی لکیریں بھی مجھے نظر آ رہی ہیں۔'' نسوانی آواز دوبارہ اُس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور انصاری پر کپکپی سی طاری ہو گئی، بے اختیار اُس کا ہاتھ پیشانی کی طرف اُٹھ گیا جہاں واقعی پسینے کی لکیریں رینگ رہی تھیں۔ خوف کی ایک تیز لہر اس کے پورے وجود میں سرایت کر گئی اور آنکھیں حلقوں سے باہر ابلنے لگیں۔ وال کلاک کی ٹک ٹک میں اسے اپنے دل کی دھڑکن مدغم ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ اس نے ہمت کر کے بولنے کی کوشش کی لیکن آواز اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ اس نے کرسی سے اٹھ کر بھاگنا چاہا تو ٹانگوں نے جواب دے دیا۔

اچانک کمرے میں ایک سرد ہوا کا جھونکا داخل ہوا اور اس کے سامنے ٹیبل پر پڑی ہوئی کتاب کے صفحات پھڑپھڑانے لگے۔ حالانکہ کمرے کی تمام کھڑکیاں اور دونوں دروازے بند تھے پھر بھی ہوا نہ جانے کیسے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

''میں تمہاری موت ہوں انصاری! تم مجھ سے بھاگ نہیں سکتے۔'' اب کی بار نسوانی آواز اسے چاروں طرف سے سنائی دے رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کتاب ٹیبل سے یک

لخت فضا میں اٹھی اور پھر انصاری کی نگاہوں کے سامنے فضا میں تیرنے لگی۔ انصاری کے مساموں سے خارج ہونے والا پسینہ چیونٹیوں کی طرح اس کے بدن پر رینگ رہا تھا۔ خوف اور دہشت کے مارے اس کی زبان گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

یکایک اسٹڈی روم کی لائٹیں خود بخود بجھنے جلنے لگیں۔ یہ منظر دیکھ کر وہ چیخنا چاہتا تھا لیکن انتہائی کوشش کے باوجود اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ عدالت میں چلا چلا کر بولنے والا انصاری آج کسی بت کی طرح ساکت حالت میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک اذیت ناک موت کا خوف اس پر پوری طرح حاوی ہو چکا تھا۔

لائٹ کا جلنا بجھنا اب بند ہو چکا تھا لیکن کتاب بدستور کمرے کی فضا میں تیر رہی تھی۔ زندگی جیسی انمول شے بچانے کی آخری امید ایک لمحے کیلئے اس کے خوف پر غالب آ گئی اور وہ بروقت تمام کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''م..... میرا..... قصور..... کک..... کیا ہے؟''

''موت سے قصور نہیں پوچھا کرتے انصاری لیکن تمہیں تمہارا قصور ضرور بتایا جائے گا۔'' نسوانی آواز بالکل انصاری کے قریب سے آ رہی تھی۔

''سنو انصاری تمہارا قصور یہ ہے کہ تم میرے اور کاشف کے درمیان حائل ہو رہے ہو۔ شاید تمہاری موت کا سن کر کاشف اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ دے۔''

''مم..... میں..... تم دونوں..... کے..... درمیان سے نکل جاؤں گا۔ پلیز مجھے معاف کر دو۔'' انصاری نے گھگھیاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''اب معافی تلافی کا وقت گزر چکا ہے۔'' نسوانی آواز نے بے تاثر لہجے میں کہا اور دوسرے ہی لمحے دو نادیدہ ہاتھ انصاری کے گلے پر جم گئے۔ انصاری نے اپنے جسم کی پوری طاقت صرف کر کے اپنے گلے سے نادیدہ ہاتھ ہٹانے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ ہاتھ کسی فولادی شکنجے کی طرح اُس کی گردن کے گرد کسے ہوئے تھے۔

انصاری مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ زندگی ریت کی طرح آہستہ آہستہ اُس کی مٹھی سے سرکتی جا رہی تھی۔ اُس کا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو چکا اور آنکھیں اذیت کی وجہ سے حلقوں سے باہر آ رہی تھیں۔

تھوڑی دیر ہاتھ پاؤں مارنے اور ناک اور منہ سے خرخراتی ہوئی سانسیں خارج کرنے کے بعد وہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈا ہو گیا۔ اب اسٹڈی روم میں ایک جان لیوا سکوت طاری تھا اور فرش پر انصاری کا بے جان جسم آڑی ترچھی حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اُس کی کھلی آنکھوں میں ایک خوف سا ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔ مرنے کے بعد بھی اُس کے چہرے پر اذیت کے تاثرات تھے۔ ایک ایسی اذیت جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔

====OOO====

دوسرا دن سیٹھ طارق جمیل اور کاشف کے لئے بہت صبر آزما تھا۔ ایڈووکیٹ انصاری کی پُراسرار موت نے اُن کے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا تھا۔ بروقت انہیں کوئی اچھا وکیل نہیں مل سکا تھا۔ تاہم کاشف کی طرف سے جو وکیل عدالت میں پیش ہوا تھا وہ اپنی پوری کوشش کے باوجود کاشف کی ضمانت منظور کروانے میں ناکام رہا تھا۔

کاشف کو دس دن کے ریمانڈ پر پولیس کے حوالے کر دیا گیا تھا اور آئندہ تاریخ پیشی بھی دس دن کے بعد کی ہی ملی تھی۔ جس لاک اپ سے کاشف باہر آیا تھا ایک بار پھر اُسی لاک اپ میں پہنچ چکا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ کھیل نندنی کھیل رہی ہے لیکن وہ اُس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ نندنی ایک مافوق الفطرت اور بے شمار غیر مرئی طاقتیں رکھنے والی آتش زادی تھی جبکہ وہ ایک عام انسان تھا گو کہ انسان مرتبے میں تمام مخلوقات سے ارفع ہے لیکن قوت اور وسائل میں آتشی مخلوق کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی کاشف نے ابھی تک حوصلہ نہیں ہارا تھا۔ وہ لاک اپ کے نیم یخ بستہ فرش پر بیٹھا نندنی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ترکیبیں سوچ رہا تھا لیکن اُسے کوئی راہِ فرار سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ نندنی کے مقابلے میں خود کو بے دست و پا محسوس کر رہا تھا۔ اُس آتش زادی نے اُسے بُری طرح سے گھیر لیا تھا۔ انسپکٹر رنجیت ورما کے بعد انصاری کا پُراسرار قتل بھی نندنی ہی کی کارستانی تھی۔ وہ سب جانتا تھا لیکن اُس کی بات پر یقین کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ انسپکٹر عابدی کو اُس نے صاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ انصاری کا قتل بھی نندنی نے ہی کیا ہے لیکن عابدی نے اُس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

سوچتے سوچتے وہ ایک دم جھنجھلا اُٹھا اور پھر ذرا اُونچی آواز میں بولا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تم نندنی کہیں موجود ہو اور میری حالت سے محظوظ ہو رہی ہو لیکن ایک بات میری بھی کان کھول کر سُن لو میں بھلے پھانسی کے پھندے پر جھول جاؤں مگر تم سے مدد کی درخواست نہیں کروں گا۔ میں تم سے نفرت کرتا ہوں نفرت سمجھیں تم۔''

''لیکن میں تم سے محبت کرتی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ تمہاری خاطر میں نے پجاری شمبھو ناتھ جیسی مہان ہستی کو بھی نہیں چھوڑا اور کل انصاری کو بھی اُس کے انجام تک پہنچا دیا ہے اگر تم نے اپنی ہٹ دھرمی نہ چھوڑی تو میں تجھے پھانسی کے تختے پر چڑھا کر دم لوں گی۔'' نندنی سچ مچ لاک اپ کے اندر موجود تھی اور اُسے وارننگ دیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''تم اپنے ہاتھوں سے مار کیوں نہیں دیتیں؟'' اُس نے زچ ہو کر سوال کیا۔

''میں ایسا کر سکتی ہوں لیکن کروں گی نہیں تاہم انصاری کے بعد تمہارے ماں باپ کی بھی باری آ سکتی ہے۔ میں تمہارے باپ کا بزنس تباہ کر کے اُسے پائی پائی کا محتاج بنا دوں گی۔ میری دشمنی تجھے بہت مہنگی پڑے گی اس لئے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرو۔''

کاشف اُسے ایک فحش گالی دیتے ہوئے بولا۔ ''تمہارا جو دل چاہے کرتی پھرو مگر میں تمہاری بات کسی صورت میں نہیں مانوں گا۔ یہی میرا پہلا اور آخری فیصلہ ہے۔''

''ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں۔ میری ضرورت پڑے تو مجھے بلا لینا کیونکہ اب پولیس والوں نے تمہارا بہت بُرا حشر کرنا ہے۔''

''میں تھوکتا ہوں تم پر۔'' اُس نے غصے سے جواب دیا لیکن نندنی شاید جا چکی تھی کیونکہ اُسے اُس کی بات کا کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر اشوک ملہوترا کے سامنے اُسے پیش کر دیا گیا تھا۔ اشوک ملہوترا لمحہ بھر کے لئے تو اُسے کینہ توز نظروں سے گھورتا رہا پھر ذرا بارعب لہجے میں بولا۔ ''دیکھو مسٹر کاشف، یہ تھانہ ہے یہاں بڑے بڑے نامی گرامی غنڈے طوطے کی طرح بولنا شروع کر دیتے ہیں۔ تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ پوری کہانی مجھے سچ سچ سنا دو۔ ورنہ واپس لاک

آپ میں خود چل کر جانے کی بجائے سپاہیوں کے کندھوں پر جاؤ گے۔ میں تمہاری ایک ایک ہڈی توڑ کر رکھ دوں گا۔"

"ملہوترا صاحب! آج میں آپ کو بہت پہلے بتا چکا ہوں کہ میرا انسپکٹر رنجیت ورما کے قتل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُسے میں نے نہیں مارا تھا۔ آپ آخر میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتے؟"

اشوک ملہوترا نے کہا۔"میں جانتا ہوں تمہارے پاس کچھ نادیدہ شکتیاں ہیں جن سے تم کام لیتے ہو۔ جب تک مجھے بتاؤ گے نہیں یہاں سے چھوٹ کر نہیں جا سکو گے۔ چلو اب بتا دو میرا وقت بہت قیمتی ہے۔"

"میرے پاس ایسا کوئی علم ہوتا تو کیا میں یہاں سے فرار نہیں ہو سکتا تھا؟ آپ آخر عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ ہاتھ دھو کر ایک ہی بات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔" اُس نے جھنجلا کر جواب دیا اور انسپکٹر اشوک ملہوترا طیش میں آ کر کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اسے فوراً ڈرائنگ روم میں لے جاؤ۔" وہ سپاہیوں سے چلا کر بولا۔"میں ابھی وہاں پہنچتا ہوں۔ پھر اسے معلوم ہوگا کہ انسپکٹر اشوک ملہوترا کس بلا کا نام ہے۔" انسپکٹر اشوک ملہوترا از راہِ تفنن تفتیشی کمرے کو ہمیشہ ڈرائنگ روم کہا کرتا تھا۔

اشوک ملہوترا کا حکم سن کر دونوں سپاہی آگے بڑھے اور کاشف کو بازوؤں سے پکڑ کر تفتیشی کمرے کی طرف چل دیے۔ کاشف دل ہی دل میں بہت خوفزدہ ہو رہا تھا۔ وہ ایک امیر زادہ تھا۔ زندگی میں وہ کبھی بھی ایسے حالات سے نہیں گزرا تھا۔ بچپن سے لے کر آج تک کسی نے اُسے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا مگر آج نہ جانے اُس کے ساتھ کیا ہونے والا تھا۔ خوف کے ساتھ ساتھ اُسے انسپکٹر اشوک ملہوترا پر بے پناہ غصہ بھی آ رہا تھا جو اُس کی سچ بیانی پر کسی طرح یقین ہی نہیں کر رہا تھا۔

ایک طرح سے اشوک ملہوترا قانون کی بجائے قانون شکن طاقتوں کا آلہ کار نظر آ رہا تھا کیونکہ نادانستہ ہی سہی وہ نندنی کی مدد کر رہا تھا اور نندنی نہ صرف یہ کہ قانون کی مجرم تھی بلکہ کاشف کے ساتھ بھی کھل کر دشمنی کر رہی تھی۔ قانون اگر کاشف پر اعتماد کر کے تفتیش کو صحیح رخ

پر ڈالنے کی کوشش کرتا تو یقیناً کاشف کی جان چھوٹ جاتی۔ آج اُسے شدت کے ساتھ یہ احساس ہو رہا تھا کہ بے شمار وسائل رکھنے کے باوجود وہ کتنا مجبور و بے بس ہے۔ اس کے ساتھ اُسے یہ بھی یقین ہو چکا تھا کہ اکثر مجرم خود قانون کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اُنہیں جب اُن کا جائز حق نہیں ملتا تو انتقاماً وہ جرم کے راستے پر چل نکلتے ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا اور سوچ سوچ کر کڑھ رہا تھا کیونکہ اُس کے ساتھ بھی یہی کچھ عن قریب پیش آنے والا تھا۔

تفتیشی کمرے میں پہنچتے ہی کاشف کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کمرے کی دیواروں پر مختلف قسم کے اذیت رساں آلات آویزاں تھے۔ جنہیں دوران تفتیش پولیس والے عادی مجرموں پر استعمال کرتے تھے۔ کاشف کو ایک مخصوص قسم کے کاؤچ پر لٹا دیا گیا اور اُس کے ہاتھ پاؤں چمڑے کے مضبوط بیلٹوں کے ساتھ کس دیے گئے۔ اس پوزیشن میں وہ ہلنے سے بھی قاصر تھا۔ کاؤچ کے عین اوپر چھت کے ساتھ ایک پاور فل برقی بلب لٹک رہا تھا جس کی تیز روشنی براہ راست کاشف کی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔

انسپکٹر اشوک ملہوترا ایک شان بے نیازی کے ساتھ تفتیشی کمرے میں داخل ہوا اور کاشف کی طرف استہزائیہ انداز میں دیکھنے کے بعد تمسخرانہ انداز میں بولا۔"بہتر یہی ہے کہ میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی تم سب کچھ مجھے بتا دو، اس طرح تم ٹوٹنے پھوٹنے سے بچ جاؤ گے بصورت دیگر میں تمہارا وہ حشر کروں گا کہ عمر بھر یاد رکھو گے۔ میں تمہارے جسم کا ایک ایک ریشہ الگ کر دوں گا۔"

کاشف نے منت بھرے لہجے میں کہا۔"انسپکٹر صاحب! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بے گناہ ہوں۔"

انسپکٹر اشوک ملہوترا اُسے ایک فحش گالی دیتے ہوئے بولا۔"میں تم مسلوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم لوگ حالات کو دیکھ کر گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیتے ہو۔" اتنا کہہ کر اشوک ملہوترا نے اُس کے پیروں کے تلوؤں پر بید کی چھڑی برسانا شروع کر دی۔ ناقابلِ برداشت اذیت کی وجہ سے کاشف کے منہ سے لگاتار چیخیں نکل رہی تھیں مگر اشوک ملہوترا کو اُس پر ذرا بھی رحم نہیں آیا۔ کاشف کے تلوے سرخ ہو چکے تھے اور اُن پر چھڑی کے نشان

صاف نظر آ رہے تھے۔

''ہاں اب بولو تم نے انسپکٹر رنجیت ورما کو کس طرح قتل کیا تھا؟'' ایک لمحے کے لئے انسپکٹر اشوک ملہوترا نے ہاتھ روکتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' کاشف نے بدقت تمام جواب دیا۔ اُس کے پورے وجود میں درد کی شدید لہریں اُٹھ رہی تھیں لیکن وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھا۔

اشوک ملہوترا نے کہا۔ ''ٹھیک ہے مت بتاؤ اب میں تمہارے پیروں کے ناخن اکھاڑنے لگا ہوں۔ تب تمہیں پتا چلے گا کہ درد کیا ہوتا ہے۔'' اتنا کہہ کر اُس نے ایک سپاہی کو اشارہ کیا اور سپاہی نے آگے بڑھ کر دیوار سے ایک پلاس نما آلہ اُتار کر اشوک ملہوترا کے حوالے کر دیا۔ اشوک ملہوترا نے وہ پلاس نما آلہ کاشف کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ ''ابھی میں تمہارے پاؤں کی چھوٹی انگلی کا ناخن اتارنے لگا ہوں۔ اب بھی تمہارے پاس وقت ہے کہ مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دو ورنہ ایک کے بعد ایک ناخن اکھڑتا جائے گا۔''

کاشف نے جھنجھلا کر اشوک ملہوترا کو ایک ناقابلِ اشاعت گالی دیتے ہوئے کہا۔ ''میں تمہیں پہلی اور آخری بار وارننگ دے رہا ہوں کہ مجھ سے دور ہو کر کھڑے رہو ورنہ نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ تمہارے جیسے نالائق اور احمق پولیس والے ہی ایک عام اور شریف آدمی کو اپرادھی بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔''

''تیری تو میں...'' اشوک ملہوترا جواباً اُسے گالی دیتے ہوئے آگے بڑھا اور عین اُسی وقت کاشف نے با آواز بلند نندنی کو پکارا۔ پھر اس سے پہلے کہ اشوک ملہوترا اُس کے پاؤں کو ہاتھ لگاتا۔ ایک نادیدہ ہستی کا تھپڑ اُس کے چہرے پر پڑا اور وہ لٹو کی طرح گھومتا ہوا کمرے کی دیوار سے جا ٹکرایا۔

کاشف نے چلا کر کہا۔ ''نندنی! اسے جان سے مت مارنا باقی جو دِل چاہے اِس کے ساتھ سلوک کرو۔''

انسپکٹر اشوک ملہوترا نندنی کا زوردار تھپڑ کھا کر ابھی سنبھلا بھی نہیں تھا کہ ایک نادیدہ ہاتھ نے اُسے سر کے بالوں سے پکڑ کر اُوپر اُٹھا لیا۔ اُس کے پیر کمرے کا فرش چھوڑ کر فضا میں

سائیکل چلا رہے تھے اور آنکھیں حیرت کی شدت سے پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔ اُس کا یہ حال دیکھ کر دونوں سپاہی چلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

''کک... کون... ہے؟'' اشوک ملہوترا کے منہ سے گھگھیاتی ہوئی آواز نکلی۔ کمرے کی فضا میں لٹکا ہوا وہ عجیب مضحکہ خیز انداز میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ نادیدہ ہاتھ بے پناہ طاقتور تھا۔ اشوک ملہوترا تیزی سے کمرے کی فضا میں تیر رہا تھا۔ خوف، دہشت اور اذیت کی شدت سے اُس کے چہرے کے نقوش بگڑ چکے تھے لیکن اس حالت میں بھی اُس نے اپنے ہوش ٹھکانے رکھے ہوئے تھے۔ معاً اُس نے ہولسٹر کی طرح ہاتھ بڑھا کر سروس ریوالور نکالنے کی کوشش کی مگر یہ جرات اُسے مہنگی پڑی تھی۔ نادیدہ ہاتھ نے اُسے پوری قوت کے ساتھ دوبارہ دیوار پر دے مارا تھا۔ دیوار سے ٹکرانے کے بعد وہ مردہ چھپکلی کی طرح ''دھپ'' کی آواز سے نیچے گرا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ساکت ہو گیا۔ شاید وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

اسی اثناء میں باہر شور وغل اور دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز ابھری اور نندنی غائب حالت میں ہی تیزی سے کاؤچ کی طرف بڑھ گئی۔ کاشف کے جسم کے گرد کسے ہوئے بیلٹ کھولنے کی بجائے اُس نے ایک جھٹکے سے توڑ ڈالے تھے۔ کاشف کاؤچ سے اچھل کر نیچے اُترا مگر پھر منہ سے ''اوہ'' کی آواز نکال کر فرش پر بیٹھ گیا۔ غالباً بید کی چھڑی نے اُس کے پیروں کے تلوے بُری طرح زخمی کر دیئے تھے۔ اب کوشش کے باوجود وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

اچانک کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور انسپکٹر عابدی ہاتھ میں ریوالور پکڑے اندر داخل ہوا۔ اُس کے پیچھے چار سپاہی بھی ہاتھوں میں رائفلیں تھامے اندر آ چکے تھے۔

''خبردار۔'' کاشف پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر عابدی بارعب لہجے میں بولا۔ ''ہلنے کی کوشش مت کرنا ورنہ بھون کر رکھ دوں گا۔ ہاتھ اُوپر...''

انسپکٹر عابدی کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ریوالور حیرت انگیز طریقے سے اُس کے ہاتھ سے نکل کر کمرے کی فضا میں تیرنے لگا۔ اتنا تو عابدی کو معلوم تھا کہ ریوالور اُس کے

ہاتھ سے چھینا گیا ہے مگر ریوالور چھیننے والی ہستی اُس کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔

انسپکٹر عابدی ابھی کسی اقدام کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ یکا یک کمرہ شیر کی خوفناک دھاڑ سے گونج اُٹھا۔ دوسرے ہی لمحے اُن کے سامنے کمرے کے فرش پر ایک خوفناک اور قوی ہیکل شیر کھڑا انہیں کینہ توز نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

چاروں سپاہی شیر کو دیکھ کر اُلٹے قدموں گرتے پڑتے واپس دوڑے اور عابدی سکتے کی سی کیفیت میں مبتلا کبھی شیر کو تو کبھی کاشف کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کا سروس ریوالور اب کاشف کے ہاتھ میں موجود تھا۔

''جی تو چاہتا ہے کہ اِس کی ساری گولیاں تیرے سینے میں اتار دوں لیکن سجاد کی دوستی میرے آڑے آ رہی ہے۔'' کاشف نے ریوالور اُس کی طرف تانتے ہوئے غضب ناک لہجے میں کہا۔

اتنا کہہ کر کاشف شیر کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''چلو یہاں سے نکل چلتے ہیں بے وجہ ان لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگنا اچھی بات نہیں ہے۔''

کاشف کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ شیر سمیت وہ عابدی کی نگاہوں سے چشم زدن میں اوجھل ہوگیا اور عابدی سکتے کی سی کیفیت میں اپنی جگہ پر کھڑا رہ گیا۔ یہ محیر العقل واقعہ اُس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں اُس کا واسطہ کبھی بھی اس قسم کی چوئشن سے نہیں پڑا تھا۔

چند لمحے ہکا بکا کھڑا رہنے کے بعد وہ فرش پر آڑی ترچھی حالت میں پڑے ہوئے اشوک ملہوترا کی طرف بڑھ گیا جو بری طرح گھائل نظر آ رہا تھا۔

====OOO====

کاشف اور نندنی شہر سے دور اُسی سالخوردہ مندر میں موجود تھے جہاں کبھی پجاری شمبھو ناتھ کی حکمرانی ہوا کرتی تھی لیکن اب اُس مندر میں صرف نندنی کا حکم چلتا تھا۔ نندنی کاشف کے سامنے ایک خوبصورت اور نوجوان دوشیزہ کے روپ میں موجود تھی۔

کاشف ایک آرام دہ بستر پر پڑا آرام کر رہا تھا۔ اس کے دونوں پیروں پر سفید رنگ کی

پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ غالباً نندنی نے اس کے تلوؤں پر کوئی خاص قسم کی دوائی لگا کر پٹیاں باندھ دی تھیں۔ نندنی اس کے بستر کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھی محویت کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اپنے چہرے پر نندنی کی نگاہوں کی تپش محسوس کر کے کاشف نے کہا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا پہلے کبھی مجھے نہیں دیکھا؟''

نندنی پُرمسرت لہجے میں بولی۔ ''تو اندازہ بھی نہیں لگا سکتا کہ میں تمہیں کس قدر چاہتی ہوں اور کس کس طرح تمہاری قربت کیلئے تڑپتی رہتی ہوں۔ میں ہمیشہ تم سے صبیحہ بن کر ملتی رہی ہوں لیکن آج کے بعد اپنی مرضی کا روپ دھار کر تم سے ملا کروں گی تاکہ ہر رات تم ایک نئی دوشیزہ کی قربت کا لطف اٹھا سکو۔''

کاشف بولا۔ ''تم ایک آتش زادی ہو، میں تمہاری قربت کا عادی ہونا نہیں چاہتا۔ تم کبھی بھی مجھے چھوڑ کر اپنی دنیا میں واپس جا سکتی ہو۔ اس کے بعد میرے ساتھ جو سلوک قانون کرے گا اس کے متعلق میں سوچ کر تھرا اٹھتا ہوں۔ تم نے مجھے ایک مفرور مجرم بنا دیا ہے۔ ایک ایسا مجرم جو آخر کار پھانسی کے پھندے پر جھول جائے گا۔''

''جب تک میں زندہ ہوں کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ میں تمہارے دشمنوں کو چن چن کر ختم کر دوں گی لیکن شرط وہی ہے کہ تم مجھے چھوڑ کر جانے کی ضد کبھی نہیں کرو گے۔ میں بھی تمہیں وچن دیتی ہوں کہ جیتے جی تمہارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گی۔''

کاشف نے کہا۔ ''میرا ایک گھر ہے، والدین ہیں میں کیسے تمہارے ساتھ پوری زندگی رہ سکتا ہوں۔ کبھی نہ کسی دن تو مجھے واپس جانا ہی ہوگا۔''

''میں تمہیں کہیں بھی جانے سے نہیں روکوں گی۔ تم اپنے گھر بھی جا سکو گے، دوستوں سے بھی مل سکو گے تاہم مجھ سے دوستی توڑنے کی کوشش نہیں کرو گے ورنہ دوسری بار میں تمہیں بچانے کیلئے کبھی بھی نہیں آؤں گی۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گی۔ جس لڑکی کی طرف اشارہ کرو گے تمہارے قدموں میں لا ڈالوں گی۔''

''اگر یہ بات ہے تو سب سے پہلے میں صبیحہ ہی سے ملنا چاہوں گا۔ اس کی وجہ سے میں اس حال تک پہنچا ہوں اس لئے سب سے پہلے ملاقات بھی اسی سے کرنا چاہوں گا۔ میں

اسے اپنے سامنے روتے گڑگڑاتے ہوئے رحم کی بھیک مانگتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

صبیحہ کا نام لیتے ہی کاشف کی آنکھوں سے ہوس جھانکنے لگی تھی اور اس کے رگ و پے میں سرور کی لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

''صبیحہ کو یہاں لانا میرے لئے کچھ بھی مشکل نہیں ہے لیکن میں چاہتی ہوں کہ پہلے تم ٹھیک ہو جاؤ کیونکہ ابھی تو تم اپنے قدموں پر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔'' نندنی اسے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

اس دوران کمرے میں ایک حسین و جمیل لڑکی داخل ہوئی اور نندنی کے سامنے ادب سے سر جھکاتے ہوئے بولی۔ ''شری نارائن چند آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

نارائن چند کا نام سنتے ہی نندنی ایک دم بھڑک کر بولی۔

''وہ بھی شاید اپنے باپ کی طرح کتے کی موت مرنا چاہتا ہے۔ اسے میری بات پر کسی طرح یقین ہی نہیں آتا بٹھاؤ میں ابھی آتی ہوں۔''

لڑکی الٹے قدموں کمرے سے باہر نکل گئی اور کاشف نندنی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ نارائن چند کون ہے اور تم سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟''

''بیچاری شمبھوناتھ کا بیٹا ہے اور اپنے گم شدہ باپ کو ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ احمق کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ اس کا باپ کب کا جہنم رسید ہو چکا ہے۔ یہ بھی کسی روز میرے ہاتھوں اپنے باپ کے پاس پہنچ جائے گا۔''

''اسی لئے تو میں تم سے ڈرتا ہوں۔'' کاشف بولا۔ ''ہو سکتا ہے کسی دن میں بھی تمہارے عتاب کی نذر ہو جاؤں۔ ویسے بھی تمہارے بے شمار دشمن ہیں۔ قانون تمہاری وجہ سے ہم دونوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اب یہ نارائن چند بھی کہیں سے نکل آیا ہے اور بھی نجانے تمہارے کتنے دشمن ہوں گے؟''

''میں اپنے دشمنوں سے نمٹنا جانتی ہوں تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے فی الحال تم اپنی صحت کے متعلق سوچو۔ جونہی تم ٹھیک ہو جاؤ گے میں صبیحہ کو تمہاری آغوش میں لا پھینکوں گی۔ اب میں چلتی ہوں ذرا اس نارائن چند کو بھی دیکھ لوں۔'' نندنی

کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کمرے میں داخل ہو رہی تھی جہاں نارائن چند کو بٹھایا گیا تھا۔ اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر نارائن چند استقبالیہ انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''نمستے دیوی جی۔'' اس نے سلام کے انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

''تشریف رکھئے۔'' نندنی سر کی ہلکی سی جنبش سے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے بولی۔

نارائن چند شکریہ کہہ کر دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''بولیے میں آپ کی کیا سیوا کر سکتی ہوں؟''

''دیوی جی! میں پتا جی کو تلاش کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ آپ اس سلسلے میں میری مدد کیوں نہیں کرتیں۔ پتا جی نے برسوں اس مندر کی سیوا کی ہے کیا ان کی تلاش کیلئے آپ تھوڑا سا وقت بھی نہیں نکال سکتیں؟ آپ اگر مجھ پر مہربانی فرمائیں تو میں ساری زندگی آپ کا ممنون رہوں گا۔''

''تم کیا سمجھتے ہو کہ میں نے اسے تلاش نہیں کیا ہو گا۔ وہ میرے گرو تھے ان سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ وہ مہان شکتیوں کے مالک ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ اپنی مرضی سے کہیں روپوش ہو گئے ہوں۔ اکثر وہ ایسے جاپ کرتے رہتے ہیں۔'' نندنی نے ایک نئی راہ پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن مجھے ایسا کیوں لگتا ہے جیسے وہ اب دنیا میں رہے ہی نہ ہوں۔ اکثر میرے کانوں میں اسی قسم کی سرگوشیاں گونجتی رہتی ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پتا جی کی آتما مجھے پکار رہی ہو۔'' نارائن چند اپنے محسوسات کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

''یہ تمہارا وہم بھی ہو سکتا ہے۔'' نندنی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''تم اکثر اپنے پتا جی کے متعلق سوچتے رہتے ہو اس لئے تمہیں ایسا محسوس ہوتا ہے ورنہ حقیقت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔''

''بہرکیف حقیقت کچھ بھی ہو مجھے یہی لگتا ہے جیسے پتا جی کے ساتھ کوئی انہونی ہو چکی

ہو۔ کاش میرے پاس ایسا کوئی علم ہوتا جس کے ذریعے میں معاملے کی تہہ تک پہنچ سکتا۔''
اس نے کفِ افسوس ملتے ہوئے جواب دیا۔

''کسی حد تک تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ پُراسرار علوم کی دنیا میں جہاں ایک گیانی کے ہزاروں دوست ہوتے ہیں وہاں دشمن بھی بے شمار ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی نے بے خبری میں تمہارے پتاجی کو نقصان پہنچادیا ہو۔''

''محض اندازے قائم کرنے سے کچھ بھی نہیں ہوگا دیوی جی۔'' وہ زچ ہو کر بولا۔'' آپ کھل کر میری مدد کریں۔ میں ہاتھ جوڑ کر آپ سے بنتی کرتا ہوں کہ بھگوان کیلئے میرا ساتھ دیں' میری سہائتا کریں میں ''

''ٹھیک ہے۔'' نندنی نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔'' ابھی تم جاؤ' پہلے میں خود تمہارے پتاجی کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اگر میں اس کوشش میں ناکام ہوگئی تو پھر ہم دونوں انہیں مل کر تلاش کریں گے۔''

''تو پھر میں کب دوبارہ آؤں؟'' اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''تمہیں اب تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ہی تم سے ملوں گی۔ بھگوان نے چاہا تو تمہاری ساری پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔'' نندنی نے ذومعنی انداز میں جواب دیا اور وہ مطمئن انداز میں رخصت ہوگیا۔

====OOO====

پولیس کی حراست سے کاشف کا فرار انسپکٹر عابدی اور اشوک ملہوترہ کیلئے ایک مصیبت بن گیا تھا۔ محکمے کے اعلیٰ آفیسرز نے ان دونوں کو خوب کھری کھری سنائی تھیں۔ اے سی پی صاحب تو ان دونوں کو معطل کرنے لگے تھے مگر پھر انسپکٹر عابدی کی منت سماجت نے کام کر دکھایا تھا تاہم اے سی پی صاحب نے انہیں صرف پندرہ دنوں کی مہلت دی تھی۔ اگر وہ ان پندرہ دنوں کے دوران کاشف کو گرفتار کرنے میں ناکام رہتے تو پھر اے سی پی صاحب نے انہیں بلاتردد معطل کردینا تھا۔

انسپکٹر عابدی کے ساتھ ساتھ اشوک ملہوترا بھی بے حد پریشان تھا۔ وہ دونوں کاشف کو گرفتار کرنے کیلئے جگہ جگہ چھاپے مارتے پھر رہے تھے لیکن ہر جگہ انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اتنے بڑے شہر میں ایک شخص کو ڈھونڈنا ویسے بھی کارِ دارد تھا۔ انسپکٹر اشوک ملہوترا تو یوں بھی ہندو ہونے کی وجہ سے بہت توہم پرست تھا اور دوسرا حالیہ واقعے نے تو اسے بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا۔ کاشف کا نام سنتے ہی اس کے جسم پر کپکپی طاری ہونے لگتی تھی تاہم انسپکٹر عابدی ایک جی دار شخص اور سچا مسلمان تھا۔ اس کی نگاہوں میں کاشف صرف ایک ساحر تھا ایک ایسا ساحر جس کے پاس چند نادیدہ قوتیں تھیں۔ اسے یہ بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قوتیں آتشی مخلوق کے متعلق ہیں۔

اس سلسلے میں اس کا بھائی سجاد ہی اس کی مدد کرسکتا تھا جسے روحانی علوم پر خاصی دسترس حاصل تھی اور علاوہ ازیں اسے کاشف کا دوست ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ موقع کی مناسبت دیکھتے ہی عابدی نے اسے ایک دن گھیر لیا۔

''سنو سجاد!'' عابدی نے بلاتمہید کہنا شروع کیا۔''تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آج کل میں کن مشکلات کا شکار ہوں' ملازمت کے ساتھ ساتھ میری عزت اور وقار بھی داؤ پر لگا ہوا ہے اور یہ سب کچھ تمہارے دوست کاشف کا کیا دھرا ہے۔ تم مانو یا نہ مانو لیکن اس کے پاس ضرور کوئی ماورائی طاقت ہے جس کے بل بوتے پر وہ جرائم کرتا پھر رہا ہے۔ تمہیں اس سلسلے میں میری مدد کرنا ہوگی۔''

سجاد نے کہا۔'' بھائی جان! میں آپ کی بات کو جھٹلانے کی جرات نہیں کرسکتا تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ کاشف بذاتِ خود ماورائی طاقتوں کا منکر تھا اور اکثر وہ میرے ساتھ بھی انہی باتوں پر لڑ جایا کرتا تھا۔ میرے لاکھ اصرار کے باوجود وہ ایسی باتوں کو محض من گھڑت افسانے کہا کرتا تھا۔''

''مگر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔'' عابدی پُرزور لہجے میں بولا۔'' کاشف کے پاس ماورائی طاقتیں ہیں جو اس کی غلام ہیں۔''

اتنا کہہ کر اس نے سجاد کے استفسار پر اسے حوالات میں پیش آنے والے تمام واقعات

بلاتر دو سنا ڈالے۔ عابدی کی زبانی پورا واقعہ سننے کے بعد سجاد نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ کاشف کسی جن یا جن زادی کا غلام بن چکا ہے ورنہ حوالات میں شیر کہاں سے آ سکتا ہے؟ افسوس کہ اس کی بے راہ روی نے آج اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ اس کا ایمان بھی خطرے میں پڑ چکا ہے۔ بہرکیف میں آپ کے ساتھ ہوں آپ حکم کریں مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

عابدی نے کہا۔ ''تمہیں قانون کی مدد کرنے کیلئے کاشف کے مقابلے پر آنا پڑے گا۔ اس کے پاس اگر شیطانی طاقتیں ہیں تو تمہارے پاس روحانی قوتیں ہیں۔''

''میں اس کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہوں۔'' سجاد نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''لیکن سب سے اہم مسئلہ اسے تلاش کرنا ہے۔ وہ آسانی کے ساتھ سامنے نہیں آئے گا۔''

''یہ سب کچھ بھی تمہیں ہی کرنا پڑے گا۔ وہ اگر کوئی عام شخص نہیں ہے۔ وہ تمہارا دوست رہا ہے یقیناً اس کے متعلق تمہیں بہت کچھ معلوم ہوگا۔ اس کی کوئی ایسی کمزوری جس پر ہم نگاہ رکھ کر اسے ڈھونڈنے کی کوشش کر سکیں۔ روپ بدل کر ہی سہی لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ گھومتا پھرتا ضرور ہوگا۔''

عابدی کی بات سن کر یکایک سجاد کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ پُرجوش انداز میں بولا۔ ''بھائی جان! کاشف کی سب سے بڑی کمزوری خوبصورت لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ کرنا ہے اور وہ.....''

عابدی نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا۔ ''احمقانہ باتیں مت کرو اب ہم ہر خوبصورت لڑکی پر پولیس کا پہرہ تو نہیں بٹھا سکتے' کچھ اور سوچو۔''

''بھائی جان! پہلے میری پوری بات تو سن لیں۔ میں ایک ایسی لڑکی کو جانتا ہوں جسے پانے کیلئے کاشف ہر حد سے گزر سکتا ہے۔ اس لڑکی کا نام صبیحہ ہے اور وہ ایک غریب ریڑھی والے کی بیٹی ہے۔ ہم اس لڑکی پر نظر رکھ کر کاشف کا سراغ پا سکتے ہیں۔''

''بالکل بالکل مجھے بھی اب یاد آ گیا ہے۔'' انسپکٹر عابدی کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے کے تحت چمکنے لگی تھیں۔ ''کاشف کا کسی دانیال نامی نوجوان سے جھگڑا ہوا تھا اور غالباً

جھگڑے کی وجہ ایک لڑکی ہی تھی اور شاید اس کا نام بھی صبیحہ ہی تھا۔ بعد میں کاشف کے باپ سیٹھ طارق جمیل نے دانیال نامی نوجوان کی ضمانت دے کر اسے رہا کروا لیا تھا۔''

سجاد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسی اثناء میں عابدی کا موبائل فون بج اٹھا۔ ''ہیلو انسپکٹر عابدی بول رہا ہوں۔'' موبائل کان سے لگاتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''سر! میں ہیڈ کانسٹیبل شنکر پانڈے بات کر رہا ہوں۔''

''ہاں بولو پانڈے کیا بات ہے؟ خیر تو ہے تمہاری آواز سے پریشانی جھلک رہی ہے۔ کہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گیا؟''

''مسئلہ تو بہت بڑا ہو گیا ہے سر۔'' پانڈے نے سنجیدگی سے کہا۔ ''نارائن چند نامی ایک نوجوان قتل ہو گیا ہے۔ تھانے میں لوگوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔ مقتول ایک مشہور پجاری کا بیٹا تھا۔ آپ فوراً تھانے پہنچ جائیں ورنہ حالات ہمارے قابو سے باہر ہو جائیں گے۔''

''اوکے میں پہنچ رہا ہوں۔ ملہوترا صاحب کہاں گئے ہیں۔ انہیں کہیں کہ حالات کو کنٹرول کریں۔'' انسپکٹر عابدی نے پانڈے کو ہدایات دیتے ہوئے جواب دیا۔

''سر! ملہوترا صاحب تو ابھی تک نہیں پہنچے بہرکیف میں خود ہی حالات کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہوں بس آپ جلدی سے تھانے پہنچ جائیں۔''

''ٹھیک ہے میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔'' اتنا کہہ کر عابدی نے موبائل فون آف کر دیا اور سجاد سے بولا۔ ''فی الحال میں تھانے جا رہا ہوں ایک مرڈر ہو گیا ہے۔ کاشف والے معاملے پر بعد میں بات کریں گے۔ ویسے تم خود کو تیار رکھنا مجھے کسی وقت بھی تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''مجھے آپ ہر وقت تیار پائیں گے بھائی جان۔'' سجاد نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''اگر آپ کہیں تو میں آج سے ہی صبیحہ پر نظر رکھنا شروع کر دیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کاشف صبیحہ سے ملنے کی کوشش کرے۔ اس طرح وہ جلد ہی میری نظروں میں آ جائے گا۔''

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' عابدی اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ ''تم آج سے اپنا کام شروع کر دو۔ اگر کاشف نظر آ جائے تو اسے چھیڑنے کی کوشش مت کرنا پہلے موبائل

فون پر مجھے اطلاع دینا۔ بغیر میری ہدایات کے کوئی بھی قدم نہ اُٹھانا۔ ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔''

''میں کوئی بچہ نہیں ہوں بھائی جان! آپ بے فکر ہو کر تھانے جائیں۔ میں بھی بس تھوڑی دیر کے بعد کاشف کی تلاش میں نکل جاؤں گا۔''

''اچھا پھر میں چلتا ہوں۔'' عابدی اُٹھتے ہوئے بولا۔ ''نہ جانے تھانے میں کیا حال ہوگا؟ قتل پر قتل ہوتے جا رہے ہیں لیکن قاتل کا سراغ کہیں سے بھی نہیں مل رہا ہے۔ اب تو نوکری بھی خطرے میں پڑتی نظر آ رہی ہے۔''

''بھائی جان! اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں وہ اکثر اپنے پیاروں کو آزمائش میں ڈالتا رہتا ہے اس لئے حوصلہ نہ ہاریں انشاءاللہ ایک دن جیت ہماری ہوگی۔'' سجاد نے عابدی کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

گھر سے نکلنے کے بعد عابدی جب تھانے میں پہنچا تو تھانے کے احاطے میں تقریباً چالیس پچاس آدمی موجود تھے جنہوں نے ہیڈ کانسٹیبل شنکر پانڈے کو گھیر رکھا تھا اور اس پر آوازیں کس رہے تھے۔ بے چارہ پانڈے انتہائی بے بسی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ لوگوں نے سوال کر کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ ہر شخص اپنی اپنی ہانک رہا تھا۔ کوئی کہہ رہا تھا پولیس قاتلوں کے ساتھ ملی ہوئی ہے اسی لئے ابھی تک جائے وقوعہ پر نہیں پہنچی۔ کوئی کہہ رہا تھا یہ قتل مذہبی فسادات پھیلانے کی ایک سازش ہے تا کہ سرکاری مشینری کو جام کیا جا سکے۔

''یہ کیا تماشا لگا رکھا ہے تم لوگوں نے؟'' تھانے میں داخل ہوتے ہی عابدی بارعب آواز میں بولا۔ ''یہ تھانہ ہے کوئی پکنک پوائنٹ نہیں ہے۔ چلو باہر نکلو یہاں سے۔''

''نہیں نکلتے پولیس ہمارا کیا بگاڑ لے گی؟'' ایک جوشیلے نوجوان نے چند قدم آگے بڑھ کر چھاتی تانتے ہوئے جواب دیا۔

عابدی نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ''برخوردار! پولیس بہت کچھ کر سکتی ہے۔ قتل کا یہ مقدمہ تمہارے خلاف بھی درج کیا جا سکتا ہے۔ تھانے میں آ کر سرکاری کام میں رکاوٹ

ڈالنے کے الزام میں تم سب کو گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ اگر تم لوگ پانچ منٹ کے اندر اندر تھانے کے احاطے سے باہر نہ نکلے تو میں اے سی پی صاحب سے تم سب کی گرفتاری کی پرمیشن حاصل کر لوں گا۔''

انسپکٹر عابدی کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی اور لوگ ایک ایک کر کے تھانے سے باہر نکل گئے۔ چند لمحوں کے بعد وہ جوشیلا نوجوان عابدی کے سامنے اکیلا کھڑا بغلیں جھانک رہا تھا۔ اُس کے حمایتی اُسے تنہا چھوڑ کر پسپائی اختیار کر چکے تھے۔ ''ہاں اب بولو برخوردار! کیا ارادے ہیں؟'' عابدی نے اُسے طنزیہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تھانے سے باہر جاتے ہو یا پھر میں کروں قانونی کارروائی۔ میں ایک پولیس انسپکٹر پر ہاتھ اُٹھانے کے جرم میں تجھے ابھی گرفتار کر سکتا ہوں۔ اگر تجھے اپنا تماشا بنانا منظور نہیں ہے تو پھر فوراً یہاں سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔'' نوجوان بغیر کچھ کہے الٹے قدموں گھوما اور پھر تیز تیز چلتا ہوا تھانے سے باہر نکل گیا۔

عابدی نے مسکرا کر ہیڈ کانسٹیبل شنکر پانڈے کی طرف دیکھا تو وہ بولا۔ ''سر! آپ نے بالکل ٹھیک کیا ہے یہ لوگ باتوں کے نہیں لاتوں کے بھوت ہیں۔ دور ہی کچھ ایسا آ گیا ہے کہ کوئی شرافت کی زبان سمجھتا ہی نہیں۔ جسے دیکھو لیڈر بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔''

عابدی نے کہا۔ ''پانڈے اس دیش کو لیڈروں کی نہیں اچھے انسانوں کی ضرورت ہے۔ خیر اس بات کو رہنے دو۔ ابھی انسپکٹر اشوک ملہوترا کا پتا کرو کہ وہ کہاں ہے اور ابھی تک تھانے کیوں نہیں پہنچا؟ اے سی پی صاحب پہلے ہی بگڑے بیٹھے ہیں۔ اُنہیں اگر پتا چل گیا تو پھر ملہوترا صاحب کو معطل ہی سمجھو۔''

''سر! میں نے فون کر کے معلوم کر لیا ہے ملہوترا صاحب گھر سے تھانے کے لئے نکل چکے ہیں۔ آپ آفس میں تشریف رکھیں بس وہ پہنچنے والے ہی ہوں گے۔''

''اوکے! تو پھر میرے لئے ایک اسٹرانگ سی چائے بھجوا دیں۔ سر میں بڑا شدید درد ہو رہا ہے۔'' عابدی آفس کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا اور شنکر پانڈے نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

====OOO====

انسپکٹر عابدی چائے پی کر جونہی فارغ ہوا، انسپکٹر اشوک ملہوترا تھانے پہنچ گیا۔ عابدی نے اُسے دیکھتے ہی قدرے درشت لہجے میں کہا۔ ''ملہوترا صاحب! وقت دیکھا ہے دن کے گیارہ بجنے والے ہیں اور تم اب تھانے پہنچ رہے ہو، شاید تم پولیس کی سروس سے اکتا چکے ہو؟''

''سوری سر! دیر سے پہنچنے کی معافی چاہتا ہوں، دراصل کل رات سے میری طبیعت کچھ ناساز ہے۔ اب بھی ہلکا سا ٹمپریچر باقی ہے۔'' انسپکٹر اشوک ملہوترا نے معذرت خواہانہ لہجے میں جواب دیا۔

''فار گاڈ سیک ملہوترا! یہاں میری جان پر بنی ہوئی ہے اور تم سوری کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔ تمہیں کچھ معلوم بھی ہے کہ ایک اور قتل ہو گیا ہے ہمارے تھانے کی حدود میں۔ پہلے انسپکٹر رنجیت ورما، پھر ایڈووکیٹ انصاری اور اب یہ نارائن چند جو کسی نامی گرامی بیوپاری کا بیٹا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟'' عابدی دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے بولا۔

''کول ڈاؤن سر۔'' انسپکٹر اشوک ملہوترا نرم لہجے میں بولا۔ ''یہ کون سی انوکھی بات ہے؟ قتل تو ہوتے ہی رہتے ہیں، ہمارے پریشان ہونے یا نہ ہونے سے یہ سلسلہ رک تو نہیں سکتا۔ ہمارا کام ہے دیانتداری سے تفتیش کرنا۔ اِس کے علاوہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔''

''میری پریشانی کی وجہ پے در پے قتل ہیں اِس کے علاوہ کاشف والا پُراسرار معاملہ بھی مجھے سکون نہیں لینے دیتا، اوپر سے رہی سہی کسر اے سی پی صاحب کی دھمکی نے پوری کر دی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ہم دونوں کی سروس کچھ روز کی مہمان ہے۔ حالات اگر اِسی ڈگر پر چلتے رہے تو اے سی پی صاحب بہت جلد ہم دونوں کو گھر کا راستہ دکھا دیں گے۔''

ملہوترا نے کہا۔ ''سر! آپ بلاوجہ ٹینشن لے رہے ہیں۔ جلد یا بدیر ہر مجرم پکڑا ہی جاتا ہے۔ رہ گئی اے سی پی صاحب کی بات تو وہ پہلے کس اہلکار سے مطمئن ہے۔ ہر آفیسر کے کام میں کیڑا نکالنا اُس کا بہترین مشغلہ ہے۔''

عابدی نے جھنجھلا کر کہا۔ ''ملہوترا صاحب! کیا اے سی پی صاحب کے سامنے تم یہ تمام گفتگو فرما سکتے ہو؟''

''یہ کیسے ممکن ہے سر آپ میرے سینئر ہیں۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں بھلا کیسے کوئی بات اے سی پی صاحب سے کہہ سکتا ہوں۔'' ملہوترا نے پریشان کن انداز میں جواب دیا اور عابدی نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑا۔

''یہی تو اصل مسئلہ ہے ملہوترا صاحب! شیر کے منہ میں کوئی بھی باشعور شخص ہاتھ دینے کی غلطی نہیں کرتا۔ تمہارے مطمئن ہونے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کیونکہ اے سی پی صاحب براہِ راست تمہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے۔ انہوں نے جو کچھ بھی کہنا ہوگا پہلے مجھ سے کہیں گے لیکن میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں کہ اب کی بار میں اکیلا اے سی پی صاحب کے آفس میں قدم بھی نہیں رکھوں گا بلکہ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا تاکہ میرے ساتھ ساتھ تمہاری بھی خاطر خواہ سیوا ہو سکے۔''

''نو سر! مجھے معطل ہونا منظور ہے لیکن اے سی پی صاحب کے سامنے پیش ہو کر اپنی درگت بنوانا کسی صورت قبول نہیں ہے۔ آپ اگر مجبور کریں گے تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔'' ملہوترا نے منفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''او کے اگر یہ بات ہے تو پھر آئندہ احتیاط کرنا۔ بھول کر بھی ڈیوٹی سے لیٹ نہ ہونا ورنہ مجبوراً مجھے اے سی پی صاحب سے تمہاری شکایت کرنا پڑے گی۔'' عابدی نے اُسے وارننگ دیتے ہوئے کہا۔

''بس سر! آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ چاہے آندھی آئے یا طوفان گھر میں ڈیوٹی سے لیٹ نہیں ہوں گا۔''

''یہ تو وقت ہی بتائے گا۔'' عابدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مگر اِس وقت ہمیں جائے وقوعہ پر پہنچنا ہے فوراً تیاری کرو۔''

اشوک ملہوترا ''یس سر'' کہتے ہوئے آفس سے باہر نکل گیا اور عابدی اپنے سامنے ٹیبل پر پڑی ہوئی ایک فائل پر جھک گیا۔ پے در پے قتل کی وارداتوں نے اُسے چکرا کر رکھ دیا

تھا۔ ابھی رنجیت درماوالا کیس حل نہیں ہوا تھا کہ یکے بعد دیگرے دو قتل اور ہو گئے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر عابدی، اشوک ملہوترا، ہیڈ کانسٹیبل شنکر پانڈے اور دو کانسٹیبلوں کے ساتھ پولیس وین میں بیٹھ کر تھانے سے جائے واردات کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ مقتول نارائن چند کی رہائش شہر کے ایک گنجان علاقے میں تھی۔ تقریباً پون گھنٹے کی ڈرائیونگ کے بعد پولیس وین نارائن چند کے گھر کے سامنے پہنچ گئی۔

نارائن چند کے گھر کے سامنے کافی تعداد میں لوگ موجود تھے۔ جو پولیس وین کو دیکھتے ہی اِدھر اُدھر کھسک گئے تھے۔ وین کے رکتے ہی عابدی تیزی سے نیچے اترا اور پھر نارائن چند کے گھر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ انسپکٹر ملہوترا اور دوسرے پولیس والے بھی اُس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

نارائن چند کی لاش اُس کی خواب گاہ میں پڑی ہوئی تھی۔ عابدی نے دونوں کانسٹیبلوں کو باہر رکنے کا اشارہ کیا اور خود اشوک ملہوترا اور شنکر پانڈے کو ساتھ لے کر نارائن چند کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔ لاش کے گرد چند لوگ موجود تھے جن میں تین عورتیں اور دو مرد تھے۔ عورتوں میں ایک بڑی عمر کی خاتون تھی جو غالباً نارائن چند کی ماں تھی اور باقی دونو جوان لڑکیاں تھیں۔ دونوں لڑکیاں نارائن چند کی بہنیں تھیں۔ مردوں میں سے ایک نارائن چند کا چچا تھا جبکہ دوسرا ماموں تھا۔

پولیس کو دیکھ کر تینوں عورتیں جو پہلے سسکیوں کے انداز میں رو رہی تھیں اب اُنہوں نے اونچی آواز میں بین کرنا شروع کر دیئے تھے۔ دونوں مرد اُنہیں تسلی دینے کی ناکام کوشش کر رہے تھے لیکن وہ کسی صورت میں چپ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں۔ عمر رسیدہ خاتون تو باقاعدہ پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ صورتِ حال خاصی پریشان کن تھی مگر وہ پولیس والے تھے اُن کا کام تفتیش کر کے قاتل کو ڈھونڈنا تھا مقتول کے لواحقین کو تسلی دینا اُن کی ڈیوٹی میں شامل نہیں تھا۔ لیکن عابدی ایک پولیس انسپکٹر ہونے کے باوجود اپنے پہلو میں ایک حساس دل رکھتا تھا۔ تینوں عورتوں کے بین سن کر اُس کی حالت غیر ہو رہی تھی تاہم کوشش کے باوجود وہ پوری طرح مقتول کی ماں اور بہنوں کو تسلی دینے میں کامیاب نہ ہو سکا پھر بھی اُن کا

دِل رکھنے کے لئے وہ عمر رسیدہ خاتون سے مخاطب ہو کر بولا ''ماں جی! آپ فکر نہ کریں ہم قاتل کو جلد ہی ڈھونڈ نکالیں گے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ قاتل کو پھانسی کے پھندے تک پہنچا کر دم لوں گا لیکن اِس کے لئے ضروری ہے کہ آپ لوگ ہم سے پورا تعاون کریں۔ آپ کے تعاون کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ فی الحال آپ تمام لوگ مہربانی کر کے باہر تشریف لے جائیں تاکہ ہم ابتدائی قانونی کارروائی کر سکیں بعد میں ہم آپ لوگوں کو بلا لیں گے۔''

عابدی کی بات سن کر وہ پانچوں بغیر کسی تردد کے خواب گاہ سے باہر نکل گئے۔ اُن کے باہر نکلتے ہی عابدی لاش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لاش کو ایک سفید چادر کے ذریعے ڈھانپا گیا تھا۔ عابدی نے آگے بڑھ کر لاش کے اوپر سے سفید چادر کھینچ لی۔ لاش کا چہرہ دیکھ کر عابدی ایک جھرجھری لے کر رہ گیا۔ لاش کا نرخرہ بری طرح اُدھڑا ہوا تھا۔ مقتول کے لباس پر جا بجا خون کے چھینٹے نظر آ رہے تھے اور کمرے کا فرش بھی خون آلود تھا۔ عابدی نے جھک کر لاش کا بغور جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر اُس کی حیرت دوچند ہو گئی کہ لاش کے چہرے پر خراشوں کے بڑے واضح نشان نظر آ رہے تھے۔ اِن نشانوں کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کسی درندے نے پنجہ مار کر لاش کا چہرہ بگاڑنے کی کوشش کی ہو۔

پنجہ کسی عام درندے کی بجائے شیر کا نظر آ رہا تھا۔ یکایک عابدی کے ذہن میں حوالات والا منظر ابھرا اور اُس کے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ اُس نے دِل ہی دل میں کچھ سوچا اور پھر اشوک ملہوترا سے مخاطب ہو کر بولا ''ناممکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔''

''کک... کیا نہیں ہو سکتا سر؟'' ملہوترا نے پریشانی کے عالم میں سوال کیا۔

''ملہوترا صاحب! یہ قتل ہمارے لئے ایک معمہ بننے والا ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اِسے کسی انسان کی بجائے کسی درندے نے ہلاک کیا ہو۔ معاملہ بہت پُراسرار نظر آ رہا ہے۔ خدا خیر کرے اِس شہر پر کوئی عفریت نازل ہو چکا ہے۔''

ملہوترا بولا ''سر اندازے قائم کرنے سے پہلے ہمیں مقتول کے اہلِ خانہ سے پوچھ گچھ کرنا پڑے گی۔ ہو سکتا ہے اُن سے کوئی اہم کلیو ہمارے ہاتھ لگ جائے اور ہم باآسانی اُس

پُراسرار قاتل تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں۔"

عابدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تفتیش تو ہمیں مقتول کے گھر سے ہی شروع کرنا پڑے گی مگر اِس سے پہلے لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے اسپتال میں بھیجنا پڑے گا۔ تم فوراً اِس کا بندوبست کرو تب تک میں مقتول کے کمرے کی تلاشی لیتا ہوں شاید کوئی چھوٹا موٹا ثبوت مل جائے۔"

"او کے سر! آپ کمرے کی تلاشی لیں میں لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے لے جاتا ہوں۔" اتنا کہہ کر انسپکٹر ملہوترا نے دونوں کانسٹیبلوں کو لاش اُٹھانے کا حکم دے دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ملہوترا لاش لے کر ہسپتال کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ دونوں کانسٹیبل بھی اُس کے ساتھ تھے تاہم ہیڈ کانسٹیبل شنکر پانڈے کو وہ عابدی کے پاس چھوڑ گیا تھا۔ عابدی بڑی باریک بینی کے ساتھ کمرے کی تلاشی لے رہا تھا۔ پندرہ بیس منٹ کی تگ و دو کے بعد آخرکار عابدی کے ہاتھ ایک ڈائری لگ گئی۔ اُس نے سرسری طور پر ڈائری کی ورق گردانی کی تو ایک نام دیکھ کر ایک دم چونک اُٹھا۔ یہ نام نندنی کا تھا۔ کاشف کی زبانی وہ نندنی کا نام سن چکا تھا۔ اب یہ ڈائری اُس کے لئے ایک خاص اہمیت اختیار کر چکی تھی۔ اِس لئے اُس نے ڈائری بند کر کے بغل میں دبالی اور پھر شنکر پانڈے سے بولا۔ "نارائن چند کے گھر والوں کو بلا لاؤ شاید اُن سے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔" اتنا کہہ کر عابدی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور شنکر پانڈے "یس سر۔" کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

پانچ منٹ کے بعد مقتول نارائن چند کی بوڑھی ماں عابدی کے سامنے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ اُس کے بوڑھے اور جھریوں زدہ چہرے پر جوان بیٹے کی الم ناک موت کی کہانی تحریر تھی۔ عابدی کو اُس کے آنسو بے تحاشا تکلیف پہنچا رہے تھے لیکن وہ اُس بوڑھی عورت کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خوشیاں اگر خریدی جا سکتیں تو شاید وہ اِک مجبور اور لاچار ماں کے لئے یہ بھی کر گزرتا۔ وہ خود کو بہت بے بس محسوس کر رہا تھا۔ کوشش کے باوجود اُسے بڑھیا کو تسلی دینے کے لئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے لیکن تفتیش اُس کے پروفیشن کا حصہ تھی۔ اُسے بہرصورت اُس بڑھیا سے پوچھ گچھ کرنا ہی تھی۔

"ماں جی! میں جانتا ہوں کہ آپ اِس وقت دکھ اور کرب کے ایک پل صراط پر سے گزر رہی ہیں۔ میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں جن کا سہارا لے کر میں آپ کو تسلی دے سکوں پر اتنا وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ میں آپ کے بیٹے کے قتل کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" عابدی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بولا۔

"نارائن چند میرا اکلوتا بیٹا تھا صاحب۔" بڑھیا نے سسکتی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "اُس بدنصیب سے چھوٹی صرف دو بہنیں ہیں۔ ظالموں نے میرے بڑھاپے کا سہارا چھین لیا ہے صاحب! یہ ایک ماں کی بددعا ہے بھگوان اُنہیں چتا کی اگنی نصیب نہیں کرے گا۔ ایک دن وہ بھی میرے بیٹے کی طرح لاش کی صورت میں پڑے ہوں گے کہیں اور لوگ اُن کا کریا کرم کرنے کی بجائے اُن پر تھوک رہے ہوں گے۔"

"ماں جی! ضابطے کی کارروائی پوری کرنے کے لئے مجھے آپ سے اور آپ کی بیٹیوں سے کچھ سوالات پوچھنا پڑیں گے۔ اُمید ہے کہ آپ مجھ سے مکمل تعاون کریں گی۔ قاتلوں کا سراغ لگانے کے لئے یہ پوچھ گچھ ضروری ہوتی ہے۔" عابدی نے نرم لہجے میں کہا اور بڑھیا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں تو ماں جی سب سے پہلے آپ یہ بتائیں کہ مقتول کی کسی سے دشمنی وغیرہ تھی یا کبھی کسی سے جھگڑا وغیرہ ہوا تھا؟" عابدی نے تفتیش کی ابتداء کرتے ہوئے پوچھا۔

بڑھیا نے ایک ٹھنڈی آہ خارج کرتے ہوئے کہا۔ "نہیں صاحب جی! میرا نارائن ایک شریف اور امن پسند انسان تھا۔ اُس کا کبھی کسی کے ساتھ جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ دشمنی تو دور کی بات ہے اُس کا تو کوئی دوست بھی نہیں تھا۔ وہ ایک کم گو اور تنہائی پسند شخص تھا۔ بس ہر وقت اپنی دنیا میں مگن رہتا تھا۔"

"پھر بھی آپ نے کبھی اُس کے معمولات میں کوئی تبدیلی محسوس کی ہو تو براہ کرم مجھے بتا دیں۔ کوئی ایسی بات جو آپ کی نظر میں معمولی ہو، یاد کرنے کی کوشش کریں۔ کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے کہ آدمی جسے معمولی واقعہ سمجھ لیتا ہے بعد میں وہی واقعہ سنگین صورتِ حال اختیار کر لیتا ہے۔" عابدی نے اُسے کریدنے کی کوشش کرتے ہوئے دوبارہ سوالیہ انداز میں

پوچھا۔

''میں تو صرف اتنا جانتی ہوں صاحب جی کہ وہ گزشتہ ایک ماہ سے اکثر کھویا کھویا سا رہتا تھا۔ شاید اُسے باپ کی گمشدگی کا غم اندر ہی اندر کھا رہا تھا حالانکہ اُس کے باپ نے مجھے زندگی میں کوئی سکھ نہیں دیا تھا۔ بس ہر وقت طرح طرح کے جاپ کرتا رہتا تھا۔ جاپ اور منتروں کو اُس نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ پتا نہیں کون سی شکتی حاصل کرنا چاہتا تھا۔''

''مطلب آپ کا پتی کہیں گم ہو گیا ہے؟'' عابدی نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں صاحب جی! اُسے گم ہوئے تقریباً ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ ہم نے اُسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی ہے مگر اُسے نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ بھگوان جانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔''

''آپ کے پتی کام کیا کرتے تھے؟''

''کام کاج کچھ بھی نہیں کرتے تھے صاحب جی، بس دن رات ایک مندر میں گھسے رہتے تھے۔ ہماری تو مہینوں خبر نہیں لیتے تھے۔'' اُس نے شکایتی انداز میں جواب دیا۔

''کون سے مندر میں رہائش تھی اُن کی؟''

''رام مندر میں رہتے تھے جی۔''

''وہی رام مندر جو شہر سے باہر ایک ویرانے میں واقع ہے؟'' عابدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں جی وہی رام مندر جو صدیوں پرانا ہے۔ لوگ کہتے ہیں اُس مندر میں جنات بستے ہیں۔ کچھ لوگوں نے تو اپنی آنکھوں سے وہاں جنات کو دیکھا بھی ہے۔ سچ جھوٹ کا تو اب بھگوان کو ہی معلوم ہو گا پر لوگ ایسا کہتے ہیں۔''

''کیا مقتول نارائن چند نے بھی اپنے باپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی؟''

''بالکل صاحب جی وہ تو ہر روز صبح سویرے گھر سے باپ کو ڈھونڈنے کے لئے نکل جاتا تھا اور اکثر اُس کی واپسی شام ڈھلے ہوتی تھی۔''

عابدی نے پوچھا۔'' آپ کو یا مقتول نارائن چند کو اپنے باپ کی گمشدگی کے متعلق کیا

کچھ معلوم ہوا تھا؟ کیا اُس کی گمشدگی کو کسی دشمنی کا شاخسانہ یا کسی شخص کی عداوت کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے؟''

بڑھیا نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر پُرسوز آواز میں بولی۔ ''اُس کی کسی کے ساتھ کیا دشمنی ہو سکتی تھی۔ وہ تو مندر سے کبھی باہر ہی نہیں نکلتے تھے۔ عام لوگوں سے تو وہ کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ بہت کم لوگوں سے اُس کے روابط تھے۔''

''مندر کے اندر بھی تو اُس کا کوئی دشمن ہو سکتا تھا۔ آپ لوگوں کا کبھی اُس طرف خیال کیوں نہیں گیا حالانکہ اکثر انسانوں کے دشمن اُن کے اردگرد کے لوگ ہی ہوتے ہیں۔ دشمنی ہمیشہ تعلق اور واسطے سے ہی پیدا ہوا کرتی ہے۔ کبھی کسی شخص کی کسی غیر متعلق یا اجنبی آدمی سے دشمنی نہیں ہوتی۔''

''بالکل صاحب جی! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ نارائن چند بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتا تھا۔ اُسے اپنے باپ کی گمشدگی میں مندر کی ایک پجارن کا ہاتھ نظر آتا تھا اور وہ اکثر اُس پجارن کو کریدنے کے لئے مندر کی طرف جا نکلتا تھا۔ قتل ہونے سے دو دن قبل بھی وہ مندر سے ہو کر آیا تھا۔''

''اُس پجارن کا نام کیا ہے؟'' عابدی نے اپنے مخصوص انداز میں سوال کیا۔

''نندنی ... صاحب جی۔'' اُس نے مختصر سا جواب دیا اور عابدی نندنی کا نام سن کر چونک اُٹھا۔ نارائن چند کی ڈائری میں بھی وہ یہ نام دیکھ چکا تھا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ نندنی واقعی کوئی اہم شخصیت ہے۔'' اُس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر بڑھیا سے مخاطب ہو کر بولا۔

''ٹھیک ماں جی! آپ جائیں اور اپنی دونوں بیٹیوں کو اندر بھیج دیں۔ اُن سے بھی میں چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی بھیجتی ہوں صاحب جی۔'' اتنا کہہ کر بڑھیا کمرے سے باہر نکل گئی اور عابدی اپنے ذہن میں سوالات ترتیب دینے لگا۔ چند لمحوں کے بعد دونوں لڑکیاں سہمے ہوئے انداز میں اندر داخل ہوئیں اور عابدی کے سامنے نگاہیں جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

"بیٹھ جاؤ۔" عابدی نے نرم لہجے میں کہا اور وہ دونوں جھجکتی ہوئی بیٹھ گئیں۔

"نام کیا ہے تمہارا؟" عابدی نے بڑی لڑکی سے سوال کیا۔

"رادھیکا۔"

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ تمہارے بھائی کی کسی کے ساتھ دشمنی تھی یا نہیں؟" عابدی نے بڑی لڑکی سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں جی۔ اس کی کسی کے ساتھ دشمنی نہیں تھی بلکہ دشمنی تو ایک طرف رہی اس کی تو کسی کے ساتھ دوستی بھی نہیں تھی۔"

"کبھی کسی کے ساتھ اس کی تلخ کلامی ہوئی ہو یا کوئی اور بات جو تمہارے علم میں ہو۔ اکثر باتیں جو عام طور پر معمولی لگتی ہیں اور انسان انہیں قابل توجہ نہیں سمجھتا بعض اوقات وہی معمولی باتیں کسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔"

"میرے علم میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" رادھیکا نے منفی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تاہم اس بات کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا، ہو سکتا ہے کبھی اس کی کسی کے ساتھ تلخ کلامی یا ہاتھا پائی ہوئی ہو لیکن گھر میں اس نے کبھی بھی کسی لڑائی جھگڑے کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

"تمہیں کچھ معلوم ہے شکنتلا جی؟" رادھیکا کا جواب سن کر عابدی نے شکنتلا سے سوال کیا۔

"نہیں صاحب جی! مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ میں تو چند دن پہلے ہی بنارس سے آئی ہوں۔ آپ دیدی سے اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں۔" شکنتلا نے مکمل لاعلمی کا اظہار کر کے بات ہی ختم کر دی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد عابدی انہیں تسلی دے کر شنکر پانڈے کے ساتھ رخصت ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے کسی پر بھی شک کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس لئے عابدی نے نامعلوم قاتلوں کے خلاف پرچہ درج کر دیا تھا۔

====OOO====

سجاد گزشتہ دو روز سے صبیحہ کا غیر محسوس انداز میں تعاقب کر رہا تھا لیکن ابھی تک کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا تھا صبیحہ کا زیادہ وقت گھر میں ہی گزرتا تھا۔ کبھی کبھار وہ کسی ضروری کام کی غرض سے باہر نکلتی تو سجاد بالکل لاتعلق سا ہو کر اس کا تعاقب شروع کر دیتا تھا۔ اس کا انداز اتنا محتاط ہوتا تھا کہ صبیحہ کو گمان تک نہیں گزرتا تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

دانیال کی ضمانت ہونے کے بعد پھوپھی کے ساتھ ان کے تعلقات دوبارہ بحال ہو چکے تھے اس لئے کبھی کبھار صبیحہ دانیال کے ساتھ بھی گھومتی پھرتی نظر آ جاتی تھی۔ سجاد کو روحانی علوم پر کافی عبور حاصل تھا۔ ابوسلیمان نامی ایک مسلمان جن اس کے تابع تھا لیکن سجاد نے کبھی اس بات کا ذکر کسی کے سامنے نہیں کیا تھا۔ حتیٰ کہ اس کا بھائی انسپکٹر عابدی بھی اس بات سے لاعلم تھا۔ سجاد نے آج تک ابوسلیمان سے کوئی بھی کام نہیں لیا تھا حالانکہ ابوسلیمان اکثر اس سے کہتا رہتا تھا کہ مجھے کوئی کام بتایئے تاکہ آپ کو جنات کی طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے لیکن سجاد اسے یہ کہہ کر ٹال دیتا تھا کہ کبھی تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو ضرور بتاؤں گا۔

تیسرے دن سجاد نے اس بے مقصد کی نگرانی اور تعاقب سے اکتا کر ابوسلیمان کو پکارا تو وہ فوراً حاضر ہو گیا۔ سجاد اس وقت صبیحہ کے گھر کے سامنے ایک خالی پلاٹ میں موجود تھا۔ اردگرد لوگوں کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوسلیمان اپنے مخصوص انسانی روپ میں حاضر ہوا تھا۔

"ابوسلیمان حاضر ہے جناب! حکم فرمایئے تاکہ میں بجا لاؤں۔" ابوسلیمان نے فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"حکم صرف میرے رب کا چلتا ہے ابوسلیمان۔" سجاد نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "میں تو ایک عام انسان ہوں اس لئے تمہیں حکم دینے کی جرأت نہیں کر سکتا البتہ گزارش کر سکتا ہوں۔"

ابوسلیمان بولا۔ "آپ میرے آقا ہیں اس لئے مجھے حکم دے سکتے ہیں اور میں آپ کا حکم..."

"ابوسلیمان!" سجاد نے درشت لہجے میں قطع کلامی کی۔ "میں نے کتنی بار تمہیں بتایا ہے کہ خدا کے لئے مجھے گناہ گار مت کیا کرو۔ میں تمہارا آقا کیسے ہوسکتا ہوں جبکہ ہم دونوں مسلمان ہیں اور ہمارا آقا تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔"

"میں معذرت خواہ جناب۔" ابوسلیمان ندامت کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "آئندہ احتیاط کروں گا۔ اب کام بھی بتادیجئے تاکہ میں حق دوستی ادا کرسکوں۔"

"کام یہ ہے کہ آج سے تمہیں ایک لڑکی پر نگاہ رکھنی ہے اور اُس کی "

"توبہ کریں جناب۔" ابوسلیمان قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ "یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ میں کسی کی بہو بیٹی پر بھلا کیسے نظر رکھ سکتا ہوں۔ اِس سے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔"

"تم بہت احمق ہو ابوسلیمان! پہلے میری پوری بات سُن لو تب اپنے روشن اور پاکیزہ خیالات کا اظہار فرمانا۔" سجاد نے اُسے ملامت آمیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہیں صرف اُس لڑکی کے معمولات پر نظر رکھنی ہے اور مجھے بھی اُس کے معمولات سے آگاہ رکھنا ہے۔ اصل میں اُس لڑکی کی جان خطرے میں ہے۔ ایک ہوس کا غلام انسان اُس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔"

"اِس سے تو یہ بہتر ہے کہ میں اُس انسان کا گلا دبا دوں تاکہ وہ لڑکی ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائے۔" ابوسلیمان نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا اور سجاد نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑا۔

"اِس میں ہنسنے والی کون سی بات ہے؟" ابوسلیمان نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"مجھے وہ زندہ چاہیے۔ مردہ حالت میں میرے وہ کسی کام کا نہیں ہے اِس لئے تم نے صرف اُس پر نگاہ رکھنی ہے اگر وہ لڑکی کے ساتھ زبردستی کرے تو پھر فی الفور مجھے مطلع کرنا ہے۔"

"لیکن میں اُسے اور لڑکی کو پہچانوں گا کیسے؟"

سجاد نے کہا۔ "لڑکی میں تجھے دکھا دوں گا اور اُس مرد کی تصویر لا دوں گا۔ اصل میں وہ

میرا دوست تھا مگر اپنی حرکتوں کی وجہ سے بُرے راستے پر چل نکلا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس کی پشت پناہی کوئی آتشی مخلوق کر رہی ہے۔"

"اِس کا مطلب ہے کہ کوئی میرا ہم جنس آپ کے اُس دوست کی غلامی کر رہا ہے؟" ابوسلیمان نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا مگر چکر کچھ ایسا ہی ہے۔ وہ جو کچھ کرتا پھر رہا ہے ایسا کسی جن زاد کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ وہ دو بار حوالات سے فرار ہو چکا ہے۔ ایک پولیس انسپکٹر کے قتل کے الزام میں بھی وہ ملوث ہے۔ پولیس اُسے ڈھونڈتی پھر رہی ہے مگر وہ غائب ہو چکا ہے۔ صبیحہ نامی یہ لڑکی جس کے متعلق ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے تجھے بتایا ہے، اُسے ڈھونڈنے کا ایک ذریعہ ہے۔ دراصل اِس لڑکی کا حصول اُس نے اپنی عزت اور انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے۔" ابوسلیمان کے استفسار پر سجاد نے تفصیل بیان کر دی۔

"اُس کا نام کیا ہے؟" ابوسلیمان نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"کاشف جمیل نام ہے اُس کا اور وہ ایک بہت بڑے سرمایہ دار شخص کا بیٹا ہے۔ اصل میں اُس کی پرورش اور تربیت ہی حرام کی کمائی سے ہوئی ہے جو اب اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔"

"مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آتی۔" ابوسلیمان نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "وہ مجرم قانون کا ہے لیکن ڈھونڈ اُسے آپ رہے ہیں یہ کیا چکر ہے؟"

سجاد نے کہا۔ "اُس کی وجہ سے میرے بڑے بھائی کی ملازمت داؤ پر لگی ہوئی ہے۔ وہ اگر پندرہ روز کے اندر نہ ملا تو میرے بھائی کو ڈی سی پی صاحب معطل کر دیں گے۔"

"اُسے ڈھونڈنے کی بجائے میں اسے ڈی سی پی صاحب کو الٹا کیوں نہ لٹکا دوں؟ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔" ابوسلیمان نے اُس کے سامنے ایک نئی تجویز رکھتے ہوئے پوچھا۔

سجاد جھنجھلا کر بولا۔ "میں تمہارے تابع ہوں کہ تم میرے تابع ہو؟ مجھے تمہارے مشوروں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ خواہ مخواہ ہر بات کو مذاق کا رنگ دے دیتے ہو۔"

"میں مذاق تو نہیں کر رہا ہوں۔" ابوسلیمان نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ حکم

دیں تو میں سچ مچ اے سی پی کو اُٹھا کر سمندر میں پھینک دوں گا۔''

ابوسلیمان نے طبیعت ہی ایسی پائی تھی کہ کوشش کے باوجود وہ خود کو مذاق سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ سجاد اکثر اُس کی اِس عادت سے عاجز آ جایا کرتا تھا لیکن ابوسلیمان پھر بھی سنجیدگی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ سجاد بھی اُس کے مزاح کا جواب مزاح ہی میں دینے لگا تھا۔

''اے سی پی صاحب کو سمندر میں پھینک دینے سے کیا بھائی جان کی معطلی رک جائے گی احمق.....'' سجاد کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گیا اور پھر مسکرا کر بولا۔ ''انسان بھی نہیں کہہ سکتا تمہیں اور جن کہتے ہوئے کچھ عجیب سا لگتا ہے اِس لئے صرف احمق کہنے پر اکتفا کر رہا ہوں۔''

''چلو احمق بھائی کہہ دیا کرو۔'' ابوسلیمان بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔

''بھائی نہیں احمق اعظم کہا کروں گا۔'' سجاد نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور ابوسلیمان ایک جناتی قہقہہ لگا کر رہ گیا۔

اِسی اثناء میں غیر ارادی طور پر سجاد کی نگاہ صبیحہ کے گھر کے دروازے کی طرف اُٹھ گئی اور وہ بے اختیار چونک اُٹھا۔

''وہ دیکھو ابوسلیمان یہی ہماری مطلوبہ لڑکی ہے۔'' سجاد صبیحہ کی طرف ایک غیر محسوس اشارہ کرتے ہوئے جلدی سے بولا۔ ''اِس لڑکی پر تمہیں نگاہ رکھنی ہے اب اِسے غور سے دیکھ لو۔''

ابوسلیمان اُس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''اتنی دور سے کیا خاک نظر آئے گا؟ اگر جناب کی اجازت ہو تو ذرا نزدیک سے اُس محترمہ کی صورت ملاحظہ فرما لوں تاکہ کسی غلط فہمی کا اندیشہ باقی نہ رہے۔''

''دیکھ سکتے ہو لیکن غائب حالت میں۔''

''میری شکل اتنی بری تو نہیں ہے۔'' ابوسلیمان نے شکایتی انداز میں کہا۔

''تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ تم انسان نہیں ہو، چلو فوراً غائب ہو جاؤ لیکن خبردار اگر تم

نے لڑکی کے ساتھ کوئی بھی الٹی سیدھی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ سمجھ گئے۔''

''بالکل سمجھ گیا ہوں آپ بے فکر رہیں میں صرف اُسے دیکھوں گا، چھونے کی کوشش بھول کر بھی نہیں کروں گا۔'' یہ کہہ کر ابوسلیمان سجاد کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

سجاد کی نگاہیں اب صبیحہ پر جمی ہوئی تھیں۔ جو تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی اب پُر رونق سڑک پر پہنچ چکی تھی۔ سڑک پر ٹریفک کا ایک اژدہام تھا۔ گاڑیاں ''زن'' کی آواز سے اُس کے سامنے سے گزر رہی تھیں۔ وہ پل بھر کے لئے سڑک کے کنارے پر رک کر ٹریفک کے کم ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

لیکن ٹریفک کی تعداد گھٹنے کی بجائے بڑھ رہی تھی۔ چند لمحوں کے لئے اُس نے انتظار کیا پھر ایکدم بھاگ کر سڑک کراس کرنے کی کوشش کی مگر ایک تیز رفتار گاڑی پلک جھپکنے کی دیر میں اُس کے سر پر پہنچ گئی۔ قریب تھا کہ گاڑی اُسے کچلتے ہوئے گزر جاتی لیکن اچانک اُس کا جسم فضا میں بلند ہوا اور سڑک پر سے گزرنے والی گاڑیوں کے اُوپر سے تیرتا ہوا دوسری جانب پہنچ گیا۔ سجاد کے علاوہ جن لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا تھا اُن کی نگاہیں پھٹنے کے قریب ہو گئی تھیں۔ خود صبیحہ کی حالت بھی دیکھنے والی تھی۔ وہ سڑک کے دوسری جانب فٹ پاتھ پر پریشانی کے عالم میں کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اُس کے خوبصورت چہرے پر نادیدہ خوف کے سائے منڈلا رہے تھے جن لوگوں نے اُسے اپنی آنکھوں سے ہوا میں اُڑتے ہوئے دیکھا تھا وہ اب اُس کے گرد اکٹھے ہو چکے تھے اور اسے عجیب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ ہی اُس پر سوالات بھی کر رہے تھے لیکن اُسے کچھ معلوم ہوتا تو بتاتی۔

سجاد بھی تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا اُن کے پاس پہنچ گیا۔ لوگوں کے اُس جمگھٹے میں ابوسلیمان بھی اپنے انسانی روپ میں موجود تھا۔ سجاد نے بڑی مشکل سے صبیحہ کی جان چھڑائی تھی ورنہ تو لوگوں نے سوال پہ سوال کر کے صبیحہ کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ وہ بے چاری کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح سہمی ہوئی تھی۔

''محترمہ آپ کو کہاں جانا ہے؟'' ہجوم کے چھٹتے ہی سجاد نے سوالیہ انداز میں صبیحہ سے

پوچھا۔

''مم...... مجھے ایک سہیلی کے گھر جانا تھا لیکن شاید اب نہ جا سکوں۔'' اُس نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔

''کیوں؟ کیا کسی سے خوفزدہ ہو اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں آپ کو سہیلی کے گھر تک چھوڑ سکتا ہوں۔''

''نہیں جی آپ کی بڑی مہربانی۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اب کہیں نہیں جانا۔ میں واپس گھر جاؤں گی۔''

''لیکن محترمہ جانے سے پہلے ایک بات ضرور بتاتی جاؤ، یہ آپ نے ہوا میں اڑنا کس طرح سیکھا ہے؟'' اچانک ابوسلیمان نے اُس سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ اِس سوال پہ سجاد نے اُسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا مگر اُس نے مطلق پرواہ نہ کی اور بدستور صبیحہ کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ صبیحہ کے چہرے پر خوف اور اُلجھن کے ملے جلے تاثرات طاری تھے تاہم وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

''میں...... میں اِس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی شاید وہ کوئی اڑنے والی نادیدہ مخلوق تھی جس نے مجھے اُٹھا رکھا تھا۔''

''آپ جائیں جی۔'' سجاد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ تو احمق ہے اکثر بے تکے سوال کرتا ہی رہتا ہے۔''

صبیحہ خدا حافظ کہتی ہوئی دوبارہ گھر کی طرف روانہ ہوگئی اور ابوسلیمان مسکراتے ہوئے سجاد کی طرف متوجہ ہوگیا۔ ''بخدا! اُس نے مجھے خود ہی چھونے کا موقع فراہم کر دیا تھا ورنہ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک شریف النفس قسم کا جن ہوں۔ میں ایسی حرکت کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''مجھے معلوم ہے کہ تم کتنے شریف ہو؟'' سجاد طنزیہ انداز میں بولا۔

''آپ بے وجہ مشکوک ہو رہے ہیں، میرے لئے جن زادیوں کی کمی تو نہیں ہے۔ اگر آپ کہیں تو آپ کے لئے بھی کسی خوبصورت جن زادی کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔''

''میں ایک انسان ہوں اور انسان ہی کے بچوں کا باپ کہلانا پسند کروں گا۔ جن یا جن نما انسان بچے پیدا کرنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔'' سجاد نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور ابوسلیمان ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

اِس کے بعد وہ دونوں پیدل ہی سجاد کے گھر کی طرف چل پڑے۔ ایک ویران مقام پر پہنچتے ہی ابوسلیمان نے سجاد کا ہاتھ تھام لیا اور پھر پلک جھپکنے کی دیر میں وہ دونوں غائب ہو چکے تھے۔

====OOO====

نندنی کی پُرتعیش صحبت نے کاشف کو ایک جنسی بھیڑیا بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بلاناغہ اُسے اپنی صحبت سے نوازتی رہتی تھی۔ اپنے علاوہ نندنی کاشف کے لئے ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی خوبصورت لڑکی پھانس لاتی تھی جسے کاشف دِل کھول کر اپنی درندگی اور وحشت کا نشانہ بنایا کرتا تھا۔

تاہم کاشف صبیحہ کو ابھی تک نہیں بھولا تھا۔ اِس لئے وہ نندنی کے سامنے اس کا ذکر کرتا رہتا تھا اور نندنی اُسے یقین دلانے کی کوشش کرتی رہتی تھی کہ صبیحہ بہت جلد اُس کے بستر کی زینت بننے والی ہے۔ نندنی نے اپنے متعلق کاشف کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ کاشف کو اِس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ ایک کافر جن زادی ہے اور اُس کا تعلق سفلی دنیا سے ہے۔ اُسے تو بس ہر رات اپنے بستر پر نئی لڑکی درکار ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ اُس کی جنسی بھوک بڑھتی گئی اور ایک دن جنون کی شکل اختیار کر گئی۔ ایک دن شام کے بعد نندنی باہر سے واپس لوٹی تو ایک نوعمر دوشیزہ اُس کے ہمراہ تھی۔ دوشیزہ کی عمر بمشکل پندرہ برس کے لگ بھگ تھی لیکن وہ نسوانی حسن و جمال کا بہترین نمونہ تھی۔ اُس کے جسمانی اعضاء قدرت کی صناعی کا بہترین شاہکار تھے۔ وہ ساڑھی میں ملبوس تھی اور اُس کے ماتھے کی بندیا اُس کے ہندو ہونے کی تصدیق کر رہی تھی۔

نندنی لڑکی کے ہمراہ کاشف کے کمرے میں داخل ہوئی اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''کاشف ڈارلنگ! ان سے ملیے یہ کامنی ہے اور اِسے جادو سیکھنے کا بہت شوق ہے اِس

لئے میں اِسے تم سے ملوانے کے لئے لے آئی ہوں۔ پلیز! اِسے جادو سکھا دیجئے۔''

کاشف نے ایک پُر ہوس نگاہ لڑکی کے سراپے پر ڈالی اور پھر قدرے متاسف انداز میں بولا۔'' جادو سیکھنے کے لئے بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ ہوسکتا ہے دورانِ عمل یہ کسی تردد کا شکار ہوکر بدک جائے اور اِس کے ساتھ مجھے بھی نقصان اُٹھانا پڑ جائے۔''

نندنی فوراً بولی۔'' کامنی بہت بہادر لڑکی ہے۔ یہ تمہیں نااُمید نہیں کرے گی۔ مجھے یقین ہے یہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوجائے گی۔''

کاشف نے کہا۔'' بہتر یہی ہے کہ تم اِسے پہلے ہی سب کچھ صاف صاف بتادو تاکہ بعد میں یہ کوئی اعتراض نہ کر سکے۔''

''تمہیں شاید ابھی تک شک ہے کہ یہ اپنے شریر کی قربانی نہیں دے سکے گی لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اگر چاہو تو اِسے ابھی آزما سکتے ہو۔ کیوں کامنی کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟'' آخری جملہ نندنی نے کامنی سے مخاطب ہوکر کہا تھا۔

'' آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں جی میں ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔'' کامنی نے عین اُس کی توقع کے مطابق جواب دیتے ہوئے کہا اور کاشف اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اُسے اگر نندنی کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ اب تک کامنی کو دبوچ چکا ہوتا لیکن جلد بازی برتتے ہوئے کام کو بگاڑ بھی سکتی تھی اِس لئے وہ چار وناچار صبر سے کام لے رہا تھا۔ ورنہ تو کامنی کا ہوشربا حسن دیکھ کر ایک زاہد بھی توبہ توڑنے کے لئے تیار ہو سکتا تھا۔

نندنی نے کامنی کو وہیں کمرے میں ایک کرسی پر بٹھا دیا اور خود کاشف کو ساتھ لے کر کمرے سے باہر جاتے ہوئے کامنی سے بولی۔'' تم بے فکر ہوکر بیٹھو ہم ابھی تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔ پھر تمہارا انٹرویو ہوگا اگر تم نے کاشف صاحب کے ساتھ تعاون کیا تو یہ تمہیں ایک عظیم ساحرہ بنادیں گے۔''

کامنی جواب دینے کی بجائے اثبات میں سرہلا کر رہ گئی اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

''یہ کیا چکر چلا دیا ہے تم نے؟ میں اِسے کیسے ساحرہ بنا سکتا ہوں؟'' دوسرے کمرے میں

داخل ہوتے ہی کاشف نے نندنی سے سوالیہ انداز سے پوچھا۔

''تمہیں شاید یہ سُن کر خوشی ہوگی کہ میں نے ہمیشہ جوان رہنے کا سراغ پالیا ہے۔'' نندنی نے پُرمسرت لہجے میں جواب دیا اور وہ لمحہ بھر کے لئے بھونچکا رہ گیا۔

''یہ.... یہ کیا بکواس کررہی ہو، ایسا بھلا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟'' اُس نے بگڑے ہوئے انداز میں پوچھا۔

نندنی نے کہا۔'' یہ بالکل ممکن ہے۔ پہلے میں یہ تجربہ خود پر کروں گی اور پھر اِس کے بعد تمہاری باری ہوگی۔ سوچو کاشف اگر ہم دونوں نے ہمیشہ کے لئے جوان رہنے کا کامیاب تجربہ کرلیا تو کتنا مزا آئے گا۔ دن رات جوانی کے مزے لوٹیں گے اور کبھی بھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔''

اِس کے بعد کاشف کے استفسار پر نندنی نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔

''یہ تجربہ صدیوں پہلے مصر کی ایک خاتون نے کیا تھا۔ وہ اپنے دور کی ایک مشہور ساحرہ تھی لیکن بدقسمتی سے اُس کا تجربہ ابھی مکمل نہیں ہو پایا تھا کہ اُس کی موت واقع ہوگئی۔ دراصل انجانے میں اُس سے ایک غلطی ہوگئی تھی جس کا خمیازہ اُسے اپنی جان دے کر چکانا پڑا تھا۔ وہ ہر پورن ماشی کی رات کو ایک نوجوان لڑکی کے خون سے غسل کیا کرتی تھی لیکن ایک رات چاند گرہن ہونے کی وجہ سے اُس کا عمل اُلٹا ہوگیا اور وہ بیچاری اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھی، اگر اُس رات وہ کامیاب ہوجاتی تو پھر ابدی جوانی کا سراغ پالیتی۔ وہ اُس کے عمل کی آخری رات تھی اور وہ بارھویں لڑکی کے خون سے غسل کررہی تھی کہ یکا یک پورن ماشی کا چاند گرہن کی وجہ سے چھپ گیا اور ہرسو اندھیرا پھیل گیا۔ تاریکی کی وجہ سے اُس نے غسل غلط طریقے سے کرلیا اور یوں اُس کا عمل اُلٹا ہوگیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اُس کی موت واقع ہوگئی تھی۔ آکاش کے بارہ برج ہیں اِس لئے اِس عمل میں بارہ نوجوان لڑکیوں کے خون سے غسل کرنا پڑتا ہے اور یوں ایک سال کے دوران یہ عمل پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ آج پورن ماشی کی رات ہے، سال کا پہلا مہینہ ہے اور کامنی اِس عمل کے لئے پہلی موزوں لڑکی ہے۔ پہلے تم اُس سے اپنی جنسی پیاس بجھالینا اِس کے بعد میں اُس کے گرم گرم

خون سے غسل کرلوں گی، یوں ہم دونوں کا کام ایک ساتھ ہو جائے گا۔''

اُس کی بات سُن کر پہلے تو کاشف نے صاف انکار کر دیا لیکن پھر اُس کے اصرار پر سر تسلیم خم کر دیا کیونکہ کامنی کے تو بہ شکن شباب نے اُسے سخت مضطرب کر رکھا تھا۔ اُس کے اندر کا جنسی بھیڑیا مکمل طور پر جاگ اُٹھا تھا اور وہ کامنی کا بدن نوچنے اور کھسوٹنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ اُس کی اِس بے تابی کو دیکھتے ہوئے نندنی بولی۔ ''صبر کرو میری جان ابھی تھوڑی دیر کے بعد کامنی تمہاری آغوش میں ہوگی پھر جی بھر کر اُس کے جوان بدن سے کھیلنا۔''

تھوڑی دیر کے بعد کاشف نندنی اور کامنی کے ساتھ ایک کشادہ کمرے میں موجود تھا۔ اِس کمرے کی مشرقی کھڑکیوں سے پورن ماشی کا چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کمرے کے عین وسط میں ایک مستطیل ٹیبل پڑی ہوئی تھی جس کا سائز سنگل بیڈ کے برابر تھا۔ ٹیبل پر ایک فوم کا گدہ بچھا ہوا تھا۔ زمین سے ٹیبل کی اونچائی تقریباً تین فٹ تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی نندنی نے لائیٹ آن کر دی تھی۔ اب کمرے میں ایک نیلگوں روشنی پھیل چکی تھی۔ ماحول میں بڑی حد تک پُراسراریت پیدا ہو چکی تھی۔ کامنی کا انداز تھوڑا سہما ہوا تھا لیکن ساحرہ بننے کے شوق میں وہ نندنی اور کاشف کا ساتھ دینے کے لئے مکمل طور پر تیار تھی۔

نندنی نے چند لمحوں کے لئے کھڑکی سے باہر پورن ماشی کے چاند پر نگاہیں جما دیں اور زیر لب سمجھ میں نہ آنے والے الفاظ دہرانا شروع کر دیئے۔ کامنی حیرت زدہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ کاشف کی نظریں کامنی کے پُرشباب بدن کا طواف کر رہی تھیں، اس کے اندر کا شیطان کامنی کا مدہوش کر دینے والا حسن دیکھ کر للچا رہا تھا لیکن نندنی کے کہے بغیر وہ کوئی بھی عملی قدم اُٹھانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

اچانک نندنی نے کھڑکی سے نگاہیں ہٹا کر کامنی کی طرف دیکھا اور سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''تم اپنی مرضی اور خوشی سے ساحرہ بننا چاہتی ہو نا؟''

''ہاں میڈم! میں اپنی مرضی سے ساحرہ بننا چاہتی ہوں۔'' کامنی نے بلا جھجک جواب

دیا۔

''لیکن میری ایک بات پھر بھی سُن اور اگر دورانِ عمل تم نے کسی بھی موقع پر انکار کیا تو پھر جل کر بھسم ہو جاؤ گی۔ میں چاہتے ہوئے بھی تجھے نہیں بچا سکوں گی۔''

''میں... میں کسی بھی بات سے انکار نہیں کروں گی میڈم۔'' اُس نے جلدی سے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' نندنی نے کہا۔ ''پھر جیسا جیسا میں کرتی جاؤں تم نے میری تقلید کرنی ہے۔ ایک لڑکی جب ساحرہ بنتی ہے تو سب سے پہلے اپنے پوتر شریر کو اپوتر کرتی ہے اور ناری کے شریر کو اپوتر ایک مرد ہی کر سکتا ہے۔ سب سے پہلے کاشف تمہارے پوتر شریر کو اپوتر کرے گا اس کے بعد دیگر مراحل طے کرنا تمہارے لئے آسان ہو جائیں گے۔'' نندنی کی بات سُن کر کامنی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں تیار ہوں میڈم آپ عمل شروع کریں۔''

ایک لمحے کے بعد نندنی اور کامنی کاشف کی طرف پشت کر کے کمرے کی کھڑکیوں کے سامنے کھڑی منہ ہی منہ میں کچھ انجان سے الفاظ دہرا رہی تھیں۔ الفاظ دہراتے ہوئے اچانک نندنی نے خود کو بے لباس کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی کامنی کو بھی ایسا کرنے کا اشارہ کر دیا۔ کامنی ذرا سا جھجکی مگر پھر نندنی کی تقلید میں اُس نے اپنا لباس اتارنا شروع کر دیا۔ ذرا دیر بعد وہ دونوں مادر زاد برہنہ کھڑی ہوئی تھیں اور کاشف ندیدے پن سے کامنی کے برہنہ جسم کو دیکھ رہا تھا جو چاند کی شفاف روشنی میں سنگ مرمر کی طرح چمک رہا تھا۔ آج اُسے نندنی کا جسم بے کشش لگ رہا تھا حالانکہ نندنی کے ساتھ اُس نے اَن گنت رنگین راتیں بسر کی تھیں۔

صرف چند لمحوں کے بعد ٹیبل نما بیڈ پر کاشف اور کامنی ایک دوسرے کو وحشیانہ انداز میں بھنبھوڑ رہے تھے جبکہ نندنی اُن کے سر کی جانب بیڈ کے ساتھ لگ کر اکڑوں حالت میں فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کے بے لباس وجود پر پورن ماشی کے چاند کی روشنی براہ راست پڑ رہی تھی۔ اُس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ایک پُراسراری چمک تھی۔

بیڈ پر کاشف اور کامنی کی شہوت انگیز آوازیں گونج رہی تھیں جو نندنی کے وجود کو ایک نادیدہ آگ میں جھلسا رہی تھیں لیکن وہ اس آگ کو بجھانے سے قاصر تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کامنی آنکھیں موندے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر آسودہ قسم کی سانسیں لے رہی تھی۔

کامنی کی آنکھیں بدستور بند تھیں۔ کاشف نے اُسے بے خبر پا کر غیر محسوس انداز میں دایاں ہاتھ آگے بڑھایا اور گدے کے نیچے پڑا ہوا ایک تیز دھار خنجر نکال لیا۔ چاند کی روشنی میں خنجر چمک رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے کاشف کے سپاٹ اور بے رحم چہرے پر ترحم کے تاثرات ابھر کر معدوم ہو گئے۔ دوسرے ہی لمحے اُس کا خنجر والا ہاتھ حرکت میں آیا اور کامنی کی نازک گردن کو کاٹتا چلا گیا۔ اُس کی گردن سے فوارے کی طرح اُبلنے والا گرم گرم خون سیدھا نیچے بیٹھی ہوئی نندنی کے سر اور بدن کو رنگین کرنے لگا۔ بے چاری کامنی کو چیخنے کی مہلت بھی نہیں مل سکی تھی تاہم اُس کے کٹے ہوئے گلے سے چند خرخراتی ہوئی آوازیں ضرور برآمد ہوئی تھیں۔ کاشف نے اُس کے تڑپتے ہوئے جسم کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا لیکن پھر بھی اُس کی گردن سے نکلنے والا خون کاشف کے چہرے کو رنگین کر چکا تھا۔

اس خونی غسل کے بعد نندنی اپنی جگہ سے اُٹھی اور دوبارہ کھڑکی کے نزدیک پہنچ کر پورن ماشی کے چاند پر نگاہیں گاڑ دیں۔ وہ زیر لب کچھ نامانوس قسم کے الفاظ دھرا رہی تھی جو کاشف کی سمجھ سے باہر تھے لیکن نندنی خوب سمجھتی تھی کیونکہ وہ الفاظ اس خونی عمل کا حصہ تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب نندنی کا عمل پورا ہو گیا تو وہ کاشف سے بولی۔ ”تم غسل کر کے صاف کپڑے پہن لو اور میں اس دوران اس لاش کو ٹھکانے لگانے کا بندوبست کرتی ہوں۔“

کاشف اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا اور نندنی لاش کی طرف متوجہ ہو گئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ کامنی کی لاش کو ایک بوری میں بند کر چکی تھی لیکن خود ابھی تک برہنہ پھر رہی تھی اُس کا پورا بدن کامنی کے خون سے رنگا ہوا تھا۔ اس حالت میں اُسے اگر کوئی کمزور دل انسان دیکھ لیتا تو لازماً دہشت کے مارے اُس کے دل کی دھڑکنیں ساکت ہو جاتیں۔

لاش کو بوری میں بند کرنے کے بعد وہ پلک جھپکنے کی دیر میں بوری سمیت انسانی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ کاشف اس دوران باتھ روم میں گھسا غسل کر رہا تھا۔ کامنی نے جہاں چند لمحوں کے لئے اُسے بے حد لطف و سرور دیا تھا۔ وہاں اُس کی موت نے کاشف کو وقتی طور پر افسردہ بھی کر دیا تھا لیکن اُس کا یہ تاثر صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا تھا۔ غسل سے فارغ ہونے اور کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ کامنی کو بھول چکا تھا۔ نندنی کی رفاقت میں نہ صرف یہ کہ وہ ایک اپرادھی بن چکا تھا بلکہ ایمان جیسی انمول دولت بھی لٹا بیٹھا تھا۔ اُس نے کبھی بھول کر بھی خدا تعالیٰ کو یاد نہیں کیا تھا اُس کی زندگی کا دارومدار اور انحصار صرف شراب و شباب پر ہی تھا۔

نندنی اُسے گمراہی کے راستے پر بہت دور تک لے جا چکی تھی۔ اب اگر وہ چاہتا بھی تو واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ والدین کو تو وہ کب کا فراموش کر چکا تھا۔ اُسے اب گناہ آلود زندگی بہت دلکش لگنے لگی تھی۔ قانون کا خوف بھی اُس کے دل سے نکل چکا تھا اور اب تو وہ ویسے بھی بہت خوش تھا کیونکہ نندنی اس کے لئے اور اپنے لئے ہمیشہ جوان رہنے کا عمل شروع کر چکی تھی۔ انسان کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہی ہے کہ وہ بقائے دوام حاصل کر لے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہتا ہے لیکن آج تک کوئی بھی انسان یا جن بقائے دوام حاصل نہیں کر سکا سوائے شیطان مردود کے جسے اللہ تعالیٰ نے حشر کے دن تک مہلت دے رکھی ہے۔

====OOO====

ابھی نارائن چند کے قتل کی تفتیش ابتدائی مراحل میں تھی کہ انسپکٹر عابدی اور اشوک ملہوترا پر یہ نئی افتاد ٹوٹ پڑی تھی۔ اُن کے تھانے کی حدود میں ایک زیر تعمیر عمارت سے ایک نوجوان دوشیزہ کی بوری میں بند لاش ملی تھی۔ لاش کی گردن تقریباً آدھی سے زیادہ کٹی ہوئی تھی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے ذریعے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ قتل کئے جانے سے پہلے مقتولہ کے ساتھ زیادتی بھی کی گئی تھی۔

مقتولہ کا تعلق ایک بااثر فیملی سے تھا۔ اس لئے اے سی پی ارجن سنگھ خود تھانے جا پہنچا

تھا۔

"یہ...... یہ ہو کیا رہا ہے؟" جاتے ہی وہ انسپکٹر عابدی پر چڑھ دوڑا۔ "آخر تم لوگ کیا کر رہے ہو، پورے شہر میں پُراسرار ہلاکتوں کا ایک سلسلہ چل نکلا ہے۔ میڈیا پولیس فورس پر طنز کے تیر چلا رہا ہے اور اہلِ شہر کا پولیس پر سے اعتماد اُٹھتا جا رہا ہے۔ اور تو اور بات سی ایم صاحب کے کانوں تک بھی پہنچ چکی ہے۔ اگر اگلے چوبیس گھنٹوں کے اندر مقتولہ کامنی کے قاتل گرفتار نہ کیے گئے تو پھر پورے تھانے کو معطل سمجھنا۔" شدتِ طیش سے اے سی پی ارجن سنگھ کے نتھنے پھڑک رہے تھے۔

عابدی ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔ "جناب! اس میں ہمارا کوئی دوش نہیں ہے۔ اِس شہر پر کوئی عفریت نازل ہو چکا ہے۔ اِس لڑکی کے قتل سے چند دن پہلے ایک مشہور پجاری کا بیٹا بھی بالکل اسی طرح پُراسرار موت کا شکار ہو چکا ہے۔ مجھے تو یہ قتل بھی اُسی سلسلے کی ایک کڑی لگتا ہے۔"

"میں کچھ سننا نہیں چاہتا۔" اے سی پی ارجن سنگھ گرج کر بولا۔ "قاتل کوئی عفریت ہے یا انسان یہ سوچنا تمہارا کام ہے۔ مجھے صرف قاتل کی گرفتاری سے مطلب ہے سمجھے تم۔"

"ٹھیک ہے سر!" عابدی نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ "میں قاتل کو چوبیس گھنٹوں کے اندر گرفتار کر لوں گا لیکن اِس کے لئے مجھے فی الفور ایک اجازت نامہ درکار ہے۔"

"کس قسم کا اجازت نامہ؟" اے سی پی نے استفسار کیا۔

"مجھے رام مندر پر ریڈ کرنے کی اجازت دی جائے۔ مجرم جو کوئی بھی ہے وہیں چھپا ہوا ہے۔"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا؟ مندر پر چھاپہ مار کر تم کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ کیا مذہبی فسادات پھیلانے کا ارادہ ہے؟" اے سی پی صاحب نے بھڑک کر پوچھا۔

"سوری سر! اگر آپ یہ کام نہیں کر سکتے تو پھر معطل ہونے سے بہتر ہے کہ میں خود ہی استعفیٰ دے دوں۔" عابدی نے تاسف سے جواب دیا۔

اے سی پی صاحب نے ایک لمحے کے لئے چونک کر عابدی کی طرف دیکھا اور پھر

شکست خوردہ انداز میں بولا۔ "ٹھیک ہے میں کوشش کرتا ہوں اگر مندر پر ریڈ کرنے کی اجازت مل گئی تو تمہیں اطلاع کر دوں گا۔ فی الحال تم مجرم کو تلاش کرنے کے لئے کوئی دوسرا لائحہ عمل تیار کر لو۔"

"تھینک یو سر! میں آپ کی اطلاع کا منتظر رہوں گا۔"

"او کے۔ میں نے ابھی مقتولہ کے گھر جا کر اُس کے اہلِ خانہ کو تسلی وغیرہ بھی دی ہے۔ اِس کے علاوہ اخباری رپورٹرز بھی میرے آفس کو گھیرے بیٹھے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں اور کیا نہ کروں؟" اے سی پی صاحب کے چہرے سے مایوسی جھلک رہی تھی۔

عابدی بولا۔ "سر! آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ مجرم چاہے کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو قانون کی نگاہوں سے زیادہ دیر چھپا نہیں رہ سکتا۔ ویسے میں نے الگ سے بھی مجرم کی تلاش کا کام شروع کروا دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد قانون کی گرفت میں ہوگا۔"

"وش یو گڈ لک۔" اے سی پی صاحب اُٹھتے ہوئے بولا۔ "میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کروں گا۔" اتنا کہہ کر وہ عابدی کے آفس سے باہر نکل گیا۔

اے سی پی صاحب کے جانے کے بعد عابدی نے انسپکٹر اشوک ملہوترا کو بلوایا اور اُسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "ملہوترا صاحب! کیا کریں معاملے کا کوئی سر پیر ہی نہیں مل رہا۔ انسپکٹر رنجیت ورما کا قاتل اگر کاشف جمیل ہے تو پھر ایڈووکیٹ انصاری کا قاتل کون ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اپنے وکیل کو وہ خود تو قتل کرنے سے رہا۔"

اشوک ملہوترا نے ایک لمحہ سوچنے کے بعد جواب دیا۔ "سر! مجھے تو اب کاشف کی کہی گئی تمام باتیں سچ لگتی ہیں۔ واقعی کوئی جن زادی ہے جو کاشف کی محبت میں قتل کرتی پھر رہی ہے اور اب تو میں یہ بھی ثابت کر سکتا ہوں کہ ایڈووکیٹ انصاری کو بھی اُسی جن زادی نے ٹھکانے لگایا ہے کیونکہ وہ اگر عدالت میں کاشف کو بری کروا لیتا تو پھر کاشف کسی طرح بھی اُس جن زادی کا کہنا نہ مانتا۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہم نے کاشف کی باتوں پر یقین نہ کر کے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے؟" انسپکٹر عابدی نے ایک ٹھنڈی آہ خارج کرتے ہوئے جواب دیا اور

اشوک ملہوترا اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

''تو پھر اب کیا کریں؟ کیسے تلاش کریں اُس جن زادی کو؟'' عابدی نے مایوس انداز میں سوال کیا۔

''صرف سجاد سر، وہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔ شیطانی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روحانی طاقتیں ہی کام آتی ہیں۔'' انسپکٹر ملہوترا ہندو ہونے کے باوجود ایک حقیقت پسند انسان تھا۔

عابدی بولا۔ ''گو کہ سجاد میرا چھوٹا بھائی ہے لیکن میں اُس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتا تاہم اپنی طرف سے اُس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ اُس سے جو کچھ بھی بن پڑا وہ قانون کی مدد کرے گا لیکن ہمارا مقابلہ جس شاطر انسان سے ہے وہ زبردست شیطانی طاقتوں کا مالک ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ نگاہوں سے اوجھل رہ سکتا ہے۔''

اشوک ملہوترا نے کہا۔ ''سر! مجھے یقین ہے کہ سجاد کے پاس بھی ضرور ایسی مخفی قوتیں ہوں گی جو با آسانی اُس شاطر انسان کا مقابلہ کر سکیں گی۔ آپ اُس سے دوٹوک بات کریں۔ لڑکیوں کے اغوا اور قتل کے اس سلسلے کو فی الفور رکنا ہوگا ورنہ حالات سنگین صورت اختیار کر لیں گے۔''

اشوک ملہوترا کی بات سُن کر اچانک عابدی کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے کے تحت چمک اُٹھیں۔ ''ایک کام ہو سکتا ہے۔'' وہ پُر جوش لہجے میں بولا۔ ''کیوں نہ میں سجاد کو رام مندر میں بھیج دوں۔ مجھے یقین ہے وہ ضرور کوئی نہ کوئی اچھی خبر لائے گا۔''

''بالکل سر! آپ نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ آپ کو آج ہی سجاد کو روانہ کر دینا چاہئے۔ اس معاملے میں زیادہ دیر ہمارے لئے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔''

عابدی نے کہا۔ ''ویسے میں اے سی پی صاحب سے بھی اِس سلسلے میں بات کر چکا ہوں۔ ہو سکتا ہے ہمیں رام مندر پر چھاپہ مارنے کی اجازت مل جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں اب کی بار اُس جن زادی کو جہنم رسید کر کے رہوں گا۔''

''یہ اتنا آسان کام نہیں ہے سر! آپ چاہے کتنے ہی بہادر کیوں نہ ہوں ایک جن زادی

کا مقابلہ نہیں کر سکتے البتہ سجاد صاحب اُس کا مقابلہ ضرور کر سکیں گے۔''

''اگر یہ بات ہے تو پھر ابھی سجاد کے پاس چلتے ہیں آج میں تمہارے سامنے اُس سے دوٹوک بات کروں گا۔''

''چلیے میں تیار ہوں سر۔'' اشوک ملہوترا اُٹھتے ہوئے بولا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں عابدی کے گھر کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ اشوک ملہوترا کو ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد عابدی نے ایک ملازم کو کافی بنانے کا آرڈر دیا اور خود سجاد کے کمرے کی طرف بڑھ گیا کیونکہ سجاد اکثر اپنے کمرے میں ہی موجود رہتا تھا۔ وہ گھر سے باہر کبھی کبھار ہی نکلا کرتا تھا اور وہ بھی انتہائی ضرورت کے تحت۔

عابدی سجاد کے کمرے کے سامنے پہنچ کر ایک دم ٹھٹک کر رک گیا۔ کیونکہ اندر سے کسی کے بولنے کی واضح آواز آ رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ معمولی سا کھلا تھا۔ تاہم عابدی دروازے سے تھوڑا ہٹ کر کھڑا ہوا تھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ شاید سجاد فون پر کسی دوست سے گفتگو کر رہا ہے لیکن جب دوسری آواز بھی اُسے صاف سنائی دینے لگی تو اُس نے کان آواز پر لگا دیئے۔

''ابوسلیمان! اِس تصویر کو غور سے دیکھو۔'' سجاد کہہ رہا تھا۔ ''یہی کاشف جمیل ہے اور یہ مجھے زندہ چاہئے ورنہ میرا بھیا کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے گا۔''

اس کے بعد دوسری آواز سنائی دی جو یقیناً ابوسلیمان کی تھی۔ ''آپ بے فکر رہیں میں اسے بہت جلد ڈھونڈ لوں گا لیکن ....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''لیکن کیا؟'' سجاد نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''دراصل میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ شکل سے تو یہ بہت معقول انسان نظر آ رہا ہے لیکن اس کی کارروائیاں سُن کر دل مغموم ہونے لگتا ہے۔''

''ابوسلیمان!'' سجاد ذرا درشت لہجے میں بولا۔ ''یہ معقول نظر آنے والا شخص ایک خطرناک مجرم ہے اس لئے اس کے متعلق سنجیدگی سے کچھ سوچو۔ خواہ مخواہ پر کسی پر ترس کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قانون اور انسانیت کے مجرم کے لئے تم اپنے دل میں

نرم گوشہ رکھ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' ابوسلیمان کی آواز آئی۔'' آپ بے وجہ چلا کر اپنی توانائی ضائع نہ کریں۔ میرا دل بے شک مغموم ہے لیکن دماغ دل کا ساتھ دینے کی بجائے آپ کا اور قانون کا ساتھ دینا چاہتا ہے۔''

''تمہارا دل کہیں اور دماغ کہیں ہے۔ ایسے میں تم مجرم کا سراغ کیا خاک لگاؤ گے۔ تم ایک جن ہو اس لئے جن بن کر رہو ورنہ واپس لوٹ جاؤ اپنی دنیا میں، میں کوئی اور ساتھی ڈھونڈ لوں گا۔'' سجاد نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور دروازے کے ساتھ لگا ہوا عابدی بے اختیار چونک پڑا۔

''اس کا مطلب ہے کہ سجاد عام نوجوان نہیں ہے۔'' عابدی نے دل ہی دل میں سوچا۔

''دیکھو سجاد.... '' ابوسلیمان کچھ کہتے کہتے ایک دم خاموش ہو گیا۔ ایک ثانیے کے بعد دوبارہ اس کی آواز عابدی کی سماعتوں سے ٹکرائی۔'' ایک تو یہ بڑی مصیبت ہے کہ میں آپ کو بھائی بھی نہیں کہہ سکتا۔ اگر کہہ بھی دوں تو کچھ عجیب سا لگتا ہے ایک انسان اور جن بھلا بھائی کیسے ہو سکتے ہیں۔ اب آپ ہی بتائیں کہ میں آپ کو کیا کہہ کر مخاطب کیا کروں؟''

''عجیب مسخرہ جن ہے۔'' اس کی بات سن کر عابدی نے دوبارہ دل ہی دل میں سوچا۔

سجاد نے جواب دیا۔'' سب سے پہلے تو تم یہ آپ اور جناب کے تکلفات چھوڑ دو۔ اس کے بعد تم مجھے بھائی کہو یا قصائی یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔''

''نان بائی کیسا رہے گا؟'' ابوسلیمان کی کھلکھلاتی ہوئی آواز آئی۔

''مسخرہ پن میں مجھے معلوم ہے کہ تم شاہ جنات کو بھی مات دے چکے ہو، میری کیا اوقات ہے؟'' سجاد کی آواز سنائی دی اور ابوسلیمان نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگا کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

''بہت خوفناک ہنسی ہے یار تمہاری، جی چاہتا ہے تجھے بوتل میں قید کر کے بحر ہند میں پھینک دوں تا کہ نہ رہے جن اور نہ گونجے جناتی قہقہہ۔'' سجاد نے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے جواب دیا اور باہر کھڑا ہوا عابدی غیر ارادی طور پر اندر داخل ہو گیا۔

''آپ بھائی جان اور یوں اچانک؟'' سجاد اسے سامنے دیکھ کر ایک دم بوکھلا اٹھا۔

''ارے بھئی تمہارا یہ دوست تو بہت دلچسپ آدمی ہے لیکن میں اسے پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ کہاں کا رہنے والا ہے یہ؟'' عابدی نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''یہ... نہیں بھائی جان یہ احمد آباد کا رہنے والا ہے اور اس کا باپ غلے کا ایک بہت بڑا تاجر ہے۔ اس کا نام ابو... نہیں صرف سلیمان ہے اور یہ یہاں کی مارکیٹ دیکھنے کے لئے آیا ہے۔ دراصل اس کا باپ یہاں بھی غلے کا کاروبار کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔'' سجاد نے حواس باختہ ہو کر جواب دیا اور ابوسلیمان نے دوبارہ ایک ہولناک قہقہہ لگا دیا۔

''بے کار میں اپنی توانائی ضائع کر رہے ہو اسے سب معلوم ہے۔'' ابوسلیمان نے دلچسپی سے عابدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور سجاد کھسیانا سا ہو کر رہ گیا۔

عابدی نے فوراً کہا۔'' گو کہ یہ اخلاقیات کے خلاف ہے مگر پھر بھی مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ میں نے چھپ کر تم لوگوں کی گفتگو سنی ہے۔ میں ابوسلیمان کی حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہوں اور یہ امید بھی کرتا ہوں کہ تم لوگ میری معذرت قبول کر لو گے۔''

ابوسلیمان بولا۔'' صرف سجاد سے چھپ کر آپ نے ہماری گفتگو سنی ہے ورنہ مجھے تو معلوم تھا کہ آپ دروازے سے لگے کھڑے ہیں۔''

عابدی نے کہا۔'' اٹھو چل کر ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں وہاں انسپکٹر اشوک ملہوترا اکیلا بیٹھا بور ہو رہا ہوگا۔ اسے کمپنی دیتے ہیں۔''

''لیکن ابوسلیمان کا ہمارے ساتھ رہنا کچھ ٹھیک نہیں لگتا۔ انسپکٹر ملہوترا یقیناً اس کے بارے میں جاننا چاہے گا۔'' سجاد نے اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''انسپکٹر ملہوترا سے بھی تم اس کا وہی تعارف کروانا جو مجھ سے کرا چکے ہو۔''

''ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔'' ابوسلیمان نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

ذرا دیر کے بعد وہ چاروں ڈرائنگ روم میں موجود تھے اور انسپکٹر ملہوترا دل کھول کر قہقہے لگا رہا تھا کیونکہ ابوسلیمان اپنی عادت کے مطابق مذاق سے باز نہیں آیا تھا۔

یونہی باتوں باتوں میں عابدی نے سجاد سے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔ ''تم نے یہ تو ابھی تک بتایا نہیں ہے کہ کاشف جمیل کون سی نادیدہ طاقت کے بل بوتے پر جرائم کرتا پھر رہا ہے؟''

''کیا یہ بتانا ضروری ہے بھائی جان۔'' سجاد نے ٹالنے کے انداز میں بولا۔'' حالانکہ میں اور ابوسلیمان ویسے بھی آپ لوگوں کی مدد کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔''

''بالکل ضروری ہے۔ عابدی نے پُر زور انداز میں کہا۔ ''تم نے آج تک ہمیں کوئی روحانی کمال تو دکھایا ہی نہیں ہے۔ بس خالی خولی کے عامل بنے پھر رہے ہو۔''

''ٹھیک ہے بھائی جان! مجھے آپ کا چیلنج قبول ہے۔'' اتنا کہہ کر سجاد نے فوراً مراقبے کے انداز میں آنکھ بند کر لیں اور وہ تینوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

تقریباً پندرہ منٹ کے مراقبے کے بعد سجاد نے آنکھیں کھول کر ان تینوں کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھا اور پھر سنجیدہ لہجے میں بولا۔'' کاشف کی مدد ایک جن زادی کر رہی ہے اور اس کا تعلق ہندو مذہب سے ہے۔''

''اس جن زادی کا نام بتا سکتے ہو؟'' عابدی نے سوال کیا۔

''اس کا نام نندنی ہے۔'' سجاد نے بلاتردد جواب دیا۔ اس کا جواب سن کر عابدی اور اشوک ملہوترا کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیلتی چلی گئیں۔ ان دونوں کو رہ رہ کر کاشف کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

====OOO====

آدھی رات کا وقت تھا۔ رام مندر اندھیرے کی سیاہ چادر میں لپٹا بہت ہیبت ناک نظر آ رہا تھا۔ پُرسکوت فضا کو جھینگروں کی آوازیں مرتعش کر کے ماحول کو مزید پُراسرار بنا رہی تھیں۔ قمری مہینے کی آخری تاریخیں ہونے کی وجہ سے تاریکی اس قدر تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

ویسے بھی رام مندر آبادی سے تھوڑا ہٹ کر واقع تھا۔ شہر کے لوگ دن کے اوقات میں بھی بہت کم ادھر کا رخ کرتے تھے۔ رات کے وقت تو کوئی بھولا بھٹکا شخص ہی اس طرف آ سکتا تھا۔ اس مندر کے متعلق مشہور تھا کہ یہاں بھٹکی ہوئی بری آتماؤں کا بسیرا ہے۔ اکثر

لوگ تو یہ بھی کہتے ہوئے پائے گئے تھے کہ رام مندر میں بہت خوفناک چڑیلیں رہتی ہیں۔ ایسی چڑیلیں جو انسان کا سینہ چیر کر دل اور کلیجہ نکالنے بعد اُسے چبا لیتی ہیں۔

ان سب باتوں میں کتنا سچ اور کتنا جھوٹ تھا انسپکٹر عابدی کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ توہم پرست نہیں تھا لیکن ایک مسلمان ہونے کے ناطے جنات کو برحق مانتا تھا۔ تاہم روحوں اور چڑیلوں کے وجود سے اُسے انکار تھا اور وہ انہیں محض توہم پرستی ہی سمجھتا تھا۔ آج رات اس نے سجاد اور ابوسلیمان کو رام مندر کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اسے امید تھی کہ نندنی نہ سہی کاشف تو ان کے ہاتھ لگ ہی جائے گا اور پھر کاشف کے ذریعے نندنی تک پہنچنا مشکل ضرور تھا لیکن ناممکن نہیں تھا۔

مندر کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ اُسے اُمید تھی کہ نندنی نہ سہی کاشف تو ان کے ہاتھ لگ ہی جائے گا اور پھر کاشف کے ذریعے نندنی تک پہنچنا مشکل ضرور تھا لیکن ناممکن نہیں تھا۔

یکا یک رام مندر کے صدر دروازے کے پاس دو انسانی ہیولے نمودار ہو کر رک گئے۔ یہ سجاد اور ابوسلیمان تھے۔ سیاہ لباس کی وجہ سے وہ اندھیرے ہی کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے۔

''ہم دونوں کے گرد ایک مقدس حصار قائم ہے تاہم اس حصار سے باہر شیطانی قوتیں ہمیں ڈرانے کی ہر ممکن کوشش کریں گی اس لئے دل کو مضبوط رکھنا۔'' ابوسلیمان سرگوشی کے انداز میں اُسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''جو شخص تم جیسے بدصورت جن سے نہیں ڈرتا وہ بھلا چھوٹی موٹی بلاؤں سے کیسے ڈرے گا؟'' سجاد نے اُس کا مذاق اڑاتے ہوئے جواب دیا۔

''تو پھر میرا ہاتھ تھام کر آنکھیں بند کر لو میں مندر میں داخل ہونے لگا ہوں۔'' اتنا کہہ کر ابوسلیمان نے ہاتھ آگے بڑھا دیا جسے سجاد نے بلاتردد تھام لیا۔ سجاد نے جونہی آنکھیں بند کیں اُس کے پیروں نے زمین چھوڑ دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ دونوں فضا میں اُڑتے ہوئے مندر کی بلند و بالا دیوار کے اُوپر سے گزر کر مندر کے احاطے میں پہنچ گئے۔ زمین پر پاؤں لگتے ہی سجاد نے آنکھیں کھول دیں لیکن سوائے تاریکی کے اُسے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا

تھا۔ ابوسلیمان بھی اُس کے ساتھ کھڑا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں کچھ دیکھنے کی کوشش کررہا تھا لیکن ہر سو اندھیرے کا راج تھا۔

''اب کیا کریں مسٹر سجاد؟'' ابوسلیمان نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''شرم کرو یار! تم جن ہو کر ایک انسان سے سوال کررہے ہو؟ کیسا عبرت کا مقام ہے۔ کاش تمہاری جگہ میں جن ہوتا تو پھر تمہیں پتا چلتا کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''جن ہوں تو کیا ہوا؟ کیا سوال صرف انسان پوچھتے ہیں اور جنوں کو غائب کا علم ہوتا ہے۔'' ابوسلیمان نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور سجاد بے اختیار ہنس پڑا۔

''ہنسنے کے لئے بہت وقت پڑا ہے یہ عمل کا وقت ہے اس لئے آگے بڑھو۔'' ابوسلیمان نے اندرونی عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اب وہ دونوں چوکنے انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ پورے مندر میں اعصاب شکن سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس قدر سکوت تھا کہ انہیں اپنے دلوں کی دھڑکن بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ اُن دونوں کی آنکھیں اب اندھیرے میں تھوڑا بہت دیکھ سکتی تھیں۔ احاطے میں سے گزرتے ہوئے اب وہ مندر کے برآمدے میں پہنچ چکے تھے۔ اچانک اُن کی سماعتوں سے ایک دہشت ناک چیخ ٹکرائی اور وہ ایک دم ٹھٹک کر رک گئے۔ سجاد کا دل پہلو میں پارے کی طرح اچھل رہا تھا۔ وہ بزدل نہیں تھا لیکن مندر کا دہشت ناک ماحول اُسے لرزا رہا تھا۔

''ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' ابوسلیمان سرگوشی کے انداز میں بولا۔ ''وہ جن زادی ہمارا مقابلہ کرنے کی کوشش کررہی ہے مگر اُسے ابوسلیمان کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ میں اُسے تگنی کا ناچ نچا کر چھوڑوں گا۔''

ابوسلیمان کی بات جونہی ختم ہوئی اُن کے چاروں طرف نسوانی قہقہے گونجنے لگے۔ سجاد کی سماعتوں پر یہ قہقہے ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے مگر ابوسلیمان کی موجودگی میں وہ خود کو محفوظ سمجھ رہا تھا۔

''ہمت ہے تو سامنے آ کر مقابلہ کر بدکار آتش زادی!'' اچانک ابوسلیمان نے پوری

قوت سے چلا کر کہا۔

''تو مورکھ ہے ابوسلیمان! تو نہیں جانتا کہ میں مہان شکتی کی مالک ہوں۔ جا چلا جا یہاں سے تمہاری پہلی غلطی کو میں تمہاری بھول سمجھ کر معاف کر دوں گی۔'' ایک گونجتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی اور ابوسلیمان چوکنا ہو گیا۔

''چلو میں مورکھ ہی لیکن تم سامنے کیوں نہیں آ رہی ہو؟'' ابوسلیمان نے نڈر انداز میں جواب دیا۔

''میں سامنے آگئی تو تمہارا یہ نادان دوست اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکے گا۔ میں جانتی ہوں انسپکٹر عابدی تجھے چارے کے طور پر استعمال کر رہا ہے مگر وہ تم سے بھی بڑا مورکھ ہے۔ وہ صرف مجھے گرفتار کرنے کے سپنے دیکھ سکتا ہے عملاً کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ زندگی پیاری ہے تو واپس لوٹ جاؤ۔''

''میں عابدی کا بھائی ہوں۔'' ابوسلیمان کی بجائے سجاد بولا۔ ''اور آج میں تجھے چیلنج کرتا ہوں کہ تمہارا انت انشاءاللہ میرے ہاتھ سے ہوگا اور جس اپرادھی کو تم نے پناہ دے رکھی ہے زندہ وہ بھی نہیں بچے گا۔''

''مجھے تمہارا چیلنج قبول ہے۔'' جھنکارتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دی۔ ''سنبھل جاؤ میں وار کرنے لگی ہوں۔ آج میں تم دونوں کو تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔''

آواز سنتے ہی اُن دونوں کے اعصاب تن گئے اور رگوں میں لہو کی روانی تیز ہو گئی ابھی وہ کچھ سوچ بھی نہیں پائے تھے کہ معاً پورا مندر ایک تیز روشنی میں نہا گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے آدھی رات کو سورج نکل آیا ہو۔ اس تیز روشنی میں انہوں نے اپنے اردگرد دیکھا تو بے شمار چھوٹے بڑے سانپ پھنکار رہے تھے۔ سانپوں کے مونہوں سے لپکتی ہوئی آگ انہیں صاف نظر آ رہی تھی۔ یہ صورتحال دیکھ کر ابوسلیمان نے فوراً سجاد کے گرد ایک حصار کھینچا اور پھر مطمئن انداز میں بولا۔ ''تم اس حصار سے باہر قدم مت رکھنا۔ یہ تجھے چھو بھی نہیں سکیں گے۔ یہ سفلی دنیا کے عامل کے مہرے ہیں۔ تم دیکھو میں ان کا کیا حشر کرتا ہوں۔'' اتنا کہہ کر ابوسلیمان نے اندر کی طرف زور سے سانس کھینچا اور دوسرے ہی لمحے وہ ایک جسیم اژدہے

میں تبدیل ہو چکا تھا۔

سجاد حیرت زدہ سا ہو کر یہ دہشت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔ آتشی مخلوق کی خوفناک جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اژدہا بڑی سرعت کے ساتھ اُن سانپوں کو نگلتا جا رہا تھا۔ ایک بھی سانپ اژدہے سے نہیں بچ پایا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میدان خالی ہو چکا تھا۔

سانپوں کے ختم ہوتے ہی ابوسلیمان دوبارہ اپنی اصل شکل میں واپس آ چکا تھا۔ ''تو خود سامنے آ کر مقابلہ کیوں نہیں کرتی؟'' ابوسلیمان نے اونچی آواز میں کہا۔ ''تمہارے یہ وہم سے شعبدے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ہمت ہے تو آ اور میرا مقابلہ کر، میں دیکھتا ہوں تو کتنی مہان ہستی ہے اور تیرے پاس کون سی شکتیاں ہیں جن کے بل پر تو اترا رہی ہے۔''

''اِن حقیر سانپوں کو ختم کر کے تُو خود کو بہت بڑا گیانی سمجھنے لگا ہے۔ یہ تو صرف شروعات ہے۔ آگے آگے دیکھ کیا ہوتا ہے۔'' نسوانی آواز عالم طیش میں چلا کر بولی۔

''میں منتظر ہوں تمہارے دوسرے وار کا۔ تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے کرو۔ میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' ابوسلیمان نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا۔

''لو پھر سنبھلو۔'' نسوانی آواز گونجی اور اس کے ساتھ ہی اُن پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی لیکن ایک بھی تیر اُن کے جسم کو نہیں چھو رہا تھا۔ تیر اُن سے چند قدموں کے فاصلے پر گر رہے تھے۔

''حصار سے باہر مت نکلنا۔'' ابوسلیمان نے سجاد کو تاکید کرتے ہوئے کہا اور پھر نسوانی آواز سے چلا کر بولا۔ ''یہ احمقانہ حرکتیں چھوڑ دو تمہیں ابھی پوری طرح میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم خود کو میرے حوالے کر دو ہو سکتا ہے میں تمہیں معاف کر دوں۔''

''تم میں اگر اتنی ہی ہمت ہے تو اس حصار سے باہر قدم رکھ کر دیکھو۔ پھر تمہیں اپنی طاقت کا اندازہ خود ہی ہو جائے گا۔'' نسوانی آواز نے اُسے چیلنج کرتے ہوئے کہا۔

''چل پھر تیری یہ تمنا بھی پوری کئے دیتا ہوں لیکن اتنا یاد رکھنا کہ اس کے بعد جب میں وار کروں گا تو تم کوشش کے باوجود بچ نہیں پاؤ گی۔'' اتنا کہہ کر ابوسلیمان حصار سے باہر نکل

گیا اور پھر اُس پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی مگر جو بھی تیر اُس کے نزدیک پہنچتا تھا اُسے خود بخود آگ لگ جاتی تھی۔

تیروں کی یہ برسات کافی دیر تک جاری رہی لیکن ابوسلیمان کو ایک ہلکی سی خراش بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔

''اب تم بچ کر دکھاؤ میرے وار سے بدکار جن زادی۔'' ابوسلیمان نے طیش کے عالم میں اُسے پکارا اور پھر دوسرے ہی لمحے مندر میں چاروں طرف آگ بھڑک اٹھی۔ ابوسلیمان بڑی تیزی کے ساتھ زیر لب کچھ پڑھتا جا رہا تھا اور آگ کے شعلے مندر کے ایک ایک کمرے کو جلا کر راکھ کر رہے تھے۔

پورا مندر دہشت ناک چیخوں سے گونج رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اچانک قیامت برپا ہو گئی ہو۔ چاروں سے آہ و بکا اور چیخ و پکار کی آوازیں آ رہی تھیں۔ رات کے سناٹے کو چیرتی ہوئی یہ بھیانک چیخیں دور دور تک سنائی دے رہی تھیں۔ یہ سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا مگر اُن دونوں پر کوئی جوابی وار نہ ہوا تب ابوسلیمان گرجتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ارے او مہان شکتیوں کی مالک بیوقوف جن زادی! کہاں چھپ گئی ہو؟ میں تمہارے جوابی حملے کا بڑی شدت سے انتظار کر رہا ہوں، سامنے آؤ ورنہ اس مندر کی راکھ کے ساتھ راکھ ہو جاؤ گی۔''

مگر اُسے کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے دوبارہ سہ بارہ پکارا لیکن ہر سو خاموشی چھائی رہی۔ آگ کے شعلے ابھی تک بھڑک رہے تھے اور مندر کے کمرے بڑی تیزی کے ساتھ جل رہے تھے۔

''آگ بجھا دو ابوسلیمان۔'' اچانک سجاد اُسے پکارتے ہوئے بولا۔ ''شاید وہ فرار ہو چکی ہے۔''

ابوسلیمان نے فوراً ہاتھ سے چاروں طرف اشارہ کیا اور پلک جھپکنے کی دیر میں آگ بجھ چکی تھی تاہم ابھی مندر سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔

''اب حصار سے باہر آ جاؤ مندر کی تلاشی لیتے ہیں۔'' ابوسلیمان سجاد کو اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ مندر کے جلے ہوئے کمروں میں جھانکتے پھر رہے تھے۔ انہیں چند ایک سوختہ لاشیں ملی تھیں لیکن اُن میں کاشف کی لاش نہیں تھی۔

''یقیناً وہ فرار ہو چکے ہیں۔'' ابوسلیمان نے کہا۔ ''لیکن بچ کر جائیں گے کہاں؟ میں اُنہیں پاتال سے بھی ڈھونڈ لاؤں گا۔''

''ننڈنی بہت چالاک جن زادی ہے میرے دوست! مجھے تو لگتا ہے کہ وہ مندر میں تھی ہی نہیں۔'' سجاد نے جواباً کہا۔

''تو اب کیا کریں؟ واپس چلیں یا پھر ننڈنی کی تلاش جاری رکھیں، ہو سکتا ہے وہ یہیں کہیں چھپی ہوئی ہو۔''

سجاد بولا۔ ''آج کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ ایک بزدل جن زادی ہے اور ہمیشہ دھوکے سے وار کرتی ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد ہم اُس پر قابو پالیں گے۔''

''ٹھیک ہے پھر واپس چلتے ہیں۔'' ابوسلیمان نے کہا۔ ''مگر ہمیں ایک خیال رکھنا پڑے گا۔ ننڈنی انتقاماً تمہارے بھائی عابدی پر وار کر سکتی ہے۔''

ابوسلیمان کی بات سن کر کسی انجانے خطرے کے تحت بے اختیار سجاد کا دل دھڑک اٹھا لیکن اُس نے اپنی اس پریشانی کا اظہار ابوسلیمان کے سامنے نہیں کیا تاہم ابوسلیمان سے اُس نے یہ کہہ دیا تھا کہ انہیں جلد از جلد واپس جانا چاہئے۔ ابوسلیمان نے بلا تردد اُس کا ہاتھ تھاما اور اُسے آنکھیں بند کرنے کا کہہ کر کے واپسی کے لئے تیار ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ دونوں فضا میں بلند ہو چکے تھے۔

====OOO====

عابدی اپنی خواب گاہ میں محو استراحت تھا۔ اُس نے سجاد سے کہہ دیا تھا کہ جب وہ رام مندر سے واپس آئے تو فوراً اُسے جگا دے۔ سجاد کے علاوہ عابدی کی صرف ایک بہن اور والدہ تھی۔ بہن تو کب کی پیا دیس سدھار چکی تھی تاہم والدہ اُن کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ عابدی کے باپ کے انتقال کو دس برس بیت چکے تھے۔ عابدی کی طرح وہ بھی ایک پولیس والا تھا اس لئے ایک دن کسی مجرم کی گولی کا نشانہ بن گیا۔

باپ کی ناگہانی موت کے بعد عابدی بڑے کٹھن مراحل طے کرنے کے بعد موجودہ مقام تک پہنچا تھا۔ بڑی بہن کی شادی کے اور چھوٹے بھائی کے تعلیمی اخراجات اُس نے نہ جانے کن کن دشواریوں کا سامنا کرتے ہوئے پورے کئے تھے۔ انہی مشکلوں اور مصائب کی وجہ سے وہ خود ابھی تک کنوارہ پھر رہا تھا حالانکہ وہ زندگی کی پینتیس بہاریں دیکھ چکا تھا۔ اُس کے ساتھ کے کئی دوست تین تین بچوں کے باپ بن چکے تھے۔ ماں اکثر اُس پر شادی کے لئے زور دیتی رہتی تھی لیکن وہ پیشہ ورانہ فرائض میں کچھ اس طرح اُلجھا ہوا تھا کہ اُسے سر پر سہرا باندھنے کی مہلت ہی نہیں مل رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک تو سجاد اور ابوسلیمان کی واپسی کا انتظار کرتا رہا تھا لیکن جب اُس پر نیند کا غلبہ ہوا تو نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بستر پر دراز ہو گیا تھا۔ سجاد سے تو وہ پہلے ہی کہہ چکا تھا اس لئے اُس نے بے وجہ نیند سے لڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

خوابگاہ میں ایک زیرو پاور کا بلب جل رہا تھا جس کی ملگجی سی روشنی میں چیزیں واضح نظر نہیں آ رہی تھیں۔ موسم گرما ہونے کی وجہ سے خوابگاہ کی دونوں کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں لیکن کھڑکیوں کے درمیان لوہے کی گرل تنی ہوئی تھی۔ یکایک ایک کھڑکی سے سیاہ رنگ کا سانپ رینگتا ہوا خوابگاہ میں داخل ہو گیا۔ عابدی سانپ کی موجودگی سے بے خبر غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ اُسے معلوم ہی نہیں تھا کہ موت ایک موذی جانور کی شکل میں آہستہ آہستہ اُس کی جانب بڑھ رہی ہے۔ تبھی تو سیانے کہتے ہیں کہ سویا ہوا اور مرا ہوا انسان ایک جیسے ہوتے ہیں۔ نہ مرے کو علم ہوتا ہے کہ اُس کے ارد گرد کیا ہو رہا ہے اور نہ ہی محو استراحت شخص کو۔

سیاہ سانپ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا عابدی کے بستر کے بالکل نزدیک پہنچ گیا۔ معاً عابدی نے کروٹ بدلی اور اس کا ایک پاؤں بستر سے نیچے لٹکنے لگا۔ سانپ کی گول گول آنکھیں اس کے لٹکتے ہوئے پاؤں پر جم کر رہ گئیں اور اس کی دو شاخہ زبان نہایت خطرناک انداز میں متحرک تھی۔ سانپ بس عابدی کے پاؤں پر ڈسنے ہی والا تھا کہ اچانک کھلی ہوئی کھڑکی سے ایک نیولا اندر کودا اور پھر بجلی کی سی تیزی سے سانپ پر جھپٹ پڑا۔ سانپ اس اچانک افتاد سے ایک دم حواس باختہ ہو کر بستر کے نیچے گھس گیا لیکن نیولا کسی طرح بھی اس کی جان

چھوڑنے کیلئے تیار نہیں تھا اس لئے وہ بھی سانپ کے تعاقب میں بستر کے نیچے گھس گیا۔

سانپ نیولے کو ڈرانے کیلئے خوفناک انداز میں پھنکار رہا تھا مگر نیولا ڈرنے کی بجائے بار بار سانپ پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ سانپ جونہی جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کرتا نیولا ایک جست لگا کر دوبارہ اس سے لپٹ جاتا۔ عابدی اس دہشت ناک لڑائی سے بے خبر بدستور سو رہا تھا۔

سانپ زخموں سے نڈھال ہو چکا تھا اور اب اس میں اتنی بھی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ رینگ کر کسی کونے کھدرے میں چھپنے کی کوشش کرتا۔ وہ بے بسی کی حالت میں کمرے کے فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ جب نیولے کو یہ اطمینان ہو گیا کہ اب سانپ رینگنے سے قاصر ہو چکا ہے تو اس نے سانپ کو چھوڑ دیا۔

پھر دیکھتے ہی دیکھتے نیولے کی جگہ ابو سلیمان کھڑا تھا۔ اس کا سانس چڑھا ہوا تھا اور بدن پسینے سے شرابور تھا۔ انسانی شکل میں آتے ہی وہ تحقیر آمیز انداز میں سانپ سے مخاطب ہوا۔

''تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم اب اپنے اصلی روپ میں آ جاؤ ورنہ تجھے ختم کرنے میں مجھے ایک لمحے کی دیر بھی نہیں لگے گی۔''

ابو سلیمان کی بات سن کر سانپ فرش پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ ایک ثانیے کے بعد فرش پر سانپ کی جگہ ایک نوجوان لڑکی زخمی حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کے زخموں سے رستے والا خون فرش پر آڑی ترچھی لکیریں بنا رہا تھا۔ وہ کینہ توز نگاہوں سے ابو سلیمان کو گھور رہی تھی لیکن ابو سلیمان اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بدستور اسے حقارت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اتنا تو میں جانتا ہوں کہ تم نندنی نہیں ہو۔'' ابو سلیمان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم مجھے نندنی کا پتا دو تو میں تمہاری جان بخشی کا وعدہ کر سکتا ہوں۔''

لڑکی نے کمزوری آواز میں جواب دیا۔ ''تم نے ٹھیک پہچانا ہے میں نندنی نہیں ہوں بلکہ اس کی ایک معمولی سے غلام ہوں۔ تم مجھے معاف کر دو یا ہلاک لیکن مجھے نندنی کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔''

اسی اثناء میں اچانک عابدی کی آنکھ کھل گئی اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''تم اور میری خوابگاہ میں؟ خیر تو ہے تمہیں اور سجاد کو تو میں نے رام مندر کی طرف بھیجا تھا' کیا تم واپس آ گئے ہو؟ اور یہ سجاد کہاں ہے؟ اسے فوراً بلاؤ۔''

ابو سلیمان مسکراتے ہوئے بولا۔ ''عابدی صاحب ذرا اپنی دائیں جانب دیکھئے۔''

عابدی نے فوراً دائیں طرف رخ بدلا اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

''کیا کیا یہ نندنی ہے؟'' اس نے خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت میں سوال کیا۔

''نہیں۔'' ابو سلیمان نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ نندنی نہیں ہے بلکہ اس کی ایک معمولی سی غلام ہے۔ ابھی میں اس سے پوچھ گچھ کر ہی رہا تھا کہ آپ جاگ اٹھے۔''

''اس کا مطلب ہے کہ یہ کوئی عام سی جن زادی ہے۔'' عابدی کے لہجے میں تاسف تھا۔

''یہ بس یوں سمجھئے کہ بھاگتے چور کی لنگوٹی ہے۔ شاید اس کے ذریعے ہم نندنی تک پہنچ جائیں۔'' ابو سلیمان نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا اور عابدی سر ہلا کر رہ گیا۔

''دیکھو۔'' عابدی دوبارہ ابو سلیمان سے مخاطب ہو کر بولا۔ ''اس پر کڑی نگاہ رکھو بلکہ یوں کرو کہ اسے کسی خفیہ مقام پر لے جا کر قید کر دو۔ مجھے یقین ہے کہ نندنی اسے آزاد کروانے کی کوشش ضرور کرے گی تب ہم اس پر آسانی سے ہاتھ ڈال سکیں گے۔''

''بالکل میں یہی کروں گا لیکن پہلے اپنی تفتیش تو مکمل کر لوں' ہو سکتا ہے اس سے کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔'' اتنا کہہ کر ابو سلیمان زخمی لڑکی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''میں مانتا ہوں کہ تجھے نندنی کے تعلق کچھ بھی معلوم نہیں ہے لیکن پھر بھی میں تجھے آزاد نہیں کر سکتا۔ گو کہ میری براہ راست تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے مگر تو نندنی جیسی سنگدل اور بدکار جن زادی کی آلہ کار ہے اس لئے تم پر رحم نہیں کیا جا سکتا۔''

لڑکی نے رحم طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں بھی تمہاری طرح نادیدہ مخلوق سے تعلق رکھتی ہوں۔ اس لئے مجھے تم سے بھلائی کی توقع ہے۔ ویسے بھی تم خود کہہ چکے ہو کہ تمہاری میرے ساتھ براہ راست کوئی دشمنی نہیں ہے۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ تیرا تعلق غیر مسلم جنات سے ہے اور میں ایک مسلمان ہوں اور

دوسری بات یہ ہے کہ تو برائی کے راستے پر گامزن ہے مگر میں پھر بھی تجھے جان سے نہیں ماروں گا تاہم یہ بات طے ہے کہ میں تجھے قید میں ضرور رکھوں گا۔ ہاں ایک وعدہ تم سے کر سکتا ہوں کہ جس روز میں نے نندنی کا خاتمہ کر دیا اسی دن تمہیں اپنی قید سے آزاد کر دوں گا۔" ابوسلیمان نے سنجیدگی سے کہا۔

لڑکی نے کہا۔ "نندنی کبھی بھی تمہارے ہاتھ نہیں لگے گی۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا اصل ٹھکانا کہاں ہے۔ رام مندر پر شاید تم نے یہ سوچ کر دھاوا بول دیا ہوگا کہ نندنی وہاں رہتی ہے لیکن وہاں تو نندنی کبھی کبھار ہی آتی ہے۔"

"میں صرف اتنا جانتا ہوں۔" ابوسلیمان بولا۔ "کہ نندنی ایک نہ ایک دن ضرور میرے ہاتھ لگے گی اور وہی دن اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا لیکن فی الحال تم مجھے صرف اتنا بتا دو کہ نندنی کے ساتھ تم نے کسی کاشف نامی نوجوان شخص کو دیکھا ہے؟"

"کئی بار دیکھ چکی ہوں لیکن اس کے متعلق میں زیادہ نہیں جانتی بلکہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ نندنی کے ساتھ اس کے تعلقات کس نوعیت کے ہیں؟ تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی زبردست عامل ہو جس نے اپنے علم کے ذریعے نندنی کو غلام بنا رکھا ہو لیکن تم اس کے متعلق کس لئے جاننا چاہتے ہو؟"

ابوسلیمان بولا۔ "وہ قانون کا مجرم ہے اس کی وجہ سے ایک ایماندار اور فرض شناس پولیس آفیسر کی اپنے افسران بالا کے سامنے بے عزتی ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ وہ کئی بے گناہ لوگوں کے قتل میں بھی ملوث ہے۔"

"مجھے جتنا کچھ معلوم تھا وہ میں نے تجھے بتا دیا ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتی۔ اب کچھ میرے زخموں کے علاج کے بارے میں سوچو میں بہت تکلیف میں ہوں۔"

اس کی بات سن کر ابوسلیمان فوراً انسپکٹر عابدی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "عابدی صاحب! مجھے صرف تھوڑی دیر کیلئے اجازت دیجیے۔ میں اسے اپنی بستی میں چھوڑ کر فوراً واپس لوٹ آؤں گا۔ بستی میں اس کے زخموں کا علاج بھی ہو سکے گا اور وہاں سے یہ فرار بھی نہیں ہو سکے گی۔"

عابدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے جاؤ میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا لیکن جانے سے پہلے سجاد سے ملتے جانا۔"

ابوسلیمان نے آگے بڑھ کر زخمی لڑکی کا بازو تھام لیا اور پھر پلک جھپکنے کی دیر میں وہ دونوں عابدی کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

====OOO====

رام مندر سے نندنی بڑی مشکل کے ساتھ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس وقت اگر کاشف اس کے ساتھ ہوتا تو پھر کوئی بھی انہونی واقع ہو سکتی تھی لیکن خوش قسمتی سے کاشف اس رات اس کے ساتھ رام مندر میں موجود نہیں تھا ورنہ ابوسلیمان جیسے طاقتور جن سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ اس نے پورے رام مندر کو پھونک ڈالا تھا۔ نندنی کے بہت سے مددگار موکل اس لڑائی میں مارے گئے تھے۔

گزشتہ چند روز سے نندنی ایک بڑھیا کے روپ میں اپنی شہر والی کوٹھی میں رہ رہی تھی۔ کاشف کی شکل بھی اب اس نے میک اپ کے ذریعے بڑی حد تک تبدیل کر دی تھی۔ اب وہ دیکھنے والوں کو پہلی نظر میں ایک شیخی سا پروفیسر لگتا تھا۔ اس کی ناک پر ہر وقت ایک سنہری فریم کا چشمہ برقرار رہتا تھا اور ہاتھ میں نوٹ بک یا کوئی نہ کوئی کتاب موجود رہتی تھی تاہم وہ گھر سے باہر بھی کبھار ہی نکلا کرتا تھا اور وہ بھی انتہائی ضرورت کے تحت۔

نندنی شاید ابوسلیمان کے خوف سے وہ شہر بھی چھوڑ جاتی لیکن اسے اپنا عمل ادھورا چھوڑنا کسی صورت میں بھی گوارا نہیں تھا۔ اس کا سب سے اہم بات یہ تھی کہ یہ ایک ہی مقام پہ پورا کرنا پڑتا تھا۔ نندنی نے کئی لڑکی کے خون سے غسل رام مندر میں کیا تھا اس لئے اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ وہ باقی کی گیارہ لڑکیوں کے خون سے غسل بھی وہیں کرتی۔

رام مندر کو ابوسلیمان نے رہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا تھا اور دوسرا وہاں رہنے میں نندنی کو ابوسلیمان کی طرف سے شدید خطرہ بھی تھا۔ ابوسلیمان وہاں دوبارہ دھاوا بول سکتا تھا۔ نندنی کو بخوبی یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ ابوسلیمان طاقت میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے وہ وقتی طور پر روپوش ہو چکی تھی لیکن کاشف اس روپوش زندگی سے عاجز آ چکا تھا۔ چند

روز کے بعد ہی اس کی جنسی بھوک پوری شدت کے ساتھ جاگ اٹھی تھی اور اس نے نندنی سے اصرار کرنا شروع کر دیا تھا کہ اسے کامنی جیسی ہی نوعمر لڑکی کی ضرورت ہے۔

نندنی مختلف روپ دھار دھار کر اس کی جنسی بھوک مٹانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن وہ مطمئن ہونے کی بجائے بے چین ہوتا جا رہا تھا۔

''مجھے آج ہی ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی چاہئے۔'' ایک روز صبح ہی صبح اس نے نندنی سے پُر اصرار انداز میں کہا۔

''ابھی باہر جانے میں خطرہ ہے۔'' نندنی اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ ''تمہیں پورن ماشی کی رات تک انتظار کرنا پڑے گا۔ پھر ہم دونوں کا کام ایک ساتھ ہو جائے گا۔''

''پورن ماشی کی رات ابھی بہت دور ہے۔ میں اتنا طویل انتظار نہیں کر سکتا۔ تمہیں آج ہی کسی لڑکی کا بندوبست کرنا پڑے گا ورنہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں اس روپوشی کی زندگی سے عاجز آ چکا ہوں۔'' اس نے دوٹوک الفاظ میں جواب دیا اور نندنی غصے سے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

''باہر تمہارے لیے صرف موت ہے۔ ابوسلیمان اور تمہارا سابقہ دوست سجاد تمہیں شکاری کتوں کی طرح ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔ انسپکٹر عابد الگ سے تمہیں ڈھونڈنے کیلئے پاگل ہوا جا رہا ہے۔ تمہیں اگر مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو میں تمہیں روکوں گی نہیں۔ جاؤ دروازہ کھلا ہے اپنا شوق پورا کر لو۔'' نندنی ترش لہجے میں کہا۔

''ان باتوں کا کارن تم ہو۔'' وہ چلا کر بولا۔ ''میں اچھی خاصی پُرسکون زندگی بسر کر رہا تھا لیکن تم نے مجھے ایک مفرور مجرم بنا دیا ہے۔ کاش میں تمہارے جھانسے میں نہ آیا ہوتا۔''

''مجھے الزام دینے کی بجائے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو۔ مجھ سے ملنے سے پہلے کیا تم پارسا تھے؟''

''پارسا نہیں تھا تو مجرم بھی تو نہیں تھا۔ قتل تم کر رہی ہو اور الزام میرے سر تھوپے جا رہے ہیں۔ کبھی کبھی مجھے خیال آتا ہے کہ تم میری دوست نہیں دشمن ہو۔'' اس نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

''احمقانہ باتیں مت کرو۔ میں اگر تمہاری دشمن ہوتی تو کیا اپنا جسم تمہارے حوالے کرتی؟ ہر رات تم مجھے درندوں کی طرح بھنبھوڑتے رہتے ہو اور میں تمہاری خوشی کیلئے روپ بدل بدل کر اپنا جسم تمہیں پیش کرتی رہتی ہوں۔ اس سے زیادہ میں تمہیں اپنی وفاداری اور محبت کا کون سا ثبوت پیش کروں؟''

''احسان جتانے کی کوشش کر رہی ہو نا!'' اس نے یکدم نرم پڑتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ ''تمہاری آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کیونکہ شراب اور شباب کے علاوہ بھی زندگی میں کرنے کیلئے بہت کچھ ہے۔ تمہاری سوئی ہمیشہ عورتوں پر ہی کیوں اٹکی رہتی ہے؟''

''اس لئے کہ میں عورت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ سب کچھ تمہاری قربت کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ اس سے قبل مجھے کبھی بھی اس طرح کی بے چینی نہیں ہوا کرتی تھی۔ یہ آگ تمہاری لگائی ہوئی ہے اس لئے اسے بجھانے کا بندوبست بھی تمہیں ہی کرنا پڑے گا۔'' اس نے واشگاف الفاظ میں جواب دیا۔

نندنی نے کہا۔ ''ٹھیک ہے میں کوشش کرتی ہوں مگر وعدہ......''

نندنی کی بات ابھی ادھوری ہی تھی کہ اچانک کوٹھی کے در و بام ایک کان پھاڑ دھماکے کی آواز سے لرز اٹھے اور وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر اچھل کر رہ گئے۔

''شاید پولیس پارٹی کو تمہاری یہاں موجودگی کی خبر ہو چکی ہے۔ کاش تم میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں ان پولیس والوں کو جہنم رسید کر دیتی لیکن اس صورت حال میں ان کا مقابلہ کرنا حماقت ہی ہوگی۔'' یہ کہہ کر نندنی باہر کی طرف لپکی تاکہ صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگا سکے تاہم کاشف وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

نندنی غائب حالت میں کمرے سے باہر نکلی تھی اگرچہ اسے پولیس والوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن ابوسلیمان کی نگاہوں سے وہ اوجھل نہیں رہ سکتی تھی۔ باہر نکل کر اس نے دیکھا تو کوٹھی کا صدر دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور کوٹھی کے اندر بے شمار باوردی پولیس اہلکار گھوم رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں آتشیں اسلحہ موجود تھا۔

نندنی کی نگاہیں پولیس والوں میں ابوسلیمان کو تلاش کر رہی تھیں لیکن کوشش کے باوجود ابوسلیمان اسے کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''شاید وہ پولیس والوں کے ساتھ آیا ہی نہیں ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر اس کے چہرے پر بے اختیار ایک پُراسراری مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔ سامنے سے انسپکٹر عابدی اسے آتا ہوا دکھائی دیا۔ شاید وہ کاشف کو تلاش کر رہا تھا۔

انسپکٹر عابدی پر نظر پڑتے ہی نندنی کے اعصاب تن گئے اور دل میں آتشِ انتقام کے شعلے سے بھڑک اٹھے۔ ''میں تجھ سے وہ انتقام لوں گی کہ تیری آنے والی نسلیں قیامت تک یاد رکھیں گی۔'' نندنی نے زیرِ لب دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

اسی اثناء میں انسپکٹر عابدی بالکل اس کے نزدیک پہنچ چکا تھا اور اس نے نندنی کے آخری الفاظ بھی واضح طور پر سن لئے تھے۔

''نندنی صاحبہ! کس کی آنے والی نسلوں کو یاد کیا جا رہا ہے؟'' اچانک انسپکٹر عابدی نے سوالیہ انداز میں پوچھا اور نندنی بے اختیار اچھل پڑی۔

''ارے ارے اچھلنے کی ضرورت نہیں ہے میڈم نندنی! کہیں پاؤں وغیرہ میں موچ آ گئی تو لنگڑاتی پھریں گی۔'' عابدی نے اسے اچھلتے دیکھ کر استہزائیہ انداز میں کہا۔ گو کہ نندنی ایک بڑھیا کے روپ میں تھی لیکن عابدی اسے صاف پہچان گیا تھا۔

''تم... تم نے... مجھے کس طرح دیکھ لیا ہے؟'' نندنی نے بوکھلا کر سوال کیا اور عابدی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ''جادو کی عینک سے میڈم کیا سمجھیں!'' عابدی کا انداز بدستور مذاق اڑانے والا تھا۔

''تم...... ابوسلیمان ہو۔'' وہ حواس باختہ ہو کر بولی اور پھر ایکدم فضا میں بلند ہو گئی۔

ابوسلیمان جو انسپکٹر عابدی کے روپ میں تھا فوراً اس کے پیچھے لپکا لیکن نندنی خوف کے مارے بہت تیزی سے اُڑ رہی تھی۔ نندنی کی اڑنے کی رفتار دیکھ کر ابوسلیمان بھی غصے میں آ گیا۔

''آج میں تجھے بچ کر نہیں جانے دوں گا بدکار جن زادی! بھاگ کہاں تک جائے گی۔''

ابوسلیمان نے بلند آواز سے اسے پکارتے ہوئے کہا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

اب وہ شہر سے باہر ایک ویرانے میں اُڑ رہے تھے۔ انسانی نگاہوں سے وہ دونوں غائب ہو چکے تھے ورنہ انہیں اُڑتا دیکھ کر عام لوگ دہشت زدہ ہو سکتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان دونوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ نندنی کسی مناسب پناہ گاہ کی تلاش میں نیچے زمین کی طرف دیکھتی جا رہی تھی مگر اسے کوئی محفوظ مقام نظر نہیں آ رہا تھا۔ ابوسلیمان لمحہ بہ لمحہ اس کے قریب پہنچتا جا رہا تھا۔ اچانک ایک خیال برق کے کوندے کی طرح نندنی کے ذہن میں لپکا اور اس نے انجام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فوراً اس پر عمل کر ڈالا۔

دوسرے ہی لمحے نندنی ایک حقیر چیونٹی کی صورت دھار کر تیزی سے زمین کی طرف گرتی جا رہی تھی کیونکہ ابوسلیمان سے جان بچانے کا یہی واحد طریقہ اسے نظر آیا تھا۔ جونہی نندنی نے چیونٹی کی صورت دھاری وہ ابوسلیمان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اب ابوسلیمان پریشانی کے عالم میں فضا میں چکراتا پھر رہا تھا جب کہ نندنی کا حقیر وجود فضا میں ڈولتا جا رہا تھا اسے بالکل نہیں معلوم تھا کہ وہ کس جگہ جا کر گرے گی خشکی پر یا پھر پانی میں؟

====OOO====

ادھر نندنی کی کوٹھی میں پولیس کے کار دندناتے پھر رہے۔ وہ چیزوں کو توڑ پھوڑ رہے تھے جب کہ انسپکٹر اشوک ملہوترا ایک ایک کمرے میں جھانکتا پھر رہا تھا۔ اسے غالباً کاشف کی تلاش تھی۔ انسپکٹر عابدی کے منصوبے کے مطابق وہ وہاں دیر سے پہنچا تھا کیونکہ پولیس پارٹی کے ساتھ ابوسلیمان اس کی شکل میں روانہ ہو گیا تھا۔ یہ پلان ابوسلیمان، عابدی اور سجاد نے مل کر ترتیب دیا تھا تاکہ نندنی کو کسی طرح گرفتار کیا جا سکے۔

تھوڑی دیر کے بعد انسپکٹر اشوک ملہوترا کاشف کو گرفتار کر چکا تھا۔ وہ اسے ایک کمرے میں چھپا ہوا مل گیا تھا۔ کاشف کے ہاتھوں میں فوراً ہتھکڑی لگا دی گئی تھی۔ انسپکٹر اشوک ملہوترا اسے گرفتار کر کے بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ اب کم از کم اس کی اور عابدی کی اے سی پی صاحب کے سامنے تو عزت بن گئی تھی۔ وہ سارے قتل کاشف کے کھاتے میں ڈال کر اے سی پی صاحب کو مطمئن کر سکتے تھے۔

اس کامیاب چھاپے کے بعد پولیس پارٹی واپسی کے لئے روانہ ہو چکی تھی۔ اشوک ملہوترا کی طرح انسپکٹر عابدی بھی سرور نظر آ رہا تھا کیونکہ اب اے سی پی ارجن سنگھ کے پاس اسے معطل کرنے کا کوئی جواز نہیں رہا تھا۔ تھانے میں پہنچتے ہی کاشف کو فوراً لاک اپ میں بند کر دیا گیا تھا۔ اور لاک اپ کے باہر کڑا پہرہ لگا دیا گیا تھا۔

آفس میں داخل ہوتے ہی عابدی نے سیٹ سنبھالی اور پھر فون کو اپنی طرف کھسکا کر اے سی پی صاحب کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔ انسپکٹر اشوک ملہوترا اس کے سامنے دوسرے کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ رابطہ قائم ہوتے ہی عابدی پرجوش لہجے میں بولا۔ ''سر! ہم نے کاشف کو گرفتار کرلیا ہے لیکن اس کے پاس نادیدہ طاقتیں ہیں وہ کسی وقت بھی فرار ہونے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ وقتی طور پر میں نے اس پر سخت پہرہ لگا دیا ہے لیکن خطرہ باقی ہے۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے؟''

''ویل ڈن عابدی! مجھے تم پر فخر ہے۔'' اے سی پی صاحب اسے شاباش دیتے ہوئے بولا۔ ''فی الحال تم اس پر کڑی نگاہ رکھو میں ابھی پہنچ رہا ہوں۔ اگر اس دوران وہ فرار ہونے کی کوشش کرے تو بلا جھجک اسے گولی مار دینا۔ باقی میں سنبھال لوں گا او کے۔''

''یس سر!'' عابدی نے مختصر سا جواب دیا اور دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا۔

''اے سی پی صاحب خود تشریف لا رہے ہیں۔'' عابدی ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے انسپکٹر اشوک ملہوترا سے بولا۔

''ویسے سر ابوسلیمان نے کمال کر دکھایا ہے۔'' اشوک ملہوترا پر مسرت انداز میں بولا۔

''جس مجرم کو ہم تلاش کرتے کرتے تھک چکے تھے اسے اس نے چند روز میں ڈھونڈ لیا۔''

عابدی نے کہا۔ ''لوہے کو لوہا کاٹتا ہے ملہوترا صاحب! ویسے اگر دیکھا جائے تو یہ سارا کریڈٹ سجاد کو جاتا ہے ورنہ ہم تو شکست تسلیم کر چکے تھے۔''

'سر! آپ سجاد کو پولیس میں بھرتی کیوں نہیں کروا دیتے؟ ایسے دلیر جوانوں کی اس محکمے کو اشد ضرورت ہے۔ آپ آج ہی اے سی پی صاحب سے اس سلسلے میں بات کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اے سی پی صاحب آپ کو انکار نہیں کریں گے۔''

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے ملہوترا صاحب لیکن سجاد سے پوچھے بغیر میں اُس کے مستقبل کا فیصلہ نہیں کرنا چاہتا۔ ہوسکتا ہے اُسے پولیس کی سروس پسند نہ آئے۔ اس لئے فی الحال اے سی پی صاحب سے بات کرنا فضول ہے۔ پہلے میں سجاد سے معلوم کرلوں پھر اے سی پی صاحب سے بھی بات کرلوں گا۔''

اشوک ملہوترا بولا۔ ''آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں سر! میں نے تو صرف اپنی رائے دی ہے۔ آگے آپ کی مرضی ہے جو دل چاہے کریں۔''

''یہ ابوسلیمان اور سجاد ہیں کہاں؟'' عابدی نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

''شاید سندلی کو تلاش کرتے پھر رہے ہوں گے۔'' اشوک ملہوترا اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔ ''ورنہ اب تک تو اُن دونوں کو پہنچ جانا چاہیے تھا۔''

''ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا اُن کا پہنچنا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ اُن کی عدم موجودگی میں کاشف کوئی نیا گل کھلانے میں کامیاب ہو جائے۔ اے سی پی صاحب تو سوچے سمجھے بغیر آدمی پر چڑھ دوڑتے ہیں۔''

''یہی تو اس دیش کے سسٹم کی سب سے بڑی خرابی ہے۔ ہر بڑا عہدہ دار اپنے سے چھوٹے اہلکار کو اپنا غلام سمجھتا ہے۔'' انسپکٹر ملہوترا نے دل کی بھڑاس نکالنا شروع کر دی۔ ''اب یہی دیکھ لیں قاتل کوئی نادیدہ طاقت ہے لیکن اے سی پی صاحب کسی کی سننے کے لئے تیار ہی نہیں ہیں بس اپنی سنائے جاتے ہیں جیسے ہم سرکاری ملازم نہ ہوں اُس کے زرخرید غلام ہوں۔ ہم ذرا سا اونچی آواز میں کیا بول لیں وہ کاٹنے کو دوڑنے لگتے ہیں۔''

عابدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ملہوترا صاحب! مفت میں اپنا خون مت جلاؤ اس دیش کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں سہولیات اور آسائشیں صرف اعلیٰ آفیسرز اور سیاستدانوں کے لئے ہیں جو گزشتہ نصف صدی سے جونک بن کر اس دیش کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ لہو چوسنے والی یہ جونکیں صرف اپنی کرسی کی وفادار ہیں۔ انہیں اپنی کرسی کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کوئی جیے یا مرے انہیں کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔ میں اور تم مل کر اس دیش کی تقدیر نہیں بدل سکتے۔ یہاں ہمیشہ حرص و ہوس کا ہی راج رہے گا۔ یہ دھوتیاں پہنے

والے نیتا بھلا کیا کر سکتے ہیں؟ سوائے عیاشیوں اور کرپشن کے۔''

اسی اثناء میں اے سی پی ارجن سنگھ پہنچ گیا اور اُن کی گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اے سی پی صاحب کو تفصیل کے ساتھ چھاپے کی کارروائی سنائی گئی اس کے بعد جب اے سی پی صاحب نے کاشف سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انسپکٹر عابدی نے پوچھا۔ ''سر! کیا اُسے یہیں آفس میں لے آئیں یا پھر آپ لاک اَپ تک تکلیف فرمائیں گے؟''

''نہیں مسٹر عابدی! مجرم ایک خطرناک شخص ہے اس لئے مجھے ہی لاک اَپ تک تکلیف کرنا پڑے گی۔'' اے سی پی صاحب اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولے اور اس کی دیکھا دیکھی عابدی اور اشوک ملہوترا بھی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ تینوں کاشف کے لاک اَپ کے سامنے موجود تھے۔ اے سی پی ارجن سنگھ بڑی دلچسپ نگاہوں سے کاشف کو دیکھ رہا تھا جو سکڑا سمٹا ہوا لاک اَپ کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں سے وحشت جھلک رہی تھی۔ پہلی نظر میں وہ تقریباً نیم پاگل سا شخص معلوم ہوتا تھا۔ ایک لمحہ اُسے غور سے دیکھتے رہنے کے بعد اے سی پی ارجن سنگھ نے نرم لہجے میں پوچھا ''بھئی نام کیا ہے تمہارا؟''

''مم... میں... بے گناہ ہوں سر! پولیس والے مجھے خواہ مخواہ پکڑ لائے ہیں۔ پلیز مجھے چھوڑ دیں میں نے گھر جانا ہے۔'' وہ اے سی پی صاحب کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

''میں نے تمہارا نام پوچھا ہے۔ یہ نہیں پوچھا کہ تم گناہ گار ہو یا کہ بے گناہ۔ ویسے بھی اس کا فیصلہ عدالت کرتی ہے۔ پولیس کا کام تفتیش مکمل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد عدالت جانے اور اُس کا کام۔'' اے سی پی ارجن سنگھ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

''مم... میرا... نام کاشف جمیل ہے۔'' اُس نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''اوہ... آئی سی اس کا مطلب ہے کہ تم جمیل گروپ آف انڈسٹریز کے مالک سیٹھ طارق جمیل کے بیٹے ہو؟'' اے سی پی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا اور کاشف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اوکے! اب ذرا یہ بھی بتا دو کہ تمہارے پاس کوئی پُراسرار شکتی بھی ہے یا یہ محض پولیس والوں کا چھوڑا ہوا شوشہ ہے مگر اتنا یاد رہے کہ جھوٹ بول کر تم اپنا ہی نقصان کرو گے ہمارا کچھ نہیں بگڑے گا۔''

کاشف نے اب اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔ اس لئے پُراعتماد لہجے میں بولا۔ ''یہ بات میں اس سے قبل بھی پولیس والوں کو بتا چکا ہوں لیکن انہوں نے میری بات پر یقین کرنے کی بجائے اُلٹا مجھ پر تشدد کرنا شروع کر دیا تھا کہ میں اپنی جان بچانے کے لئے جھوٹ کا سہارا لے رہا ہوں حالانکہ اس وقت بھی میں نے سچ بولا تھا اور اب بھی سچ بول رہا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں ایک جن زادی کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہا ہوں اور وہ مجھے اپنے مفاد کی خاطر استعمال کر رہی ہے۔ میرے پاس کسی قسم کی کوئی پُراسرار شکتی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ محکمہ پولیس اپنی خامیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کر رہا ہے ورنہ میں تو ایک عام سا انسان ہوں۔'' اتنا کہہ کر کاشف ایک دم خاموش ہو گیا اور پھر جواب طلب نظروں سے اے سی پی صاحب کی طرف دیکھنے لگا۔

''میں پوری تفصیل سننا چاہتا ہوں انسپکٹر رنجیت ورما کے قتل سے لے کر اب تک کی ساری روداد بیان کرو۔'' اے سی پی ارجن سنگھ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

اے سی پی کے استفسار پر اُس نے بلا کم و کاست پوری سرگزشت بیان کر دی تاہم کامنی والا قتل بھی اُس نے نندنی کے سر تھوپ دیا تھا حالانکہ کامنی کی گردن اُس نے خود کاٹی تھی۔

کاشف کی زبانی یہ سنسنی خیز واقعات سن کر اے سی پی ارجن سنگھ حیرت زدہ رہ گیا۔ ایک لمحہ کاشف کو گھورنے کے بعد وہ بولا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ نندنی کا یہ شیطانی کھیل چلتا رہے گا اور ہر پورن ماشی کی رات کو ایک حسین نوجوان لڑکی کو بلی پر چڑھایا جاتا رہے گا۔''

''ہاں۔'' کاشف اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''وہ ہمیشہ جوان رہنے کا عمل شروع کر چکی ہے۔ اُس کا یہ عمل ایک سال کے عرصے تک جاری رہے گا۔ ایک لڑکی کے خون سے وہ غسل کر چکی ہے باقی کی گیارہ لڑکیاں وہ ایک ایک کر کے ڈھونڈ لے گی۔''

''ہم اُس کا یہ خونی عمل کسی طرح بھی پورا نہیں ہونے دیں گے۔'' اے سی پی صاحب

نے پُر عزم انداز میں کہا۔ ''کیا تم قانون کی اس سلسلے میں کچھ مدد کرنا چاہتے ہو؟''

''قانون اگر مجھے تحفظ فراہم کرنے کا یقین دلائے تو اس کے متعلق سوچا جا سکتا ہے مگر قانون ایک جن زادی کا مقابلہ کیسے کر پائے گا؟'' اُس نے اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

اے سی پی کی بجائے انسپکٹر عابدی نے جواب دیا۔ ''میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ قانون تمہیں مکمل تحفظ دے گا۔ تم پر آنچ تک نہیں آنے دے گا۔ رہ گئی اُس جن زادی کی بات تو اُس سے نمٹنے کا طریقہ بھی ہمارے پاس ہے، بہرکیف ہم سب نے مل کر اُسے روکنا ہے اس خونی کھیل سے ورنہ اُس کی اس درندگی کی بھینٹ بہت سی معصوم لڑکیاں چڑھ جائیں گی۔''

''ٹھیک ہے اگر قانون مجھے تحفظ فراہم کر سکتا ہے تو پھر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میں آج سے تم لوگوں کے ساتھ ہوں۔'' اُس نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

عابدی نے کہا۔ ''اس کے علاوہ تمہیں ایک اور وعدہ بھی کرنا پڑے گا۔''

''وہ کیا؟'' اُس نے حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔

''وہ یہ کہ تم یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کرو گے۔ پہلے بھی تم دو بار فرار ہو چکے ہو۔ تیسری بار اگر تم یہاں سے فرار ہو گئے تو پورا تھانہ معطل ہو جائے گا۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہیں کروں گا لیکن اگر کسی موقع پر مجھے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ میری جان خطرے میں ہے تو پھر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔'' اُس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

''اوکے! ہمیں تمہارا یہ فیصلہ منظور ہے۔ اس لئے آج سے ہی کوئی نہ کوئی لائحہ عمل ترتیب دیتے ہیں تاکہ اُس جن زادی پر ہاتھ ڈالا جا سکے۔''

عابدی نے اُس کے فیصلے کی تائید کرتے ہوئے کہا اور اے سی پی صاحب کے ساتھ دوبارہ آفس کی جانب چل دیا۔

====OOO====

ابو سلیمان کچھ دیر تو سندلی کو فضا میں تلاش کرتا رہا لیکن جب وہ کہیں بھی نظر نہ آئی تو مجبوراً ابو سلیمان واپس لوٹ گیا کیونکہ سندلی کی کوٹھی میں پولیس ٹیم اُس کی رہنمائی میں کارروائی کر

رہی تھی۔ عابدی کا روپ دھارنے کے بعد ساری ذمہ داری ابو سلیمان کے کندھوں پر آ گئی تھی۔

سندلی نے جب یہ دیکھا کہ ابو سلیمان واپس لوٹ گیا ہے تو اُس کی جان میں جان آ گئی۔ کئی دفعہ تو ابو سلیمان بالکل اُس کے نزدیک سے گزر گیا تھا لیکن ایک حقیر اور چھوٹی سی چیونٹی کے روپ میں وہ سندلی کو نہیں دیکھ پایا تھا۔ سندلی چاہتی تو اُسی وقت دوبارہ اپنی اصل شکل میں واپس آ سکتی تھی مگر ابو سلیمان کی طرف سے خطرہ ابھی پوری طرح ٹلا نہیں تھا۔

کبھی اُس کا وجود تیزی سے نیچے کی طرف گرنے لگتا تو کبھی فضا میں تیرنا شروع کر دیتا آخر کار کافی دیر کے بعد وہ ایک ویران اور غیر آباد پہاڑی علاقے میں جا گری۔ زمین پر گرتے ہی وہ فوراً اپنی اصل شکل میں واپس آ گئی۔ اُس نے اردگرد کے ماحول پر ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالی لیکن چاروں طرف سنگلاخ پہاڑوں کے علاوہ کچھ بھی نظر نہ آیا۔ پیاس کی وجہ سے اُس کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے تھے مگر یہاں اس ویرانے میں دور دور تک پانی کا نام و نشان نہیں تھا۔

تھوڑی دیر تک سوچنے کے بعد اُس نے ایک فاختہ کا روپ دھارا اور پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر اڑنے لگی۔ اُسے رہ رہ کر ابو سلیمان پر غصہ آ رہا تھا لیکن فی الحال وہ اُس کے خلاف کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ اچانک اُسے کاشف کا خیال آیا اور اُس کی پریشانی دو چند ہو گئی۔ لازماً کاشف کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہو گا۔ اُس نے دل ہی دل میں سوچا اور ایک آہ بھر کر رہ گئی۔

اُسے اڑتے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی لیکن ابھی تک کہیں بھی آبادی کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ حالانکہ پہاڑی سلسلہ بھی ختم ہو چکا تھا اور اب میدانی سلسلہ شروع ہو گیا تھا مگر یہ میدان بھی پہاڑوں کی طرح ویران اور غیر آباد تھے۔ دور دور تک آبادی کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔

میدانی سلسلے کے اُوپر سے اڑتی ہوئی وہ گزرتی چلی گئی۔ اب اُسے اپنے اردگرد قدرے سرسبز علاقہ نظر آنے لگا۔ کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی نظر آ رہے تھے مگر پانی اور انسانی

وجود ابھی تک اُسے نظر نہیں آیا تھا۔ اِدھر پیاس سے اُس کی حالت بُری ہوتی جارہی تھی۔ قریب تھا کہ وہ شدتِ پیاس کو برداشت نہ کرتے ہوئے کہیں گر پڑتی کہ معاً اُس کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جو گھوڑے پر سوار تھا اور اُس کے کندھے سے ایک رائفل بھی لٹک رہی تھی۔ شاید وہ کوئی شکاری تھا یا پھر قانون سے بھاگا ہوا مجرم بھی ہوسکتا تھا مگر نندنی کو اُس سے کیا لینا دینا تھا سوائے پانی کے۔ وہ اُڑتے اُڑتے بالکل اُس کے قریب پہنچ گئی تھی۔ گھڑسوار کی شکل وصورت تو اُسے ٹھیک طرح سے نہیں دکھائی دے رہی تھی تاہم اُسے اُس کے کندھے سے لٹکتی ہوئی پانی کی چھاگل نظر آچکی تھی۔

چھاگل کو دیکھ کر نندنی کی پیاس کی شدت میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ وہ تیزی سے گھڑسوار کے اُوپر سے گزرتی ہوئی درختوں کے ایک جھنڈ میں داخل ہوگئی۔ زمین پر پہنچتے ہی اس نے فوراً ایک نہایت حسین وجمیل لڑکی کا روپ دھارا اور پھر خوفزدہ انداز میں زور زور سے رونا شروع کردیا۔ یہ سب کچھ وہ گھڑسوار کی توجہ حاصل کرنے کیلئے کررہی تھی۔

گھڑسوار اپنے ہی خیالات میں کھویا چلا جارہا تھا کہ اچانک اس کی سماعتوں سے ایک روتی ہوئی نسوانی آواز ٹکرائی۔ ایک لمحے کیلئے تو اس کا دل دہل کر رہ گیا کیونکہ اس سنسان اور ویران جنگل میں کسی عورت کے رونے کی آواز اچنبھے کی بات تھی۔ پہلے تو اس نے روتی ہوئی آواز کو نظرانداز کر کے گزر جانا چاہا مگر نسوانی آواز میں کچھ اس طرح کی تڑپ تھی کہ کوشش کے باوجود وہ آواز کی طرف کھنچا چلا گیا۔ وہ ایک نوجوان شخص تھا اور نسوانی آواز میں کشش تھی۔ جھنڈ میں داخل ہوتے ہی وہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور لگام تھام کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ چند قدم آگے جا کر وہ ایک کھلی جگہ پر پہنچ گیا مگر رونے والی عورت یا لڑکی کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی تاہم اس کی آواز بدستور اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

''اوئے سامنے آؤ کون ہو تم اور اس ویرانے میں کیا کررہی ہو؟'' اس نے چلا کر روتی ہوئی نسوانی آواز کو پکارا اور دوسرے ہی لمحے ایک درخت کے عقب سے ایک حسین وجمیل لڑکی نمودار ہوئی اور جھجکتی ہوئی اس کی طرف بڑھنے لگی۔ لڑکی کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور انداز میں شرم وحیا تھی۔ گھڑسوار کے نزدیک پہنچتے ہی وہ نگاہیں جھکا کر کھڑی ہوگئی۔

اس ویران جنگل میں اسقدر حسین وجمیل لڑکی دیکھ کر وہ گھڑی بھر کے لئے تو ششدر رہ گیا مگر پھر اچانک اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹا کر اس نے اس کے پیروں کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔

''میں چڑیل پیری نہیں ہوں جی۔'' یکایک لڑکی نے نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے مترنم آواز میں کہا اور وہ چونک پڑا۔ زندگی میں اس نے اتنی سریلی آواز آج تک نہیں سنی تھی۔ ''وہ لڑکی تھی یا کوئی اپسرا؟'' وہ ایک دم گڑبڑا گیا۔

''میں معذرت چاہتا ہوں محترمہ! مگر اس جنگل میں ایک حسین وجمیل اور تنہا لڑکی کو دیکھ کر میں حیرت زدہ ضرور ہو چکا ہوں۔ تم کون ہو اور اس سنسان جنگل میں کیا کررہی ہو؟'' اس نے بمشکل اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''سب سے پہلے تو میں پانی پینا چاہوں گی۔'' لڑکی نے بے صبری سے کہا۔ ''پیاس سے میرا دم نکلا جارہا ہے۔ گزشتہ کئی گھنٹوں سے میں نے پانی کی شکل تک نہیں دیکھی۔''

''یہ لیجیے جی۔'' اس نے تیزی سے اپنے کندھے سے چھاگل اتار کر اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

لڑکی جو کہ نندنی تھی تیزی سے چھاگل پر جھپٹ پڑی۔ جی بھر کر اپنی پیاس بجھانے کے بعد اس نے نوجوان شخص کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چھاگل اس کی طرف بڑھا دی۔ نوجوان چھاگل لیتے ہوئے بولا۔ ''چلو اب بتاؤ تم کون ہو اور یہاں اس جنگل میں کیا کررہی ہو؟''

''کیا تم میری مدد کرسکو گے؟'' نندنی نے جواب دینے کی بجائے نزاکت اور لجاجت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں اپنی جان سے مدد کروں گا۔'' وہ مردانہ فطرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً اس پر ریشہ خطمی ہوتے ہوئے بولا۔

مرد کی یہ فطرت بھی عجیب ہے جہاں کہیں بھی نوجوان اور حسین وجمیل لڑکی دیکھتا ہے عقل کو گھاس چرنے کے لئے بھیج دیتا ہے تاکہ عقل کی غیر موجودگی میں کھل کر اپنے احساسات وجذبات کا اظہار کرسکے کیونکہ مرد کو ٹوکنے والوں میں یا تو بیوی ہوسکتی ہے یا پھر

عقل لیکن اس وقت وہ ان دونوں چیزوں سے فارغ نظر آ رہا تھا۔

نندنی نے جب اس نوجوان کو مائل الطاف وکرم دیکھا تو فوراً گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر آنسو بہانے لگی۔ آنسو اور وہ بھی ایک نازک اندام اور حسین وجمیل دوشیزہ کے نوجوان کے دل پر ایک چرکا سا لگا اور وہ دھوپ میں پڑی ہوئی برف کی طرح پگھلنے لگا۔

''یہ... یہ تم رونے کیوں لگ گئی ہو؟ اگر تمہیں کسی طرف سے کوئی خطرہ ہے تو مجھے بلا جھجک بتادو، میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گا۔'' اسے روتے دیکھ کر نوجوان نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں۔

نندنی بولی۔ ''کچھ لوگ مجھے جان سے مارنا چاہتے ہیں۔ میں ایک کمزور سی لڑکی ہوں اس لئے ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیا تم مجھے کچھ دنوں کیلئے اپنے گھر میں پناہ دے سکو گے؟ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔''

''کیوں نہیں جی۔'' نوجوان اپنے دل میں خوشگوار دھڑکنیں محسوس کرتے ہوئے بولا۔ ''میرا گھر حاضر ہے۔ جتنے دن چاہو تم وہاں رہ سکتی ہو۔ وہاں تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو گی۔''

''کیا تم شادی شدہ ہو؟'' نندنی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے سوال کیا اور نوجوان نے نفی انداز میں سر ہلا دیا۔

''تب پھر ٹھیک ہے۔'' اس نے چہرے پر ایک دل آویز مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔ ''اس طرح وہاں مجھے کوئی پریشانی نہیں ہو گی کیونکہ اکثر بیویاں حاسد ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے ساتھ کوئی بھی لڑکی دیکھ کر طوفان کھڑا کر دیتی ہیں۔''

''میرے گھر میں میری ماں کے علاوہ صرف میری چھوٹی بہن رہتی ہے۔''

''اور باپ کہاں ہوتا ہے؟'' نندنی نے استفسار کیا۔

نوجوان نے کہا۔ ''اسے تو گزرے تین سال ہو چکے ہیں۔ باپ کی زندگی میں مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہوا کرتی تھی لیکن اب تو پورے گھر کا بوجھ میرے کندھوں پر ہے مگر میں پریشان نہیں ہوتا۔ زمینوں سے اتنی آمدن ہو جاتی ہے کہ ہماری گزر اوقات شاندار طریقے

سے ہو رہی ہے۔''

''اوہو! میں بھی کیسی احمق ہوں۔'' اچانک نندنی نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ ''ابھی تک تمہارا نام بھی نہیں پوچھا۔ تم بھی سوچ رہے ہو گے کہ کیسی بیوقوف لڑکی ہے۔ سنتی کم ہے اور بولتی زیادہ ہے۔''

''نام تو تم نے اپنا بھی نہیں بتایا۔'' نوجوان ہنستے ہوئے بولا۔ ''تاہم میرا نام اجیت ہے۔''

''میرا نام نرملا ہے۔'' نندنی نے اپنا اصل نام چھپاتے ہوئے جواب دیا۔

''بہت پیارا نام ہے۔'' نوجوان نے تعریفی انداز میں کہا۔ ''اور تم پر جچتا بھی ہے۔''

''شاید ہمیں چلنا چاہیے۔'' نندنی نے اس کی توجہ واپسی کی طرف دلاتے ہوئے کہا۔ ''باتیں تو ہم گھر جا کر بھی کر سکتے ہیں۔ یہاں مجھے ان لوگوں کی طرف سے خطرہ ہے جو میری جان لینا چاہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے مگر تم نے مجھے یہ تو بتایا ہی نہیں ہے کہ تمہاری جان کے دشمن کون ہیں اور وہ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ کہیں کوئی دولت وغیرہ کا چکر تو نہیں ہے؟'' نوجوان نے اندازہ قائم کرتے ہوئے پوچھا اور نندنی نے بلاتردد اسے ایک گھڑی گھڑائی کہانی سنا دی جس کا لب لباب یہ تھا کہ وہ ایک کروڑ پتی خاندان کی اکلوتی وارث ہے اور اس کے ماں باپ کا ایک حادثے میں دیہانت ہو چکا ہے۔ اس کا دور پار کا ایک رشتے کا چچا ہے جو اس کی دولت ہتھیانے کیلئے زبردستی اس کی شادی اپنے نالائق بیٹے سے کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے انکار کرنے پر اس کا چچا اس کی جان کا دشمن بن جاتا ہے تب وہ اپنی جان بچانے کیلئے ایک رات موقع پا کر اپنے گھر سے فرار ہو جاتی ہے۔ اسے فرار ہوتے دیکھ کر اس کے چچا کے پالتو غنڈے اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں مگر وہ انہیں چکمہ دینے کے بعد بھٹک کر اس جنگل میں آ نکلتی ہے۔

نندنی کی یہ کہانی اجیت کیلئے دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ افسوسناک بھی تھی۔ اس نے نندنی کے چچا کی شان میں اچھی خاصی قصیدہ گوئی کی تھی۔ نندنی اجیت کی توجہ حاصل کرنے

میں کامیاب ہو چکی تھی اس لئے اب وہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اجیت
کے گاؤں کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

====OOO====

سجاد اور ابوسلیمان انسپکٹر عابدی کے آفس میں موجود تھے اور موضوعِ گفتگو نندنی کی
ذات تھی۔ ابوسلیمان اپنی ناکامی پر سخت جھنجھلایا ہوا تھا اسے نندنی کے بچ کر نکل جانے کا بے
حد افسوس تھا۔ سجاد اور عابدی کی تسلی کے باوجود وہ ٹھنڈا نہیں ہو رہا تھا۔

''یار میں تو سمجھتا تھا کہ صرف ہم انسان ہی جذباتیت کا شکار ہو سکتے ہیں لیکن تمہیں دیکھ
کر اپنی معلومات پر لعنت بھیجنے کو دل کرتا ہے۔ نندنی اگر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئی
ہے تو کیا ہوا؟ تمہارے لئے یہ کیا کم فخر کی بات ہے کہ وہ تم سے خوفزدہ ہے۔'' سجاد نے اس
کی جھنجھلاہٹ کے پیش نظر خوش طبعی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''تمہاری یہ نام نہاد تسلی میرے دکھ کا مداوا نہیں کر سکتی۔'' ابوسلیمان نے منہ بسورتے
ہوئے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تمہیں نندنی سے عشق ہو گیا ہے۔'' سجاد شرارتی انداز میں بولا۔
''لو جی یہ بیچارا تو گیا کام سے۔''

''میں لعنت بھیجتا ہوں اس منحوس بڑھیا پر۔'' ابوسلیمان نے چلا کر کہا اور سجاد اور عابدی
بے اختیار ہنس پڑے۔

''زیادہ دانت نکالنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے اپنی ناکامی کا سوگ منانے دو۔ تم دونوں
بھائی تھوڑی دیر کیلئے خاموش نہیں رہ سکتے۔''

''کیوں نہیں رہ سکتے۔'' سجاد نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔ ''لیکن ایک شرط پر کہ پہلے تم
اپنا موڈ درست کر لو کیونکہ تمہارے چہرے پر بارہ بجتے دیکھ کر کم از کم میں تو چپ نہیں رہ
سکتا۔''

اس سے پہلے کہ ابوسلیمان سجاد کی بات کا کوئی کرارا سا جواب دیتا اچانک ایک کانسٹیبل
دوڑتا ہوا آفس میں داخل ہوا اور انسپکٹر عابدی کو سیلوٹ کرنے کے بعد پریشان کن انداز میں

بولا۔ ''سر جی! وہ قیدی کو کچھ ہو گیا ہے وہ لاک اپ کے فرش پر لوٹ پوٹ رہا ہے۔ شاید اس
کے پیٹ میں درد ہے۔''

کانسٹیبل کی بات سن کر عابدی نے فوراً کرسی چھوڑتے ہوئے کہا۔ ''ابوسلیمان! جلدی
کرو مجھے یہ نندنی کی کارروائی لگتی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کاشف کو کوئی نقصان پہنچائے
ہمیں وہاں پہنچ جانا چاہیے۔''

وہ تینوں دوڑتے ہوئے آفس سے باہر نکلے اور لاک اپ کی طرف تیزی سے بڑھنے
لگے۔ ابوسلیمان غائب ہو کر ایک منٹ میں لاک اپ تک پہنچ سکتا تھا مگر اس کی اصلیت
سے تھانہ کا عملہ ناواقف تھا سوائے انسپکٹر عابدی اور اشوک ملہوترا کے۔ اس لئے وہ بھی ان
کے ساتھ لاک اپ کی طرف بھاگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ تینوں لاک اپ کے سامنے پہنچ گئے۔ انسپکٹر عابدی کو دیکھتے ہی
ایک کانسٹیبل نے جلدی سے لاک اپ کا تالا کھول دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ تینوں لاک اپ
کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ کاشف لاک اپ کے فرش پر پڑا ماہی بے آب کی طرح تڑپ
رہا تھا اور اس کے چہرے پر ناقابل برداشت اذیت کے آثار ثبت تھے منہ سے جھاگ
چھوٹ رہا تھا۔ کاشف کی حالت ملاحظہ کرتے ہی ابوسلیمان سمجھ گیا کہ اس کی عدم موجودگی کا
فائدہ اٹھاتے ہوئے نندنی اپنا وار کر گئی ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کاشف کو کسی بہت
زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہو۔

حالات کی نزاکت دیکھتے ہی ابوسلیمان عابدی سے بولا۔ ''لاک اپ کے سامنے اور
ارد گرد سے تمام پولیس والوں کو ہٹا دیا جائے۔ ان میں سے کسی کی نظر بھی لاک اپ پر نہیں
پڑنی چاہیے۔''

عابدی نے فوراً وہاں موجود پولیس کے اہلکاروں کو تھانے سے باہر بھیجتے اور انہیں حکم
دیتے ہوئے کہا۔ ''تم سب تھانے کی عمارت کے ارد گرد پھیل جاؤ مجھے معلوم ہوا ہے کہ کچھ
لوگ کاشف کو جان سے مارنے کیلئے تھانے پر دھاوا بولنا چاہتے ہیں اس لئے الرٹ رہنا
میں کسی قسم کی سستی یا بزدلی برداشت نہیں کروں گا۔''

پولیس اہلکاروں کے وہاں سے ہٹتے ہی ابوسلیمان فوراً کاشف کی طرف متوجہ ہو گیا اس کی رنگت اب نیلی پڑنی شروع ہو گئی تھی۔ ابوسلیمان کو معلوم ہو چکا تھا کہ سندلی یا اس کی کسی آلہ کار نے سانپ بن کر کاشف کو ڈس لیا ہے۔ کیونکہ اس کی گردن پر دو چھوٹے چھوٹے سرخ نشان نظر آ رہے تھے۔

ابوسلیمان نے ایک نظر عابدی اور سجاد پر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے گہرے سانس اندر کی طرف کھینچا۔ عابدی اور سجاد حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے کیونکہ ابوسلیمان ایک سیاہ سانپ کا روپ دھار چکا تھا۔ سانپ کی شکل دھارتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھا اور کاشف کی گردن پر ثبت ایک سرخ نشان پر منہ رکھ دیا۔

وہاں سے زہر چوسنے کے بعد اس نے دوسرے نشان پر منہ رکھ دیا۔ کاشف کے چہرے کی نیلاہٹ اب آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی لیکن سانپ بدستور زہر چوسنے میں مصروف رہا۔ عابدی اور سجاد یہ سنسنی خیز منظر دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ ان کی ساری توجہ سانپ اور کاشف پر تھی۔ اچانک دو جسیم نیولے لاک اپ کے سلاخوں سے اندر داخل ہوئے اور پھر پلک جھپکنے کی دیر میں سانپ پر ٹوٹ پڑے۔

''یہ یہ سندلی کے آلہ کار ہیں بھائی جان!'' سجاد حواس باختہ ہو کر چلایا اور عابدی نے فوراً ہولسٹر سے اپنا سروس ریوالور نکال لیا۔ ابھی اس نے ریوالور سیدھا بھی نہیں کیا تھا کہ سجاد دوبارہ چلا کر بولا۔ ''گولی مت چلانا بھائی جان! ابوسلیمان کو بھی لگ سکتی ہے۔'' اتنا کہہ کر سجاد دونوں نیولوں پر جھپٹ پڑا اور انہیں گردنوں سے دبوچ لیا۔

نیولے اس کے ہاتھوں میں تڑپ رہے تھے لیکن سجاد کی گرفت بہت مضبوط تھی کوشش کے باوجود وہ خود کو آزاد نہیں کرا پا رہے تھے۔ ابوسلیمان کے لئے اتنی مہلت کافی تھی اب وہ دوبارہ انسانی روپ اختیار کر چکا تھا۔ تاہم اس کے جسم پر چند ایک خراشیں آ چکی تھیں جن سے تھوڑا بہت خون بھی رس رہا تھا۔ انسانی روپ میں آتے ہی اس نے آگے بڑھ کر دونوں نیولے سجاد کے ہاتھ سے لے لئے تھے۔

کاشف کی رنگت بھی بڑی تیزی کے ساتھ بحال ہو رہی تھی اور پھر وہ آہستہ سے اٹھ کر

بیٹھ گیا لیکن اس کے چہرے سے خوف جھلک رہا تھا اور وہ وحشت ناک انداز میں لاک اپ کے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ابوسلیمان عابدی کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ''خدا کا شکر ادا کیجئے کہ ہم بروقت یہاں پہنچ گئے ہیں ورنہ سندلی اپنا کام دکھا چکی تھی۔ ابھی اگر آپ اس کی زندگی چاہتے ہیں تو اسے آزاد کر دیجئے ورنہ سندلی دوبارہ بھی وار کر سکتی ہے اس کا میرے اور سجاد کے ساتھ رہنا بہت ضروری ہے۔''

عابدی نے کہا۔ ''اے سی پی صاحب کے حکم کے بغیر میں اسے آزاد کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ مجھے اس سلسلے میں اے سی پی صاحب سے بات کرنا پڑے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' ابوسلیمان بولا۔ ''آپ اے سی پی صاحب سے بات کر لیں اتنی دیر تک میں ان منحوسوں سے نمٹ لیتا ہوں۔ یہ اس خبیث جن زادی کے چیلے ہیں جو اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتی پھر رہی ہے۔ خدا کی قسم! جس دن وہ میرے ہاتھ لگ گئی میں اسے وہ عبرتناک موت ماروں گا کہ اس کی آنے والی کئی نسلیں یاد رکھیں گی۔'' اتنا کہہ کر ابوسلیمان نیولوں سمیت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ ابوسلیمان کے غائب ہوتے ہی سجاد اور عابدی کاشف کی دلجوئی میں مصروف ہو گئے۔

سجاد نے کہا۔ ''یاد ہے کاشف! تم کبھی مجھ سے بحث کیا کرتے تھے کہ دنیا میں سفلی علوم کہیں موجود ہی نہیں ہیں۔ اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟''

عابدی فوراً مداخلت کرتے ہوئے بولا۔ ''سجاد! یہ ایسی باتوں کا وقت نہیں ہے فی الحال اسے تسلی کی ضرورت ہے۔ یہ باتیں تو بعد میں بھی ہو سکتی ہیں۔''

کاشف نے کہا۔ ''سر! اسے دل کی بھڑاس نکالنے دیں کبھی یہ میرا بہترین دوست ہوا کرتا تھا اور میں اس وقت...''

''میں اب بھی تمہارا دوست ہوں۔'' سجاد قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ ''اور تمہیں گناہوں اور جرم کی اس دلدل سے نکالنا چاہتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے تم مجھے اپنی سرگزشت لفظ بہ لفظ سناؤ گے' کہیں بھی دروغ گوئی سے کام نہیں لو گے' یہی تمہارے حق میں

بہتر ہے۔"

"میں تو بہت گناہ گار ہوں میرے دوست! نہ مجھے خدا معاف کرے گا اور نہ ہی قانون بہر کیف تجھے میں پوری سرگزشت سنا دوں گا۔" اس نے مایوس لہجے میں جواب دیا۔

سجاد نے کہا۔ "تم ابھی تک احمق کے احمق ہی ہو' کیا تمہیں اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ توبہ کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ توبہ صرف نزع کے وقت قبول نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات پر بھروسہ رکھو سچے دل سے توبہ کرو گے تو وہ ضرور سنے گا۔"

"شاید" اس نے ندامت سے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا اور سجاد کے چہرے پر ایک طمانیت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ اندھیری رات کا وہ مسافر اجالوں کا متلاشی تھا کیونکہ وہ ماضی سے شرمندہ تھا۔ توبہ پچھتاوے سے شروع ہوتی ہے اور وہ اپنے کئے پر پچھتا رہا تھا۔ اگر دیر بھی تھی تو صرف آنکھوں سے ندامت کے آنسو ٹپکنے کی' وہ آنسو جو ہمیشہ گناہ آلود دامن کو دھو ڈالتے ہیں۔

====OOO====

نندنی نرملا بن کر اجیت کے گھر پہنچ چکی تھی۔ اسے اپنے بیروں کے ذریعے کاشف کے متعلق سب کچھ معلوم ہو چکا تھا۔ اس کی غداری پر وہ غصے سے کھول اٹھی تھی۔ [illegible] سے اگر ابوسلیمان کی طرف سے خطرہ نہ ہوتا تو وہ خود لاک اپ میں جا کر کاشف کو ایک عبرتناک موت مار ڈالتی۔ کاشف سے بدلہ لینے کیلئے اس نے اپنے دو بیر بھیج دیئے تھے مگر اسے ان کی کامیابی کی بہت کم امید تھی کیونکہ ابوسلیمان جیسے طاقتور جن سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ اور پھر وہی ہوا جس کا اسے خطرہ تھا۔ اس کے دونوں بیر ابوسلیمان کے ہاتھ چڑھ چکے تھے اور اب ان کے بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔

نندنی اب اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے اجیت کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اجیت ویسے بھی ہمہ وقت اس پر قربان رہنے کیلئے تیار رہتا تھا لیکن نندنی جلد بازی سے کام لینے کی عادی نہیں تھی۔ یوں بھی اس کا کام انتہائی احتیاط کا حامل تھا۔ اجیت کے ساتھ ساتھ وہ اس کی ماں اور بہن کی ہمدردی حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو چکی تھی۔

اجیت کی بہن شکنتلا تو اس سے بہت جلدی گھل مل گئی تھی اور ہر بہن کی طرح شکنتلا نے بھی اسے بھابی بنانے کے سپنے دیکھنا شروع کر دیے تھے۔ شکنتلا ایک ہنس مکھ اور بلا کی حسین و جمیل لڑکی تھی۔ وہ دن اور رات کا بیشتر حصہ نندنی کے ساتھ گپ شپ لگانے میں گزار دیتی تھی۔ نندنی اس کی خوبصورت صراحی دار گردن دیکھ کر اکثر معنی خیز انداز میں ہنس دیا کرتی تھی۔ شاید وہ شکنتلا کو اپنا دوسرا شکار منتخب کرنے کے متعلق سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔

شکنتلا نندنی کے ارادوں سے بے خبر اس پر ہر وقت نثار رہنے کیلئے تیار رہتی تھی اور اکثر اوقات اس کی دلجوئی کرتی رہتی تھی مگر نندنی ایک فاحشہ اور سنگدل جن زادی تھی جسے رحم اور خلوص جیسے الفاظ سے بیر تھا۔

فی الحال تو نندنی اجیت پر جال پھینکنے کیلئے کسی خاص موقع کی منتظر تھی لیکن موقع اسے میسر نہیں آ رہا تھا کیونکہ اجیت کی ماں انتہائی ضرورت کے تحت بھی گھر سے باہر قدم نکالنا گوارا نہیں کرتی تھی۔ کبھی کبھی نندنی کو اس پر بے تحاشا غصہ آنے لگتا تھا مگر وہ خود کو سنبھال لیا کرتی تھی کیونکہ اجیت اور شکنتلا کو وہ ماں کی ممتا سے محروم نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پھر ایک روز نندنی کو وہ موقع میسر آ گیا جس کی وہ کئی روز سے منتظر تھی۔ اصل میں کاشف کی قربت نے اسے بھی جنس کی رسیا بنا ڈالا تھا۔ اس روز شکنتلا اور اس کی ماں صبح ہی صبح تیاریوں میں مصروف تھیں۔ ان کی تیاریاں دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ کہیں گاؤں سے باہر جانے والی ہیں۔ حقیقت حال جاننے کیلئے نندنی نے شکنتلا سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ "یہ خالہ اور تم کیا کہیں جا رہی ہو؟"

"ہاں ہم پاس والے گاؤں میں جا رہے ہیں وہاں میرے ماموں زاد کی شادی ہے۔ تم بھی چلنے کی تیاری کرو' بڑا مزا آئے گا' وہاں میں تمہیں اپنی بہت ساری سہیلیوں سے ملواؤں گی۔" شکنتلا نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

نندنی نے کہا۔ "تم لوگ جاؤ مگر میں نہیں آ سکتی اصل میں شور شرابے سے میرا دل گھبراتا ہے اور دوسرا مجھے چچا کے غنڈوں کی طرف سے بھی خطرہ ہے۔ وہ میری تلاش میں شکاری کتوں کی طرح بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ایسے حالات میں کیسے میں

اس گھر کی دہلیز پار کر سکتی ہوں۔"

نندنی نے کچھ اس انداز میں بات کی تھی کہ شکنتلا کیلئے اصرار کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں رہا تھا تاہم اس نے جاتے جاتے اس امر پر افسوس کا اظہار ضرور کیا تھا۔ ماں اور بہن کو چھوڑنے کیلئے اجیت بھی ان کے ساتھ جا چکا تھا البتہ اس نے جاتے ہوئے نندنی سے جلد واپس لوٹنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

ان کے چلے جانے کے بعد نندنی گھر میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک تو وہ کاشف کے متعلق سوچتی رہی لیکن پھر سر جھٹک کر اس نے ان سوچوں سے پیچھا چھڑا لیا۔

اب اس کیلئے اجیت اور اس کی خوبصورت بہن شکنتلا زیادہ اہمیت کے حامل تھے۔ اجیت کو اپنا جسم سونپ کر وہ اپنے ساتھ باآسانی شامل کر سکتی تھی مگر اسے اجیت یا شکنتلا میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ اگر وہ اجیت کو اپنے منصوبے میں شامل کرتی تو پھر شکنتلا کو اپنے مقصد کے لئے استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ بہرکیف یہ بعد کا مسئلہ تھا۔ فی الحال تو اسے اجیت کی واپسی کا بڑی شدت کے ساتھ انتظار تھا۔

اس کے آنے کا تصور کرتے ہی اس کا بدن ٹوٹنے لگا تھا اور دل میں میٹھا میٹھا سا سرور جاگ اٹھا تھا۔ سہ پہر کے وقت اجیت واپس آ گیا تھا۔ وہ خود نندنی سے ملنے کیلئے بے چین تھا۔ پہلے دن ہی اسے دیکھ کر اجیت کی رال ٹپکنے لگی تھی۔ نندنی نے اجیت کا استقبال اس کی توقع سے بڑھ کر کیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی نندنی بھاگ کر اس سے لپٹ گئی تھی۔

ایک لمحے کیلئے تو اجیت گڑبڑا کر رہ گیا لیکن پھر نندنی کے گداز اور مسحور کن بدن نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے اس نے بے اختیار ہو کر نندنی کو بھینچ لیا۔ نندنی تو خود یہی چاہتی تھی اس لئے اجیت کے بازوؤں سے نکلنے کی اس نے کوشش ہی نہیں کی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد نندنی اجیت کو مکمل طور پر شیشے میں اتار چکی تھی اور اجیت اسے حاصل کرنے کیلئے ہر قسم کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں ایک ہی بستر پر پڑے ایک دوسرے کو دریافت کر رہے تھے۔ کمرے کی ساکن فضا میں صرف

ان کی شہوت انگیز سسکاریاں گونج رہی تھیں۔ اس بدکار اور فاحشہ جن زادی کو ایک اور انسانی مہرہ مل چکا تھا۔ جسے آئندہ وہ اپنے مذموم مقاصد کیلئے استعمال کرنے والی تھی۔

ساری رات وہ دونوں ایک دوسرے میں کھوئے رہے تھے لیکن نندنی کی پیاس بجھنے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ شاید اسی لئے وہ بقائے دوام حاصل کرنا چاہتی تھی۔

صبح کافی دیر تک وہ بستر پر پڑے اینٹھتے رہے تھے لیکن پھر چار و ناچار انہیں اٹھنا ہی پڑا۔ غسل اور حاجت وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد نندنی کچن میں گھس کر ناشتا تیار کرنے میں مصروف ہو گئی اور اجیت باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ وہ نہاتے ہوئے گنگنا رہا تھا اور یہ گنگناہٹ نندنی کے قرب کا نتیجہ تھی۔ ایک حسین و جمیل اور کروڑ پتی دوشیزہ نے اس پر اپنا تن من نچھاور کر دیا تھا۔ اس کی بے رنگ زندگی میں قوس قزح کے رنگ بکھر گئے تھے۔ نہاتے ہوئے اس نے زیر لب "نرملا" کا نام دہرایا اور اس کے پورے وجود میں ایک میٹھا میٹھا سا سرور پھیل گیا۔

غسل سے فارغ ہونے کے بعد اس نے نندنی کے ساتھ مل کر ناشتا کیا اور پھر وہ دونوں آنے والے وقت کے سہانے سپنوں میں کھو گئے۔ وہ نندنی کو وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔ اس دشمن جاں حسینہ نے ایک ہی رات میں اس کا صبر و قرار لوٹ لیا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے؟ کیا اس سے قبل کسی لڑکی کو نہیں دیکھا؟" نندنی نے اس کی نگاہوں کا مطلب بھانپتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں کہیں تمہارا یہ پیار صرف لمحاتی ہی نہ ہو۔" اس نے اپنے خدشے کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا اور نندنی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کیا تم جانتے ہو کہ ایک لڑکی کے پاس سب سے قیمتی چیز کیا ہوتی ہے؟"

"شاید۔" اس نے ایک ہی لفظ پر اکتفا کرتے ہوئے کہا۔

"شاید نہیں یقیناً جانتے ہو کہ ایک لڑکی کے پاس سب سے انمول چیز اس کی عزت و عصمت ہوتی ہے۔ جو میں گزشتہ رات سونپ چکی ہوں تمہیں۔ ایک لڑکی جب اپنا تن من کسی مرد کے حوالے کر دیتی ہے تو پھر زندگی کی آخری سانس تک اسی کی بن کر رہتی ہے۔"

"اگر ایسی بات ہے تو پھر میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں اور زندگی بھر صرف تمہارا بن کر رہوں گا۔ تمہارے ابرو کے ایک اشارے پر جان تک نچھاور کر دوں گا۔ آزمانا چاہو تو آزما سکتی ہو۔" اس نے پُرمسرت لہجے میں اپنی چاہت کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور نندنی کے لبوں پر بے اختیار ایک ذومعنی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ آخر کار وہ اسے اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ اجیت کا والہانہ پن دیکھ کر نندنی کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ اس کے سامنے انکار کرنے کی جرأت کر ہی نہیں سکتا۔ بس اسے آنے والی رات کا انتظار تھا۔

====OOO====

انسپکٹر عابدی کافی تگ و دو کے بعد کاشف جمیل کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ گو کہ کاشف کی یہ آزادی وقتی تھی لیکن وہ پھر بھی مطمئن تھا۔ گزشتہ ایک ہفتے سے وہ ابوسلیمان اور سجاد کے ساتھ رہ رہا تھا۔ سجاد کو بلا کم و کاست وہ اپنی پوری آپ بیتی سنا چکا تھا۔ حتیٰ کہ سجاد کے سامنے اس نے کامنی کے قتل کا واقعہ بھی دہرا دیا تھا۔

وہ نندنی سے بہت زیادہ خوفزدہ تھا لیکن سجاد اور ابوسلیمان اس کی ڈھارس بندھاتے رہتے تھے۔ ابوسلیمان نے تو اسے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اس کی موجودگی میں نندنی اس کا بال بیکا بھی نہیں کر سکتی مگر کاشف کا دل پھر بھی کسی اَن دیکھے خطرے کی وجہ سے ہولتا رہتا تھا۔ اکثر راتوں کو وہ نیند میں ڈر جایا کرتا تھا۔ اگر سجاد اور ابوسلیمان نے اس کا ساتھ نہ دیا ہوتا تو وہ اب تک خودکشی کر چکا ہوتا یا پھر دوبارہ نندنی کے ساتھ مل چکا ہوتا۔

وہ ابھی تک اپنے ماں باپ سے ملنے کیلئے بھی نہیں گیا تھا کیونکہ اسے نندنی کی طرف سے شدید خطرہ تھا۔ وہ کسی بھی وقت اس پر کاری وار کر سکتی تھی۔ وہ ایک جن زادی ہونے کے علاوہ بے شمار مخفی قوتوں کی مالک تھی۔ کاشف بارہا اس کی طاقت کے مظاہرے دیکھ چکا تھا۔

وہ سجاد اور ابوسلیمان کے ساتھ رات کو ایک ہی کمرے میں سویا کرتا تھا کیونکہ اکیلے سوتے ہوئے اسے ڈر لگتا تھا۔ اب بھی بیتے ہوئے لمحات یاد کر کے اس پر لرزے کی سی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر نندنی بری طرح سوار تھی اسے نہ دن کو

چین نصیب ہوتا تھا اور نہ ہی رات کو نیند آیا کرتی تھی۔ نیند میں وہ اکثر چلا کر اٹھ بیٹھتا تھا۔ نندنی بدستور اسے اپنے بیروں کے ذریعے خوفزدہ کرنے میں لگی ہوئی تھی گو کہ اب وہ سچے دل سے تائب ہو چکا تھا لیکن احساس جرم اسے پھر بھی بے چین رکھتا تھا۔

ایک رات جب وہ گہری نیند سویا ہوا تھا اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کا گلا دبا رہا ہو۔ آنکھ کھلتے ہی وہ چلا اٹھا تھا۔ ایک جسیم بلی اس کے سینے پر سوار اس کی گردن میں پنجے گاڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ خواب گاہ کی مدہم روشنی میں بلی کی آنکھیں برقی قمقموں کی طرح چمک رہی تھیں۔ موسم سرد ہونے کے باوجود اس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ بلی اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے اسے گھور رہی تھی۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مرگ نے بلی کا روپ دھار لیا ہو۔ اسے اپنے نچلے دھڑ سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ انتہائی بے بسی کے عالم میں اس نے دوبارہ چلانے کی کوشش کی مگر آواز اس کے سینے میں گھٹ کر رہ گئی۔ موت اس کے سینے پر سوار تھی مگر سجاد اور ابوسلیمان بے خبر سو رہے تھے۔ بلی کی گھورتی ہوئی آنکھیں اسے اپنے جسم کے آر پار گزرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"کاشف! تم مجھ سے کبھی بھی چھپ نہیں سکتے۔" معاً اس کی سماعتوں سے نندنی کی سرگوشی ٹکرائی اور بلی نے اس کی گردن سے پنجے ہٹا لئے۔

اس نے خوفزدہ نگاہوں سے بلی کی طرف دیکھا اور پھر دائیں بائیں دیکھنے لگا شاید اسے آواز کے مرکز کی تلاش تھی۔۔

"ادھر میری طرف دیکھو۔" اب کی بار اسے یوں محسوس ہوا جیسے آواز بلی کے حلق سے نکل رہی ہو۔ آواز سنتے ہی اس نے فوراً بلی کی طرف دیکھا۔

"میری بات غور سے سنو، تمہیں بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" آواز واقعی بلی کے حلق سے ہی برآمد ہو رہی تھی۔ "تمہیں اگر زندگی پیاری ہے تو چپ چاپ اٹھ کر کمرے سے باہر آ جاؤ ورنہ یہیں تمہارا نرخرہ کاٹ ڈالوں گی۔"

"م ..." کاشف نے بولنے کی کوشش کی تو بلی دوبارہ اس کی گردن سے لپٹ گئی۔

ایک لمحے کے لئے اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی تیز دھار آلے سے اُس کی گردن کاٹ رہا ہو۔ اُس نے تڑپ کر اُٹھنے کی کوشش کی تو بلی نے اُس کی گردن میں دانت گاڑ دیئے۔ زندگی جیسی انمول شے بچانے کی امید میں یکا یک اُس کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور رات کے سکوت کو درہم برہم کرتی ہوئی فضا میں معدوم ہو گئی۔

چیخ اتنی بلند تھی کہ ابوسلیمان اور سجاد بیک وقت ہڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ سجاد نے جلدی سے کمرے کی ٹیوب لائٹ آن کر دی۔ روشنی ہوتے ہی اُن دونوں کو اپنے بستر پر تڑپتا ہوا کاشف صاف نظر آنے لگا تھا۔ وہ ہذیانی انداز میں چلا تا بھی جا رہا تھا۔ ''شاید نندنی وار کر گئی ہے۔'' ابوسلیمان بستر سے چھلانگ لگاتے ہوئے کاشف کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا ہوا کاشف! کیوں چلا رہے ہو؟'' ابوسلیمان نے اُسے بازو سے پکڑ کر حیرت زدہ لہجے میں سوال۔

''وہ ..... وہ ..... نن ..... نندنی ..... مم ..... مجھے مارنا چاہتی ہے۔'' شدت خوف سے اُس کی آواز لڑکھڑا رہی تھی۔

''کہاں ہے نندنی؟ مجھے تو دکھائی نہیں دے رہی؟'' ابوسلیمان نے چاروں طرف کمرے میں نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ ..... یہ میرے ..... گلے پر اُس کے پنجوں کے نشان دیکھئے۔ وہ ایک خونخوار بلی کے روپ میں آئی تھی۔'' کاشف نے اپنے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا مگر پھر چونک پڑا۔ اُس کا گلا بالکل ٹھیک ٹھاک تھا کہیں خراش تک نہیں آئی تھی۔

سجاد بولا۔ ''میرے دوست! ہمت سے کام لو۔ وہ اپنے کالے علم کے ذریعے تمہیں ڈرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ابوسلیمان کے ہوتے ہوئے انشاءاللہ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ تم خواہ مخواہ خوفزدہ ہو رہے ہو۔''

''سجاد بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے''۔ ابوسلیمان نے بھی سجاد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''وہ تمہیں دوبارہ اپنے جال میں پھنسانے کیلئے ہر ہتھکنڈہ استعمال کرے گی۔ اگر تم نے ہمت ہار دی تو پھر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گی۔''

کاشف بولا۔ ''خدا کی قسم وہ سچ مچ ایک بلی کے روپ میں آئی تھی اور .....''

''ہم نے کب کہا ہے کہ وہ نہیں آئی تھی۔'' سجاد اس کی بات قطع کرتے ہوئے بولا۔ ''وہ ایک ساحرہ ہے اور اس سے کچھ بھی بعید نہیں ہے لیکن ہمیں بہادری اور جرأت سے کام لے کر اس کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ میں نے اور ابوسلیمان نے قسم کھائی ہے کہ اسے نیست و نابود کر کے ہی دم لیں گے۔''

''لیکن ..... مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔'' اس نے پریشان کن انداز میں جواب دیا۔

''زندگی اور موت اوپر والے کے ہاتھ میں ہے اس لئے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' سجاد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ ''آنے والی پورن ماشی کی رات اس کی زندگی کی آخری رات ہوگی۔''

''تم اسے تلاش کرنے کی کوشش ہی نہیں کر رہے ہو ورنہ وہ کب کی مل گئی ہوتی۔''

''وہ ایک جن زادی ہے۔'' سجاد نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ''اس کے علاوہ اسے سفلی علوم پر بھی خاصی دسترس حاصل ہے۔ اسے ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بہرکیف وہ ہم سے زیادہ دیر چھپ کر نہیں رہ سکتی۔ تمہیں اگر اس کی کوئی خاص کمزوری معلوم ہے تو ہمیں بتا دو؟''

''وہ صرف جنس کی دلدادہ ہے اس سے زیادہ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ اس نے جو خونی عمل شروع کر رکھا ہے وہ بہت طویل ہے۔ اس عمل کی تکمیل کے لئے اسے ایک برس کا عرصہ درکار ہے۔ اور شاید ہو سکتا ہے کہ اس کا دوسرا شکار صبیحہ نامی لڑکی ہی ہو۔''

سجاد نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''صبیحہ پر ہم نے کب کی نگاہ رکھی ہوئی ہے۔ اللہ کرے وہ اپنے دوسرے شکار کیلئے صبیحہ ہی کو منتخب کرے۔''

''میں اس مفلس اور خوددار لڑکی کا مجرم ہوں۔ میری وجہ سے اس کی بہت بدنامی ہو چکی ہے۔ اس نے ایک دفعہ مجھے بددعا دی تھی جسے میں آج تک نہیں بھلا سکا۔ اب بھی کبھی کبھار

اس کے کہے گئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ کاش مجھے اس سے ایک بار معافی مانگنے کا موقع مل جائے۔'' کاشف کے لہجے میں یاسیت تھی۔

''اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو کیونکہ مایوسی اور ناامیدی کو ہمارے مذہب میں کفر کہا گیا ہے۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا بس انسان کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے ہم تمہارے ساتھ ہیں اس لئے اپنے دل سے تمام اندیشے نکال دو۔ یار بہت عرصہ پہلے تم نے مجھے ناصر کاظمی کا ایک مصرعہ سنایا تھا آج وہی شعر میں تجھے مکمل سناتا ہوں۔

وقت اچھا بھی آئے گا ناصر

غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

شعر مکمل کر کے سجاد نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور وہ ایک پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔

====OOO====

نرملا بن کر نندنی اجیت کو تقریباً ہر روز اپنی صحبت سے نوازتی رہتی تھی۔ اجیت بھی مکمل طور پر اس کی زلف کا اسیر ہو چکا تھا۔ پورن ماشی کے دن جوں جوں نزدیک آتے جا رہے تھے نندنی کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ شکنتلا کے علاوہ اسے ابھی تک کوئی مناسب لڑکی نظر نہیں آئی تھی۔ ویسے بھی وہ ایک گاؤں میں رہ رہی تھی۔ جہاں لڑکیاں گھروں سے بہت کم باہر نکلتی تھیں۔ شکنتلا کے متعلق فی الحال وہ شش و پنج کا شکار تھی اسے اجیت یا شکنتلا میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ وہ اگر شہر میں ہوتی۔ وہاں اسے با آسانی اپنے مطلب کی لڑکی مل سکتی تھی مگر یہاں گاؤں میں اسے شکنتلا کے علاوہ کوئی بھی مناسب لڑکی نظر نہیں آتی تھی۔

شکنتلا اسے بے حد پیار کرتی تھی اور رات دن اسے بھابی بنانے کے خواب دیکھتی رہتی تھی۔ شکنتلا سولہ برس کی ایک حسین و جمیل اور صحت مند لڑکی تھی۔ اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے بیک وقت شوخی اور ذہانت جھانکتی رہتی تھی۔ وہ اکثر نندنی کو بھابی کہہ کر چھیڑتی رہتی تھی لیکن نندنی کے ذہن پر آنے والی پورن ماشی کی رات چھائی رہتی تھی۔

اجیت کو اپنے ساتھ شامل کرنا اس کیلئے کوئی مشکل کام نہیں تھا مگر اس سے پہلے خونی غسل

کیلئے کسی مناسب لڑکی کو تلاش کرنا زیادہ اہم تھا۔ اجیت سے تو کسی وقت بھی بات کی جا سکتی تھی اور اسے یہ بھی پختہ یقین تھا کہ اجیت اسے کسی صورت میں ناامید نہیں کرے گا۔ گزشتہ دس روز سے اس نے اجیت کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔ اجیت ہمیشہ کیلئے اسے اپنانے کا حتمی فیصلہ کر چکا تھا اس لئے ایک روز مناسب موقع ملتے ہی وہ نندنی سے بلا تردد بولا۔ ''دیکھو نرملا! میں تمہیں اپنانے کا حتمی فیصلہ کر چکا ہوں مگر اس سے پہلے تمہاری رائے معلوم کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کیا تمہیں اس پر اعتراض ہے؟ یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''اجیت جی!'' نندنی نے سنجیدہ لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''جو لڑکی اپنا تن من تمہیں سونپ چکی ہے اسے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو خود چاہتی ہوں کہ ہم دونوں جلدی سے شادی کر لیں لیکن ایک بہت بڑی مجبوری میرے آڑے آ رہی ہے۔ مجھے ایک ایسی بیماری ہے جس کا ایک ہی علاج ہے مگر وہ علاج ناممکن ہے۔ کم از کم میں تو اس علاج کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔''

''بیماری... علاج... یہ تم آج کس قسم کی باتیں کر رہی ہو میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا۔ آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟'' اجیت نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

نندنی نے ایک لمحہ توقف کیا اور پھر اپنے چہرے پر جہاں بھر کی یاسیت طاری کرتے ہوئے بولی۔

''میں نے اگر تمہیں اپنی بیماری کے متعلق بتا دیا تو تم مجھ سے نفرت کرنے لگو گے اور مجھے مر جانا تو منظور ہے لیکن تمہاری بے اعتنائی شاید میں ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کر پاؤں گی۔''

وہ آہستہ آہستہ اس کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کر رہی تھی اور اجیت انسان ہوتے ہوئے بھی اس کے عشق میں الو بنتا جا رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ عنقریب وہ ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ ہمدردی حاصل کرنے کیلئے نندنی بہت پختہ اداکاری کر رہی تھی۔

''میں۔ ...میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ بیچ بیچ آنسو بہاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''نرملا! دیکھو بھگوان کیلئے یہ آنسو پونچھ ڈالو۔ میں تم سے کبھی بھی نفرت نہیں کر سکتا۔ تم مجھے بلا جھجک اپنی بیماری کے بارے میں بتادو۔'' نندنی کے آنسو اس کے دل کو گھائل کر رہے تھے اس لئے وہ ایکدم جذباتی ہو گیا تھا۔

''نہیں میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔ میں تمہیں کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی مجھے معلوم ہے کہ تم مجھ سے نفرت کرو گے کیونکہ میری بیماری کے علاج کے متعلق کوئی انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں بھلے مر کیوں نہ جاؤں مگر ایسا طریقۂ علاج مجھے کسی صورت قبول نہیں ہے جس میں کسی انسان کی جان چلی جائے۔'' نندنی نے بدستور آنسو بہاتے ہوئے جواب دیا اور اجیت تڑپ اٹھا۔

''بھگوان کیلئے میرا امتحان مت لو۔'' وہ چلا کر بولا۔ ''اب تو میں ڈالو ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔''

''پہلے تم مجھے وچن دو کہ میرا ساتھ دو گے؟'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے سوالیہ انداز میں بولی۔

''میں تمہیں وچن دیتا ہوں کہ ہر قیمت پر تمہارا ساتھ دوں گا۔ کہو تو بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں کہ حالات کتنے ہی گھمبیر کیوں نہ ہو جائیں میں اپنے وچن سے نہیں پھروں گا۔ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔''

''نہیں سوگند کھانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے تم پر وشواس ہے کہ تم میرا ساتھ دو گے۔ اس لئے میں تجھے سب کچھ بتائے دیتی ہوں۔ دراصل مجھے ایک بیماری ہے پتاجی نے اپنی زندگی میں مجھے اچھے سے اچھے ڈاکٹر کو دکھایا تھا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ڈاکٹروں سے مایوس ہو کر میرے ماں باپ نے درگاہوں اور مندروں کا رخ کیا مگر وہاں بھی کوئی امید کے آثار پیدا نہ ہوئے۔ پھر ایک روز غالباً یہ میرے والدین کے انتقال سے کچھ روز پہلے کا ذکر ہے۔ ہمارے گھر کے دروازے پر کسی نے دستک دی۔ میں نے جا کر دروازہ کھولا تو سامنے ہی

پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک سادھو کھڑا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے جھاڑ جھنکار بال دیکھ کر ایک لمحے کیلئے میرے دل میں ناپسندیدگی کے جذبات ابھر کر معدوم ہو گئے لیکن پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس نے مجھے چونکا دیا۔ سادھو نے استہزائیہ انداز میں میری طرف دیکھا اور پھر ناصحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔ ''مورکھ ناری! بھگوان کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے بارے میں برا سوچنا پاپ ہے۔ شاید تمہیں ہمارے وجود سے گھن آ رہی ہو گی لیکن تم نے کبھی اپنے بارے میں بھی سوچا ہے۔ اری پگلی! تمہاری زندگی کا تو بہت جلد انت ہونے والا ہے۔''

سادھو کی بات سن کر میرے پورے وجود میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی تاہم میں اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ''ارے باباجی! آپ تو بہت مہان ہستی ہیں۔ امید ہے آپ میری اس نادانی کو معاف کر دیں گے۔ آیئے اندر آ جایئے میں آپ کو اپنے ماتا پتا سے ملواتی ہوں۔ انہیں آپ سے مل کر بہت خوشی ہو گی۔''

سادھو نے کہا۔ ''پتری! میں اسی لئے تو یہاں آیا ہوں۔ مجھے تمہاری بیماری کا علاج معلوم ہے۔''

چند لمحوں کے بعد سادھو میرے ماتا پتا کے سامنے بیٹھا انہیں میرے علاج کے متعلق تفصیلاً بتا رہا تھا۔ سادھو کی پوری بات کا لب لباب یہ تھا کہ میری بیماری کا صرف واحد علاج یہ ہے کہ میں ہر پورن ماشی کی رات کو ایک ویران مندر میں کسی کنواری دوشیزہ کے خون سے غسل کیا کروں اور یہ عمل کم از کم ایک سال تک پایۂ تکمیل تک پہنچے گا۔ مختصراً یہ کہ مجھے بارہ نوجوان اور کنواری لڑکیوں کے خون سے غسل کرنا پڑے گا۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا تو پھر ایک سال کے اندر اندر مر جاؤں گی۔''

اُس کے سامنے پوری تفصیل بیان کرنے کے بعد نندنی اب جواب طلب نظروں سے اُس کی جانب دیکھ رہی تھی اور اجیت حیرت کی زیادتی کی وجہ سے ہکا بکا کھڑا ہوا تھا۔ نندنی کی سرگزشت سننے کے بعد اُس کی کچھ عجیب سی حالت ہو گئی تھی جسے لفظوں میں بیان کرنا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور تھا۔

نندنی بدستور جواب طلب نظروں سے اُس کی جانب دیکھ رہی تھی لیکن وہ تو کسی اور ہی دنیا میں پہنچ چکا تھا۔ چند ثانیے توقف کے بعد نندنی دوبارہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''مجھے معلوم تھا کہ تجھے دکھ پہنچے گا میری سرگزشت سُن کر، میں جانتی ہوں کہ اِس کام میں کوئی بھی میرا ساتھ نہیں دے گا۔ ہر کوئی جھوٹی ہمدردی جتانے کی کوشش کرتا ہے لیکن میرے دکھ کو کوئی ایک بھی نہیں سمجھتا۔ میرا انت بہت جلد ہونے والا ہے مگر میں پھر بھی خوش رہنے کی کوشش کرتی ہوں۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ بھگوان مجھے پیدا ہی نہ کرتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ کم از کم میں یوں گھٹ گھٹ کر جینے کے عذاب سے تو بچ جاتی۔'' آخری الفاظ ادا کرتے ہوئے دوبارہ اُس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔

اجیت اُس کی حالت دیکھ کر عجیب کش مکش کا شکار ہو چکا تھا۔ نندنی کے آنسو اُس کے دل پر گر رہے تھے۔ اُس پر تردد کی سی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ دل کہتا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اِس معصوم اور مظلوم لڑکی کا ساتھ دو، مگر دماغ کہتا تھا کہ یہ جرم ہے بلکہ بہت بڑا پاپ ہے اِس لئے ایسے کام سے باز رہو جس میں کئی معصوم لڑکیوں کو ذبح کرنے کی نوبت آئے۔ دل اور دماغ کی اِس اَن دیکھی جنگ میں آخرکار جیت دل کی ہوئی اور دماغ ہار گیا۔ اُس نے نندنی پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور پھر ایک عزم کے ساتھ بولا۔ ''ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ ہوں بولو مجھے کیا کرنا ہوگا؟''

نندنی نے احسان مندانہ انداز میں اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لڑکی ڈھونڈنا میرا کام ہے لیکن میں ایک کمزور دل لڑکی ہوں اُسے ذبح کرنے کے لئے جس حوصلے اور جرأت کی ضرورت پڑتی ہے وہ مجھ میں نہیں ہے۔ میں اگر ہمت کرکے اُسے ذبح کر بھی لوں تو پھر اُس کے خون سے غسل نہیں کر پاؤں گی۔ اِس کام کو انجام دینے کے لئے ایک مرد ہی کی ضرورت پڑے گی۔''

''یعنی مجھے ایک کی بجائے درجن بھر لڑکیوں کے خون سے ہاتھ رنگنا پڑیں گے؟'' اجیت نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

''میں تم پر کوئی زبردستی کرنا نہیں چاہتی۔'' نندنی نے صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

کہا۔ ''تم اگر میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ مرنا تو ایک دن سبھی نے ہے۔ میں نے بھی اور......''

''نہیں۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے بولا۔ ''تم غلط سوچ رہی ہو، میرے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں تمہارا ساتھ دینا نہیں چاہتا بلکہ میں کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔''

''کیا سوچ رہے؟''

''میں سوچ رہا تھا کہ اگر ایک دو لڑکیوں کی بات ہوتی تو پھر تو کام بن سکتا تھا مگر یہ بارہ لڑکیاں تم کس طرح تلاش کر سکو گی۔ قانون ہاتھ دھو کر ہم دونوں کے پیچھے پڑ جائے گا۔ یہ مت سمجھنا کہ میں ڈر گیا ہوں ایسی کوئی بات نہیں ہے میں صرف تمہارے سامنے حقیقت بیان کر رہا ہوں۔'' اجیت نے ممکنہ خدشے کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

نندنی بولی۔ ''تم لڑکیوں کی چنتا چھوڑ دو وہ میرا کام ہے اور میں کر بھی سکتی ہوں تم اپنے کام کے متعلق سوچو ایسا نہ ہو کہ مجھے بیچ منجدھار چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔''

''میں بزدل نہیں ہوں۔'' اُس نے پُرجوش انداز میں کہا۔ ''بس پورن ماشی کی رات کا انتظار کرو پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔''

''تم بہت پیارے ہو اجیت۔'' نندنی اُس سے لپٹتے ہوئے بولی اور اجیت کا انگ انگ خوشی سے جھوم اُٹھا۔

====OOO====

اجیت کو ساتھ ملانے کے بعد نندنی بے حد خوش تھی۔ اُس نے کاشف کا نعم البدل ڈھونڈ لیا تھا مگر جب بھی اُسے کاشف کا خیال آتا تھا وہ مارے غصے کے کھول اُٹھتی تھی۔ کاشف نے اُس کے ساتھ بہت بڑا دھوکا کیا تھا حالانکہ اُس نے کاشف کے لئے بے شمار قربانیاں دی تھیں۔ اُس پر اپنا تن من وار دیا تھا لیکن وہ بے وفا نکلا تھا۔ محض اپنی جان بچانے کے لئے وہ قانون اور ابو سلیمان کے ساتھ مل گیا تھا۔

اُس سے انتقام لینے کے لئے نندنی نے اپنے کتنے ہی بیر گنوا دیئے تھے اور یہ سب کچھ ابو سلیمان کر رہا تھا۔ ''کاش یہ ابو سلیمان درمیان سے نکل جاتا تو میں کاشف کو وہ سبق سکھاتی

کہ اُس کی سات پشتیں یاد رکھتیں۔'' اُس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔ آج اُسے کاشف پر پہلے سے کہیں زیادہ غصہ آرہا تھا۔ اِس لئے اُس نے خود کاشف سے نمٹنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی مگر وہ اضطرابی کیفیت میں اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔ اجیت کب کا اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ فضا پر ایک جان لیوا سکوت طاری تھا۔ ویسے بھی سرما کی راتیں تھیں جو نہ صرف طویل ہوتی ہیں بلکہ ڈراؤنی بھی ہوتی ہیں مگر اُسے کسی چیز کا ڈر نہیں تھا۔ وہ تو خود خوف کی علامت تھی۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اُس نے زیرِلب چند الفاظ دہرائے اور دوسرے ہی لمحے دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہوگئی۔

ایک ثانیے کے بعد وہ انسپکٹر عابدی کی کوٹھی کے احاطے میں موجود تھی۔ اب اگر اُسے کوئی خطرہ تھا تو صرف ابوسلیمان کی طرف سے تھا اُس کی موجودگی میں وہ کاشف کو نقصان پہنچانے کی کوشش تو کرسکتی تھی مگر کامیابی یا ناکامی کے متعلق اُسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے ایک ناگن کا روپ دھارا اور آہستہ آہستہ رہائشی کمروں کی طرف رینگنے لگی۔ کوٹھی کے لان سے برآمدے میں پہنچنے کے بعد وہ ایک لمحے کے لئے ٹھہر گئی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ کیا اُس کا ناگن کی صورت میں کمروں میں داخل ہونا مناسب ہوگا یا نہیں؟

بہرکیف اُسے کوئی نہ کوئی تو فیصلہ کرنا ہی تھا۔ دشمن کے نزدیک پہنچ جانے کے بعد اُسے ناکام لوٹنا منظور نہیں تھا۔ اِس لئے وہ ایک ایک رہائشی کمرے میں جھانکنے لگی۔ کافی دیر کی تلاش کے بعد اُسے چوتھے کمرے میں تین شخص مل گئے جو اپنے اپنے بستر پر محوِ خواب تھے۔ وہ آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے کاشف کے بستر کے بالکل قریب پہنچ گئی اور پھر ایک دم دُم کے بل فضا میں سیدھی کھڑی ہوگئی۔ کاشف آنے والی افتاد سے بےخبر میٹھی نیند سو رہا تھا۔ ناگن کی گول گول آنکھیں اُس کے بدن پر جمی ہوئی تھیں پھر اچانک ایک جھٹکے کے ساتھ ناگن نے اپنا منہ کاشف کے جسم کی طرف بڑھایا تاکہ اُسے ڈس سکے لیکن وہ اِس بات سے بےخبر تھی کہ کاشف کے چاروں طرف ایک مقدس دائرہ کھنچا ہوا ہے۔ جونہی اُس نے کاشف کو ڈسنے کے لئے آگے کی طرف حرکت کی معاً بستر کے چاروں اطراف آگ کے شعلے بھڑک

اُٹھے اور وہ اُچھل کر پیچھے ہٹ گئی۔ آگ کی تپش اُسے اپنے جسم پر محسوس ہو رہی تھی لیکن اُس کے لئے حیران کن بات یہ تھی کہ کاشف بدستور بڑے سکون کے ساتھ سویا ہوا تھا۔ اُسے آگ نقصان تو ایک طرف رہا تپش تک نہیں پہنچا رہی تھی۔ یہ سب ابوسلیمان کے روحانی علم کا کرشمہ تھا۔ وہ ہر بار ناکام ہو رہی تھی تو صرف ابوسلیمان کی وجہ سے۔

اُس نے ایک دو مرتبہ مزید کوشش کی لیکن کاشف کو ڈسنے میں ناکام رہی۔ تب اُس نے اپنے علوم کو آزمانے کی کوشش کی۔ اپنے بیروں کے ذریعے اُس نے بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی ڈلوایا مگر آگ بجھنے کی بجائے اور تیزی سے بھڑک اُٹھی یوں لگتا تھا جیسے پانی کی بجائے آگ پر کسی نے مٹی کا تیل چھڑک دیا ہو۔

کاشف سے مایوس ہونے کے بعد وہ سجاد کے بستر کی جانب بڑھی مگر وہاں بھی اُسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ آگ کے شعلے وہاں بھی بھڑک اُٹھے تھے لیکن سجاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے تھے البتہ اُسے ناقابلِ برداشت تپش محسوس ہو رہی تھی مگر وہ تینوں بےخبری کے عالم میں بدستور محوِ خواب تھے۔ ابوسلیمان تو بھرپور خراٹے لے رہا تھا جو نندنی کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے مگر وہ اُن کے خلاف کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔

آخرکار نندنی نے جھنجھلا کر اپنے ایک بیر کو حکم دیا کہ وہ آگ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کاشف کو دبوچ لے اور اگر ہوسکے تو اُسے مار ڈالے۔

بیر نے اُس کا حکم سنتے ہی ایک خونخوار بھیڑیے کی شکل اختیار کی اور دوسرے ہی لمحے اُس نے آگ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کاشف کے بستر پر چھلانگ لگادی مگر آگ کی بےانتہا تپش نے اُسے ایک لمحے میں جلا کر راکھ کردیا تھا۔ اُس کے وجود کا کہیں پتا ہی نہیں چل رہا تھا۔ خود کو بہان شکتیوں کی مالک سمجھنے والی نندنی سوئے ہوئے ابوسلیمان کے سامنے بھی بےبس نظر آرہی تھی۔

''اگر یہ جاگ رہا ہوتا تو پھر کیا ہوتا؟'' اُس نے سوئے ہوئے ابوسلیمان پر ایک نگاہ ڈال کر دل ہی دل میں سوچا اور پھر واپس جانے کے لئے تیار ہوگئی۔ ابھی تک وہ ایک ناگن ہی کے روپ میں تھی۔ وہ کمرے سے باہر نکلنا چاہتی تھی کہ عین اُسی وقت ابوسلیمان کی آنکھ کھل

گئی۔ آنکھ کھلتے ہی اُسے نندنی کی موجودگی کا احساس ہوا تو اُس نے فوراً بستر سے چھلانگ لگا دی۔ نندنی نے بھی اُسے بستر سے کودتے دیکھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے رینگتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی اور برآمدے میں سے گزرتی ہوئی لان کے گھنے پودوں میں غائب ہوگئی۔

ابوسلیمان نے اُسے ایک ناگن کے روپ میں پہچان لیا تھا! اس لئے اُس نے نیولے کا روپ دھارنے میں دیر نہیں لگائی تھی تاہم اُس کے کمرے سے باہر نکلنے تک نندنی غائب ہوچکی تھی۔ ابوسلیمان بھی محض اندازے کی بناء پر لان کے پودوں میں گھس گیا۔ نیولے کے روپ میں وہ بڑی تیزی کے ساتھ ایک ایک پودے کے پیچھے ناگن کو تلاش کر رہا تھا مگر ناگن اُسے کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ شاید وہ نکل چکی تھی لیکن ابوسلیمان کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ وہ یہیں کہیں ہے۔

''مجھے معلوم ہے کہ تم یہیں کہیں چھپی ہوئی ہو۔'' ابوسلیمان نے دوبارہ انسانی روپ اختیار کرتے ہوئے اُسے پکارا۔ ''تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ تم خود کو میرے حوالے کر دو اگر میں نے تمہیں تلاش کرلیا تو پھر پچھتاؤ گی۔'' اتنا کہہ کر ابوسلیمان نے ایک لمحہ توقف کیا مگر اُسے اپنی بات کا کوئی جواب نہ ملا تو وہ دوبارہ بولا۔ ''تم میں اگر ہمت ہے تو سامنے آکر میرا مقابلہ کرو، یہ بزدلوں کی طرح وار کرنا اور پھر ڈر کر بھاگ جانا اچھی بات نہیں ہے۔ سامنے آکر مجھ سے جنگ کرو میں اگر ہار گیا تو وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری غلامی اختیار کرلوں گا۔''

ابوسلیمان کی بات جونہی ختم ہوئی معاً اُسے اپنے عقب میں شیر کی دھاڑ سنائی دی اور ابوسلیمان پلک جھپکنے کی دیر میں فضا بلند ہوگیا۔ اُسے اگر ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو شاید شیر اُسے دبوچ چکا ہوتا کیونکہ دھاڑنے کے ساتھ ہی شیر نے اُس پر جست لگادی تھی۔

دوسرے ہی لمحے کوٹھی کے وسیع وعریض لان میں ایک کی بجائے دو شیر آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو قہر آلود نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ دوسرا شیر یقیناً ابوسلیمان تھا دونوں شیروں نے بیک وقت فضا میں چھلانگ لگائی اور ایک دھماکے کے ساتھ ایک دوسرے سے فضا میں ہی ٹکرا گئے۔

اب دونوں درندوں کے درمیان ایک خوفناک جنگ شروع ہوچکی تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر حملہ کر رہے تھے۔ لان کے پودے وغیرہ اُن کی زد میں آکر کچلے جا رہے تھے مگر دونوں درندے اردگرد کے ماحول سے بے خبر ایک دوسرے کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

شیروں کے دھاڑنے کی آواز سُن کر سجاد اور کاشف بیک وقت جاگ اُٹھے تھے۔ سجاد نے سب سے پہلے ابوسلیمان کے بستر پر نظر ڈالی تھی مگر وہ اپنے بستر سے غائب تھا۔ عین اُسی وقت باہر سے شیر کی خوفناک دھاڑ سنائی دی اور وہ دونوں لرز کر رہ گئے۔ سجاد تیزی سے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کی طرف بڑھا اور پھر بلاتردد کھڑکی کھول کر باہر کا منظر دیکھنے لگا۔ کاشف بھی اُس کے قریب آکر کھڑا ہوگیا تھا۔ باہر لان میں دو جسیم شیر ایک دوسرے کو رگید رہے تھے۔ وہ دونوں تحیر اور خوف کی ملی جلی کیفیت میں یہ خوفناک منظر دیکھ رہے تھے۔ یقیناً ان شیروں میں ایک شیر ابوسلیمان تھا مگر وہ دونوں اُسے پہچاننے سے قاصر تھے۔

''کہیں بھائی جان یہ صورت حال دیکھ کر گولی ہی نہ چلا دیں۔'' یہ کہہ کر سجاد دوڑتا ہوا کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تاہم کاشف وہیں کھڑکی کے سامنے کھڑا شیروں کی لڑائی دیکھتا رہا۔

انسپکٹر عابدی اپنی خوابگاہ میں گہری نیند سویا ہوا تھا جب وہ اچانک ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا۔ ابھی وہ آنکھ کھلنے کے سبب پر غور کر ہی رہا تھا کہ اچانک اُسے لان کی طرف سے شیر کی خوفناک دھاڑ سنائی دی اور لمحاتی طور پر وہ کانپ کر رہ گیا دوسرے ہی لمحے اُس نے بستر سے چھلانگ لگائی اور اپنا سروس ریوالور اُٹھانے کے بعد تیزی سے خوابگاہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

برآمدے میں پہنچنے کے بعد وہ ایکدم ٹھٹک کر رک گیا۔ اُس سے تقریباً بیس قدم دور لان میں دو خوفناک شیر آپس میں لڑ رہے تھے۔ لان کے چند پولز پر لگی ہوئی لائٹس کی روشنی میں دونوں شیر لڑتے ہوئے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ عابدی نے فوراً ریوالور سیدھا اور ایک شیر کا نشانہ لے کر اُنگلی ٹرائیگر پر رکھ دی۔ مگر شیر جس تیزی کے ساتھ لڑ رہے تھے عابدی کے لئے نشانہ لینا مشکل ہو رہا تھا۔ دونوں شیر اچھل اچھل کر ایک دوسرے پر جھپٹ رہے

تھے۔ پھر ایک شیر جست لگانے کے انداز میں لمحہ بھر کے لئے اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا اور عابدی کو گولی چلانے کا موقع مل گیا۔

ٹرائیگر پر رکھی ہوئی اُس کی انگلی دبنے ہی والی تھی کہ عین اُسی وقت اُس کی سماعتوں سے سجاد کی چیختی ہوئی آواز ٹکرائی۔ ''گولی مت چلانا بھائی جان!''

عابدی نے پلٹ کر دائیں جانب دیکھا تو سجاد تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں اترتا ہوا اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

''ان میں سے ایک شیر ابوسلیمان ہے۔'' وہ عابدی کے نزدیک پہنچتے ہوئے بولا۔ ''لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ کونسا شیر ہے اس لئے گولی اُسے نقصان پہنچا سکتی ہے۔''

''اوہ گاڈ!'' انسپکٹر عابدی نے اطمینان کی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ''اگر تم بروقت نہ پہنچتے تو شاید حالات نے سنگین صورت اختیار کر لی ہوتی۔''

شیر بدستور ایک دوسرے کو رگید رہے تھے۔ دونوں کے بدن سے خون ٹپک رہا تھا لیکن ایک شیر کچھ زیادہ ہی زخمی ہو چکا تھا اور وہ حملہ کرنے کی بجائے دفاع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اُن کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک شیر اچانک پسپا ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ دوسرا شیر بھی اُس کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔

یہ صورتحال دیکھ کر سجاد بھی اُن کے تعاقب میں دوڑنے لگا۔ سجاد کے صدر دروازے تک پہنچتے پہنچتے دونوں شیر اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔ لیکن صدر دروازہ بدستور بند تھا شاید شیر دیوار پھلانگ کر نکل گئے تھے۔ تاہم سجاد دروازے کے نزدیک پہنچ کر رک گیا تھا کیونکہ اب شیروں کے تعاقب میں جانا حماقت ہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عابدی بھی اُس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ ''شیر تو نکل چکے ہیں اب اُن کا تعاقب کرنے کا کیا فائدہ؟'' عابدی نے جاتے ہی سوال کیا۔

''ابوسلیمان کو اُس کے تعاقب میں نہیں جانا چاہتے تھے۔ نندنی بہت مکار جن زادی ہے۔ پسپا ہو کر بھاگنا اُس کی کوئی چال بھی ہو سکتی ہے۔'' سجاد نے پریشان کن انداز میں جواب دیا۔

''تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا ہے کہ تعاقب میں جانے والا شیر واقعی ابوسلیمان ہی تھا؟

کیا وہ نندنی نہیں ہو سکتی؟'' انسپکٹر عابدی نے دوبارہ انداز میں پوچھا۔

''نہیں۔'' سجاد نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''ابوسلیمان ایک سچا اور بہادر جن ہے۔ وہ مر تو سکتا ہے لیکن میدان چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہیں کر سکتا۔ یقیناً پسپا ہونے والے شیر کے روپ میں نندنی ہی تھی۔''

''اچھا چل واپس چلتے ہیں کاشف اکیلا گھبرا رہا ہوگا۔'' عابدی واپس مڑتے ہوئے بولا اور سجاد بغیر کچھ کہے اُس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ تینوں ایک ہی کمرے میں بیٹھے ابوسلیمان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔

====OOO====

اُس رات نندنی بڑی مشکل کے ساتھ ابوسلیمان سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ ابوسلیمان نے اُسے کافی گہرے گھاؤ لگائے تھے۔ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی نندنی نڈھال سی ہو کر بستر پر گر گئی تھی۔ اُس کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ اجیت اُس کے زخم دیکھ کر مشکوک ہو سکتا تھا۔ اُسے صبح ہونے سے پہلے ہی کوئی مناسب بہانہ سوچنا تھا تاکہ اجیت کو باآسانی مطمئن کیا جا سکے۔ کافی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد آخر کار اُسے ایک مناسب بہانہ مل ہی گیا۔

وہ اجیت سے یہ کہہ سکتی تھی کہ اُسے اُس مخصوص بیماری کی وجہ سے کبھی کبھار ایسے دورے بھی پڑنے لگتے ہیں کہ وہ ہوش کھو بیٹھتی ہے اور پھر خود کو زخمی کرنے سے بھی نہیں چوکتی۔ اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے وہ کچن سے ایک چھری بھی اُٹھا لائی تھی۔ اب وہ اجیت کی طرف سے مطمئن ہو چکی تھی اس لئے اپنے زخموں کی طرف متوجہ ہو گئی۔

سب سے پہلے اُس نے زخموں پر ٹھنڈا پانی ڈال کر رستے ہوئے خون کو روکنے کی کوشش کی۔ جب خون رُک گیا تو اُس نے ایک سفوف نما دوائی زخموں پر چھڑک کر پٹیاں باندھ لیں۔ ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اطمینان سے دوبارہ اپنے بستر پر لیٹ گئی مگر کوشش کے باوجود اُسے صبح تک نیند نہ آ سکی۔ اُسے کاشف اور ابوسلیمان پر بے تحاشہ غصہ آ رہا تھا مگر ہر بار اُسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ صبح کے وقت جب اجیت نندنی کے

کمرے میں داخل ہوا تو اُسے پٹیوں میں لپٹا دیکھ کر ایک لمحے کے لئے تو حیران رہ گیا پھر پریشان کن لہجے میں بولا۔

''یہ۔ یہ پٹیاں کیسی ہیں؟''

نندنی نے کہا۔''یہ وہی بیماری والا چکر ہے۔ اچانک ہی مجھے دورہ سا پڑ جاتا ہے اور پھر میں خود کو زخمی کر بیٹھتی ہوں۔ ہوش میں آتے ہی خود ہی اپنی مرہم پٹی کر لیتی ہوں مگر تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ معمولی سے زخم ہیں بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔''

اجیت بولا۔''پریشان تو مجھے ہونا ہی پڑے گا۔ کاش پورن ماشی کی رات کل ہی آ جاتی۔''

''پورن ماشی کی رات آنے میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ تم بے وجہ پریشان ہو رہے ہو۔ لڑکی تو میں نے ڈھونڈ لی ہے مگر ۔۔۔''وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''مگر کیا؟''اجیت نے فوراً استفسار کیا۔

نندنی نے کہا۔''دراصل میں سوچ رہی تھی کہ اُسے اغوا کرنے کے بعد رکھوں گی کہاں؟''

''یہ میرا مسئلہ ہے۔''اجیت بولا۔''تم اُسے ایک بار یہاں لے آؤ۔ رکھنے کی بہت سی خفیہ جگہیں ہیں۔ میرے گھر میں ایک تہہ خانہ بھی موجود ہے جس کا علم صرف مجھے ہے۔ اُسے وہاں باآسانی رکھا جا سکتا ہے۔''

''کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو کیونکہ پورن ماشی کی رات آنے میں صرف پانچ دن رہ گئے ہیں۔ ہمیں فی الفور لڑکی کا بندوبست کر لینا چاہئے ورنہ عین وقت پر لڑکی نہ مل سکی تو ہمارا سارا کام چوپٹ ہو جائے گا۔ میں کل ہی کسی مناسب لڑکی کی تلاش میں نکل جاتی ہوں۔''نندنی نے اُس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے جواب دیا اور اجیت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ دن نندنی نے اجیت اور شکنتلا کے ساتھ گپ شپ میں گزار دیا تھا۔ شکنتلا کو بھی نندنی کی دورے پڑنے والی بیماری کے متعلق معلوم ہو چکا تھا تاہم نندنی اور اجیت نے شکنتلا سے نندنی کے علاج کے بارے میں کوئی بات چیت نہیں کی تھی کیونکہ نندنی اپنے ذاتی مسئلے میں

اجیت کے سوا کسی اور کو شریک کرنا نہیں چاہتی تھی تاہم شکنتلا نے اُس کے زخموں کے بارے میں استفسار ضرور کیا تھا مگر نندنی بہانے گھڑنے میں ماہر تھی۔ اُس نے ایک مناسب بہانہ بنا کر وقتی طور پر شکنتلا کو مطمئن کر دیا تھا۔

دوسرے دن شام کے وقت نندنی نے اجیت سے اجازت چاہی اور گھر سے باہر نکل گئی۔ دوسرے شکار کے لئے وہ صبیحہ کا انتخاب کر چکی تھی۔ اس طرح وہ کاشف کو بھی زک پہنچانا چاہتی تھی کیونکہ کاشف کے ساتھ رہ کر اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صبیحہ کو چاہتا ہے۔

نندنی اُس وقت ایک خوبصورت اور حسین و جمیل دوشیزہ کے روپ میں تھی۔ اگر وہ چاہتی تو پلک جھپکنے کی دیر میں صبیحہ کے گھر تک پہنچ سکتی تھی لیکن آج اُس کا دل کسی نوجوان سے دل لگی کرنے کو چاہ رہا تھا۔ اس لئے وہ گاؤں سے نکل کر شہر کی طرف جانے والی بڑی سڑک پر پہنچ کر رک گئی۔ اُس کی پیشانی اور بائیں بازو پر ابھی تک پٹیاں موجود تھیں تاہم وہ کسی قسم کا درد محسوس نہیں کر رہی تھی۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا اور چاک و چوبند محسوس کر رہی تھی۔

اُس کے سنہری مائل بال شام کی سبک رو ہوا میں اڑتے ہوئے بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے اور کندھے سے ایک خوبصورت لیڈیز پرس لٹکتا ہوا اُس کی کمر تک پہنچ رہا تھا۔ سرد موسم ہونے کے باوجود اُس نے ہلکا پھلکا سا لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ سڑک سے اکا دکا ٹریفک گزر رہا تھا مگر اُس پر کوئی بھی توجہ نہیں دے رہا تھا کیونکہ وہ غائب حالت میں کھڑی ہوئی تھی۔ شام کا مٹمیلا سا اندھیرا آہستہ آہستہ اپنے پر پھیلا رہا تھا جب اچانک اُسے مخالف سمت سے ایک گرے کلر کی ہنڈا سوک آتے ہوئے دکھائی دی۔

گاڑی کے قریب پہنچنے سے پہلے وہ ظاہر حالت میں آ چکی تھی۔ گاڑی جونہی اُس کے نزدیک پہنچی اُس نے لفٹ لینے کے انداز میں ہاتھ اُٹھا دیا۔ اُس کی توقع کے عین مطابق گاڑی میں ڈرائیور کے علاوہ دوسرا شخص موجود نہیں تھا۔ ڈرائیور کافی ہینڈسم اور نوجوان شخص تھا۔ اُس نے نندنی کے اشارے پر فوراً گاڑی روک دی تھی۔ گاڑی کے رکتے ہی نندنی مستانہ چال چلتے ہوئے کھڑکی کے قریب پہنچ گئی اور پھر آگے کی طرف جھکتے ہوئے مترنم آواز

میں بولی۔

''کیا آپ مجھے شہر تک لفٹ دینا پسند کریں گے؟ مجھے یہاں کھڑے ہوئے کافی دیر گزر چکی ہے لیکن نہ ہی کوئی ٹیکسی آ رہی ہے اور نہ ہی کوئی بس وغیرہ۔ اُوپر سے رات ہو چکی ہے میرے گھر والے میرے متعلق بہت پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

نندنی کھڑکی پر کچھ اِس انداز میں جھکی ہوئی تھی کہ اُس کے کشادہ گریبان سے وہ سب کچھ دکھائی دے رہا تھا جو ایک مرد کی عقل خبط کرنے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ نوجوان کی پُر ہوس نگاہیں اُس کے گریبان پر جم کر رہ گئیں تھیں تاہم نندنی کو جواب دینا بھی ضروری تھا۔ اِس لئے اُس نے گریبان سے نگاہیں ہٹا کر نندنی کی طرف دیکھا اور پھر نثار ہو جانے والے لہجے میں بولا۔

''کیوں نہیں جی! تشریف رکھیں جہاں آپ کہیں گی وہیں اتار دوں گا۔ آخر بندہ ہی بندے کے کام آتا ہے۔'' اتنا کہہ کر اُس نے دوسری طرف کی کھڑکی کھول دی۔

نندنی ''شکریہ'' کہہ کر اُس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی اور نوجوان نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

''آپ...... یہاں اکیلی کیا کر رہی تھیں؟'' نوجوان نے گفتگو کی ابتداء کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''اِس گاؤں میں میری ایک رشتے کی خالہ رہتی ہے اور میں اُسی سے ملنے کے لئے آئی تھی۔ باتوں باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا اور یوں میں لیٹ ہو گئی۔ حالانکہ خالہ جان بار بار اصرار کرتی رہی کہ میں رات اُنہی کے ہاں بسر کر لوں مگر مجھے اپنے گھر کے علاوہ کہیں نیند ہی نہیں آتی۔''

''کیا آپ کو اکیلے گھومنے پھرنے سے ڈر نہیں لگتا۔؟'' نوجوان نے ذومعنی انداز میں پوچھا اور نندنی کے لبوں پر بے اختیار ایک مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ غالباً نوجوان اُس پر مرمٹا تھا۔

''ڈر کیسا مسٹر؟ یہ اکیسویں صدی ہے آج کل تو ہر کوئی اکیلا گھومتا ہے۔ لڑکیاں اکیلی

کالج یونیورسٹی جاتی ہیں، اکیلی جاب پر جاتی ہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔'' نندنی نے نذرانہ از میں جواب دیا اور نوجوان اُس پر ایک بھرپور نظر ڈال کر مسکرا دیا۔

''یہ آپ زخمی کس طرح ہو گئیں۔'' شاید نوجوان کا پہلے پٹیوں کی طرف خیال ہی نہیں گیا تھا۔

''خالہ کے گھر میں سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔'' اتنا کہہ کر نندنی نے ایک قہقہہ لگایا اور دوبارہ بولی۔'' اب آپ میرا نام پوچھیں گے مگر میں آپ کو یہ زحمت نہیں دوں گی۔ اِس لئے پوچھے بغیر بتا دیتی ہوں۔ میرا نام نرملا ہے اور میں ابھی تک غیر شادی شدہ ہوں۔ بس یا اور کچھ بتاؤں؟''

نوجوان ایک لمحے کے لئے اُس کی بے باکی پر حیران رہ گیا۔ اُس نے اپنی زندگی میں آج تک ایسی چالاک اور چٹر پٹر کر کے باتیں کرنے والی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ اُس کی بے باک گفتگو نے ایک لمحے کے لئے نوجوان کو چکرا کر رکھ دیا مگر پھر وہ بھی بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

''کیا میرا نام نہیں پوچھیں گی آپ؟''

''میری طرح، آپ خود ہی بتا دیں۔'' نندنی نے بدستور کھلکھلاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''او کے۔'' نوجوان نے کہا۔''میرا نام سنجے گپتا ہے اور خوش قسمتی سے میں بھی تمہاری طرح کنوارا پھر رہا ہوں۔''

''کیوں؟ شادی کرنا نہیں چاہتے یا پھر اپنے مطلب کی کوئی لڑکی ہی نہیں مل رہی؟'' نندنی نے استفسار کیا۔

''نہیں یہ بات نہیں ہے۔'' سنجے گپتا نے ہنستے ہوئے کہا۔'' دراصل میرا ابھی شادی کرنے کا ارادہ نہیں ہے ورنہ لڑکیوں کی کیا کمی ہے یہاں۔ ایک سے بڑھ کر ایک حسینہ مل جاتی ہے جیسے ابھی آپ مل گئی ہیں۔''

''میں خود کو حسیناؤں میں شمار نہیں کرتی تاہم لوگ مجھے قبول صورت کہتے ہیں۔''

سنجے گپتا بولا۔ ''آپ کسرِ نفسی سے کام لے رہی ہیں ورنہ آپ جیسی سندر لڑکی پورے ہندوستان میں نہیں ملے گی۔ کوئی بھی دل والا آپ کی جنبشِ ابرو پہ جان وار سکتا ہے۔ آپ لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ایک ہیں۔''

''آپ کو باتیں بنانا خوب آتا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ ''ویسے میں اسے ڈورے ڈالنا بھی کہہ سکتی ہوں۔ نوجوان لڑکیوں میں یہ فطری کمزوری ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی مرد اُن کے حُسن کی تعریف کرتا ہے وہ پکے ہوئے پھل کی طرح اُس کی جھولی میں آن گرتی ہیں۔ آپ یقیناً میری اس بات سے اتفاق کریں گے؟''

اُس کی بات سن کر نوجوان کے تیور ایکدم بدل گئے۔ اُس وقت وہ ایک ویران مقام سے گزر رہے تھے۔ نوجوان نے اسٹیئرنگ گھما کر گاڑی کو کچے راستے پر اتارتے ہوئے اوباشانہ انداز میں کہا۔ ''اگر تم ایسا سمجھتی ہو تو پھر کیوں نہ میں اپنی جھولی میں گرتے ہوئے اس پکے پھل کا لطف اُٹھا لوں۔''

''اے مسٹر گپتا!'' نندنی نے اُسے بارعب لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری جھولی میں گرا ہوا یہ پھل بہت کڑوا ہے۔ تمہارے حلق سے نہیں اترے گا اس لئے بہتر یہی ہے کہ تم گاڑی کو واپس سڑک کی طرف موڑ لو ورنہ بہت بُرا ہوگا۔''

''میں تمہاری جیسی لڑکیوں کو خوب سمجھتا ہوں۔'' سنجے گپتا استہزائیہ انداز میں بولا۔ ''امیروں کو پھانسنا تمہارا مشغلہ ہے۔ بہرکیف مطمئن رہو میں تمہیں تمہاری توقع سے بڑھ کر معاوضہ دوں گا۔ بولو کتنا چاہیے؟''

''دیکھو! میں ایک بار پھر تمہیں شرافت سے سمجھا رہی ہوں، تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں گاڑی کو واپس گھماؤ ورنہ ...''

''ورنہ.... تم مجھے کھا جاؤ گی یا پھر کسی خوفناک بلا کا روپ دھار کر میرا خون چوس لوگی۔'' سنجے گپتا نے قہقہہ لگا کر اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا لیکن وہ خاموش رہی۔ گاڑی اس دوران سڑک سے کافی دور ویرانے میں داخل ہو چکی تھی۔ سنجے گپتا نے بریک لگا کر گاڑی کو روکا اور پھر پُرہوس نگاہوں سے نندنی کی طرف دیکھنے لگا۔ ''خود ہی تعاون کرو گی یا پھر مجھے

زبردستی کرنے پر مجبور کرو گی۔'' گاڑی کے رکتے ہی اُس نے نندنی کو مخاطب کیا۔

''ایسا تعاون کروں گی کہ تم یاد کرنے کے قابل بھی نہیں رہو گے۔'' اتنا کہہ کر نندنی نے ایسا خوفناک روپ دھارا جسے دیکھ سنجے گپتا کی بولتی بند ہو گئی اور وہ بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا۔ نندنی کی جگہ اب گاڑی میں ایک کریہہ الشکل ڈریکولا عورت بیٹھی ہوئی تھی اُس کے دو دو انچ کے نوکیلے دانت لبوں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور پنجوں کے ناخن دانتوں سے بھی زیادہ لمبے نظر آ رہے تھے۔

موسم سرد ہونے کے باوجود سنجے گپتا کے پسینے چھوٹ رہے تھے اور چہرے پر موت کے سائے رقص کر رہے تھے۔ اس کی آنکھوں سے اک ناقابلِ بیان خوف جھلک رہا تھا۔

''اب بولو مسٹر گپتا! کیا کہتے ہو؟ کیا تمہارا خون چوس لوں؟ ابھی تھوڑی دیر قبل تم یہی کہہ رہے تھے نا!'' نندنی نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچتے ہوئے کہا اور سنجے گپتا زور لگا کر خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا لیکن یہ اس کی بھول تھی ایک جن زادی کی گرفت سے نکلنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ دوسرے ہی لمحے اس کو سیٹ پر گرا کر نندنی نے اپنے نوکیلے دانت اس کی گردن میں گاڑ دیے۔

سنجے گپتا کے منہ سے خرخراتی ہوئی آواز نکل رہی تھی اور وہ خود کو بچانے کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا مگر موت کے شکنجے سے نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔ صرف چند لمحوں کے بعد گاڑی کی سیٹ پر سنجے گپتا کی لاش پڑی ہوئی تھی جس کی کھلی ہوئی آنکھوں میں ایک ایسا خوف منجمد تھا جسے لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔

سنجے گپتا کو ٹھکانے لگانے کے بعد نندنی دوبارہ اپنی پہلے والی شکل میں واپس آ گئی اور دوسرے ہی لمحے نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تاہم سنجے گپتا کی لاش وہیں گاڑی میں پڑی رہ گئی تھی۔

====OOO====

عین آدھی رات کے وقت نندنی غائب حالت میں صبیحہ کے گھر میں داخل ہوئی تو وہاں گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ گھر کے مکین گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ تین کمروں پر مشتمل یہ

مختصر سا مکان مکینوں کی مفلسی کا جیتا جاگتا نمونہ تھا۔ در و دیوار سے اداسی کے ساتھ ساتھ عسرت ٹپک رہی تھی لیکن نندنی کے پہلو میں دل کی جگہ پتھر رکھا ہوا تھا۔ جس میں ہمدردی کے جذبات پنپ ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ رحم کے لفظ سے نا آشنا تھی۔

اسے صبیحہ کو ڈھونڈنے میں ایک لمحے کی دیر بھی نہیں لگی تھی۔ وہ اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ درمیان والے کمرے میں محوِ خواب تھی۔ زیرو بلب کی مدھم روشنی میں نندنی نے محو استراحت صبیحہ پر ایک بھرپور نظر ڈالی اور پھر بے اختیار اس کے لبوں پر ایک پُراسرار سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ ''لڑکی بھرپور جوان ہے اس کے خون سے غسل کر کے بہت مزا آئے گا۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر زیر لب کچھ پڑھ کر اس پر پھونک دیا۔

اب صبیحہ کی آنکھ اس کے چاہے بغیر نہیں کھل سکتی تھی کیونکہ نندنی نے اپنے کالے علم کے ذریعے اسے بے ہوش کر دیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے نندنی نے صبیحہ کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور فضا میں تیرتی ہوئی واپس اجیت کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئی۔ بے ہوش صبیحہ اس کے کندھے پر جھول رہی تھی۔ گاؤں میں داخل ہوتے ہی اس نے اجیت کے گھر کا رخ کیا۔

صبیحہ کو لے کر جب وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اجیت وہاں موجود تھا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ وہ اس وقت ظاہر حالت میں تھی ورنہ صورتحال بگڑ سکتی تھی کیونکہ اجیت پر اس نے اپنی اصلیت ابھی تک ظاہر نہیں کی تھی اور نہ ہی ظاہر کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

''تم نے بہت دیر لگا دی ہے۔ میں تو بہت پریشان ہو رہا تھا کہ شاید تم کسی مصیبت میں پڑ گئی ہو۔'' اجیت اسے دیکھتے ہی جھٹ سے بولا۔

نندنی نے صبیحہ کو بستر پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''یہ لڑکی بہت تیز و طرار ہے کسی طرح قابو میں ہی نہیں آ رہی تھی۔ مجبوراً مجھے اسے بے ہوش کرنا پڑا تب کہیں جا کر میں اسے یہاں لانے میں کامیاب ہوئی ہوں۔''

اس کے بعد اجیت کے استفسار پر نندنی نے لڑکی کے اغوا کی ایک خود ساختہ کہانی اسے سنا دی تھی جسے سن کر اس عقل کے اندھے نے یقین کر لیا تھا۔ حسن چیز ہی ایسی ہے کہ اچھے اچھوں کی عقل خبط کر دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے مل کر صبیحہ کو تہہ خانے میں ڈال

دیا تھا۔ اجیت نے پینے کے لئے ایک برتن میں پانی بھی رکھ دیا تھا تاکہ ہوش میں آنے کے بعد صبیحہ کو اگر پیاس لگے تو پانی موجود ہو۔ نندنی نے دوبارہ کچھ پڑھ کر اس پر پھونک دیا تھا اب وہ کسی بھی وقت ہوش میں آ سکتی تھی۔

تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ دونوں باہر آئے اور پھر تختہ کھینچ کر فرش کو برابر کر دیا۔ یہ تہہ خانہ جس کمرے کے نیچے واقع تھا وہ اکثر بند رہتا تھا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس تہہ خانے کا علم صرف اجیت کو تھا۔ شکنتلا اور اس کی ماں اس تہہ خانے کے متعلق لا علم تھیں۔

''لڑکی ہے تو بہت خوبصورت لیکن افسوس کہ بیچاری چند دنوں کی مہمان ہے۔'' کمرے میں واپس پہنچتے ہی اجیت نندنی سے بولا۔

''ٹھیک ہے پورن ماشی کی رات تمہاری یہ خواہش پوری کر دی جائے گی۔ فی الحال تمہاری خدمت میں یہ داسی اپنے آپ کو پیش کرتی ہے۔ امید ہے تمہیں یہ داسی ضرور پسند آئے گی۔'' اتنا کہہ کر نندنی نے اس کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اجیت نے بے اختیار ہو کر اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔

اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے نندنی کا من پسند کھیل شروع ہو گیا تھا۔ وہ بھرپور انداز میں اجیت کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ کیف و سرور میں ڈوبنے کے بعد ان کے منہ سے آہیں اور سسکاریاں خارج ہو رہی تھیں۔ ایک دوسرے میں کھو کر وہ سب کچھ فراموش کر چکے تھے۔

====OOO====

اس رات نندنی کے فرار نے ابوسلیمان کو اپنی ہی نظروں سے گرا دیا تھا۔ وہ خود کو جی بھر کر کوس رہا تھا کیونکہ نندنی ہر بار اس کے ہاتھ میں آ کر نکل جاتی تھی۔ سجاد الگ سے اس کا مذاق اڑا رہا تھا البتہ انسپکٹر عابدی اور کاشف برابر اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس کی جھنجلاہٹ کسی طرح بھی کم نہیں ہو رہی تھی۔

''میں اس کا وہ حشر کروں گا کہ اس کی کئی نسلیں یاد رکھیں گی۔'' ابوسلیمان ان تینوں کے

ساتھ جیفا دانت پیستے ہوئے بولا۔

"کسے یاد رکھیں گی؟" سجاد نے استہزائیہ لہجے میں پوچھا۔

"ابوسلیمان کو اور کسے؟" اس نے جھنجھلا کر جواب دیا اور وہ تینوں ہنس پڑے۔ "تم لوگوں کو دانت نکالنے کے علاوہ بھی کوئی کام آتا ہے؟" ابوسلیمان نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "براہ کرم سنجیدگی اختیار کر لیجئے۔ اس وقت میں کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"کیا تم زبان سے سوچتے ہو؟" سجاد بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔

"میں دماغ سے سوچتا ہوں مگر زبان کو آرام ملے گا تو تب کچھ سوچ سکوں گا نا!"

"ابوسلیمان بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔" عابدی اس کی تائید کرتے ہوئے بولا۔ "معاملہ بہت سیریس ہے۔ وہ جن زادی ہاتھ نہیں آ رہی اور اوپر سے پورن ماشی کی رات بھی آنے والی ہے۔ دعا کرو کہ وہ اگلے شکار کیلئے صبیحہ ہی کو منتخب کرے تاکہ ہم با آسانی اسے گھیر سکیں۔"

ابوسلیمان بولا۔ "صبیحہ کی نگرانی میرا ایک دوست کر رہا ہے مگر میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔"

"وہ کیا؟" عابدی نے استفسار کیا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ صبیحہ کو اغوا ہونے دیا جائے۔ دراصل میں پورن ماشی کی رات نندنی پر ہاتھ ڈالنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں یہ رسک ہے۔" سجاد بولا۔ "اس طرح صبیحہ بے چاری کو کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ میں تمہاری اس سوچ کی تائید نہیں کروں گا۔"

"ہمیں یہ رسک تو لینا ہی پڑے گا۔" ابوسلیمان کی بجائے کاشف بولا۔ "البتہ میں تم لوگوں کو یہ یقین دلاتا ہوں کہ نندنی صبیحہ کو اغوا کرنے کے بعد پورن ماشی کی رات تک کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔"

"میں جانتا ہوں۔" ابوسلیمان نے کہا۔ "اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ اسے اغوا ہونے دیا جائے مجھے یقین ہے کہ آنے والی پورن ماشی کی رات نندنی کی زندگی کی آخری رات ہو

گی۔" اتنا کہہ کر ابوسلیمان اچانک غائب ہو گیا اور وہ تینوں پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

ایک لمحہ توقف کے بعد سجاد بولا۔ شاید کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ لگتا ہے ابوسلیمان کو اس کے اس دوست نے بلایا ہے جو صبیحہ کی نگرانی پر مامور تھا۔" "لیکن اسے بتا کر جانا چاہئے تھا۔ خواہ مخواہ ہمیں پریشانی میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"جنوں کے کام جن ہی جانیں یا پھر اللہ جانے بندے کیا جانیں؟" سجاد نے حسب عادت سر کھجاتے ہوئے اوٹ پٹانگ سا جواب دیا اور وہ دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

"پورن ماشی کی رات آنے میں دن کتنے رہ گئے ہیں؟" کاشف نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"صرف تین دن رہ گئے ہیں۔" سجاد نے کہا۔ "لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کہیں تم بھی کوئی عمل وغیرہ تو شروع نہیں کر رہے ہو؟"

"خدا بچائے مجھے ایسی باتوں سے۔" کاشف کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولا۔ "میں تائب ہو چکا ہوں۔"

"خدا تمہاری توبہ قبول کرے اور تمہیں نندنی جیسی بدکار جن زادیوں کے شر سے محفوظ رکھے۔" سجاد نے اس کے حق میں دعائیہ کلمات ادا کرتے ہوئے جواب دیا۔

اسی دوران ابوسلیمان اچانک ظاہر ہو گیا اور وہ تینوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ابوسلیمان ان کی نگاہوں کا مطلب بھانپتے ہوئے بولا۔ "نندنی صبیحہ کو اٹھا کر لے گئی ہے اور مجھے اس کا ٹھکانا بھی معلوم ہو گیا ہے۔ وہ شہر سے دور ایک گاؤں میں رہتی ہے۔"

سجاد بولا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ اس پر اسی وقت بلہ بول دیا جائے۔ کہیں یہ نہ ہو کہ وہ صبیحہ کو لے کر غائب ہو جائے اور ہم ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جائیں۔"

کاشف نے کہا۔ "یہ خیال دل سے نکال دو۔ نندنی کہیں بھی چلی جائے مگر اپنے عمل کی تکمیل کیلئے رام مندر میں ہی آئے گی۔ اس عمل کے لئے ایک بار جو جگہ متعین کی جاتی ہے بعد میں وہ تبدیل نہیں کی جا سکتی ورنہ عمل کا الٹا اثر ہو جاتا ہے اور عامل کو اپنی جان کے لالے

پڑ جاتے ہیں۔''

''گڈ۔'' عابدی اسے شاباش دیتے ہوئے بولا۔''یہ بات بتا کر تم نے ہماری آدھی پریشانی کم کردی ہے۔ نندنی کو ٹھکانے لگانے کے بعد انشاءاللہ میں عدالتی کارروائی میں تمہاری بھرپور مدد کروں گا۔''

''مدد تو اس کی ابوسلیمان کرے گا۔'' سجاد بولا۔''دیکھنا یہ پکی پیشی پر ہی باعزت بری ہو جائے گا۔''

''وہ کیسے؟'' عابدی نے حیرت سے پوچھا۔''کیا ابوسلیمان وکیل ہے جو کاشف کی مدد کرے گا؟''

''وکیل نہیں وکیلوں کا باپ ہے بھائی جان۔'' سجاد نے فخریہ انداز میں ابوسلیمان کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔''یہ آپ کو عدالت میں معلوم ہوگا کہ ابوسلیمان کیا کرسکتا ہے فی الحال اس مسئلے کو رہنے دیجئے اور نندنی کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں غور کیجئے۔''

''فکر مت کرو۔'' ابوسلیمان بولا۔''اب کی بار وہ میرے ہاتھ سے بچ کر نہیں جاسکے گی۔ میں اسے جلا کر راکھ کردوں گا۔''

''مگر فی الحال صبیحہ کی حفاظت کرنے کیلئے تم نے کیا بندوبست کیا ہے؟'' عابدی نے ابوسلیمان سے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے صبیحہ کی حفاظت کا بندوبست ہوچکا ہے۔ میں نے وقتی طور پر اُس کے ذہن کو مفلوج کردیا ہے۔ اب وہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی یوں سمجھئے جیسے اُس کی یادداشت کھو چکی ہو۔'' ابوسلیمان نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔

''یہ سب تم نے کب کیا ہے؟'' عابدی نے دوبارہ سوال کیا۔

''یہ میں نے نہیں کیا بلکہ میرے اُس دوست نے کیا ہے جو اس وقت صبیحہ کے بدن میں داخل ہو کر گاؤں کے ایک تہہ خانے میں پڑا ہوا ہے۔'' ابوسلیمان نے اُسے فخریہ انداز میں بتاتے ہوئے کہا۔

سجاد نے کہا۔''ارے یار تم نے تو کمال کردکھایا میں تو تمہیں ایک کند ذہن جن سمجھتا تھا

لیکن تم تو جنوں کے آئن سٹائن ہو۔''

''یہ آئن سٹائن کون ہے؟ میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں، کہاں ملے گا یہ؟'' ابوسلیمان نے سوالیہ انداز میں پوچھا اور وہ تینوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''یہ تمہیں عالم ارواح میں ملے گا۔ اپنے وقت کا بہت ذہین شخص تھا۔ مرنے کے بعد اُس سے ملاقات ضرور کرنا تمہاری معلومات میں اضافہ ہوگا۔'' سجاد نے ہنسی کو بمشکل بریک لگاتے ہوئے جواب دیا اور ابوسلیمان نے برا سا منہ بنالیا۔

====OOO---=

صبیحہ نے ہوش میں آتے ہی واویلا مچانے کی بجائے خاموشی سے اردگرد کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ تہہ خانے میں کسی خفیہ کونے سے سورج کی کرنیں داخل ہو رہی تھیں اس لئے ہر چیز واضح نظر آرہی تھی۔ اُس کے دماغ پر کسی قسم کا بوجھ نہیں تھا وہ بہت مطمئن تھی لیکن اپنے بارے میں کوشش کے باوجود اسے کچھ بھی یاد نہیں آرہا تھا حتیٰ کہ وہ اپنا نام تک بھول چکی تھی۔

تھوڑی دیر بیٹھے رہنے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور مٹی کے اُس گھڑے کی طرف بڑھ گئی جس پر مٹی کا ایک پرانا گلاس اوندھا رکھا ہوا تھا۔ اُس نے گھڑے سے گلاس میں پانی انڈیلا اور پھر ایک ہی سانس میں گلاس خالی کردیا۔ دوسرا گلاس پینے کے بعد بھی جب اُس کی پیاس نہ بجھی تو اُس نے تیسرا گلاس بھر لیا اور آہستہ آہستہ پانی پینے لگی۔

پانی پینے کے بعد اُس نے دوبارہ گلاس کو گھڑے پر اوندھا رکھا اور اُٹھ کر تہہ خانے میں ٹہلنا شروع کردیا۔ ٹہلنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے متعلق بھی سوچتی جارہی تھی لیکن کوشش کے باوجود اسے کچھ بھی یاد نہیں آرہا تھا۔ خیالوں ہی خیالوں میں وہ اپنے آپ سے باتیں کررہی تھی۔''میں کون ہوں؟ میرا نام کیا ہے اور میں یہاں اس تہہ خانے میں کیوں بند ہوں؟ کیا کسی نے مجھے قید کررکھا ہے یا کوئی اور چکر ہے؟'' ایسے بے شمار سوالات اُس کے دماغ میں کسی کیڑے کی طرح کلبلا رہے تھے مگر اُن کا جواب اُس کے پاس نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ اُسے بھوک محسوس ہونے لگی لیکن اُس تہہ خانے میں کھانے کے لئے کچھ بھی موجود نہیں تھا۔

ایسی صورتحال میں وہ صبر کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ سب سے عجیب بات جو اُسے محسوس ہو رہی تھی وہ یہ تھی کہ اُس کے دل و دماغ میں کسی قسم کے خوف کا ہلکا سا شائبہ تک نہیں تھا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ ٹہلنے کے بعد وہ اکتا کر دوبارہ تہہ خانے کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گئی تاہم اُسے بھوک کے علاوہ نہ کوئی فکر تھی اور نہ غم۔ ابھی اُسے بیٹھے ہوئے چند لمحے ہی گزرے تھے کہ اُس کی سماعتوں سے تختہ کھسکنے کی آواز ٹکرائی اور وہ چونک کر تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

ایک ثانیے کے بعد اُس کے سامنے ایک حسین و جمیل دوشیزہ کھانے کی ٹرے لیے کھڑی تھی۔ ''لو کھانا کھا لو'' دوشیزہ نے اُس کے سامنے ٹرے رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا اور صبیحہ بغیر کچھ کہے میکانکی انداز میں کھانے پر ٹوٹ پڑی۔

''کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو تہہ خانے کا تختہ زور سے بجا دینا میں حاضر ہو جاؤں گی۔'' کھانا لانے والی حسینہ جو کہ نندنی تھی واپس پلٹتے ہوئے بولی اور صبیحہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نندنی صبیحہ کو کھانا پہنچا کر جب واپس اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو اُس کے چہرے پر فکر و پریشانی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اصل میں اُسے صبیحہ کے عجیب و غریب رویے نے چونکا دیا تھا۔ نہ اُس نے نندنی سے کوئی سوال کیا تھا، نہ روئی تھی نہ چلائی تھی بلکہ اُس کے چہرے پر کہیں خوف کے آثار تک نہیں تھے۔ حالانکہ صبیحہ جیسی لڑکی کو تو پھوٹ پڑنا چاہئے تھا۔

''تم کچھ فکر مند نظر آ رہی ہو؟ لڑکی ٹھیک ٹھاک تو ہے نا؟'' اجیت نے اُسے پریشان دیکھتے ہی سوالیہ انداز میں پوچھا۔

''لڑکی تو بالکل ٹھیک ہے لیکن '' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''لیکن کیا؟'' اجیت نے بے صبری سے استفسار کیا۔

''اُس کا رویہ کچھ عجیب سا ہے۔ حالانکہ اُسے بہت پریشان اور فکر مند ہونا چاہئے تھا جبکہ اِس کے برعکس وہ کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی ہے۔ اُس نے مجھ سے بات تک کرنا گوارا

نہیں کی ہے۔'' نندنی نے اُس کے سامنے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا۔

''اغوا کرتے وقت کہیں تم نے اُس کے سر وغیرہ پر چوٹ تو نہیں لگائی تھی کیونکہ جو حالت تم اُس کی بتا رہی ہو اُس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے جیسے اُس کی یادداشت کھو گئی ہو۔'' اجیت نے متفکر لہجے میں پوچھا اور نندنی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

اجیت بولا۔ ''اگر یہ بات بھی نہیں ہے تو پھر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''مجھے تو یہ لڑکی پاگل لگتی ہے۔'' نندنی نے زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔ ''کہیں عمل الٹا نہ ہو جائے۔ مجھے تو ڈر لگنے لگا ہے۔''

''دیکھو نرملا!'' اجیت ناصحانہ انداز میں بولا۔ ''تم اگر ابھی سے ہمت ہار بیٹھو گی تو آگے کیا ہوگا؟ ہو سکتا ہے وہ لڑکی معصومیت کا ڈھونگ رچا کر فرار ہونے کا منصوبہ بنا رہی ہو۔ ہمیں اُس پر کڑی نگاہ رکھنا پڑے گی۔''

''نہیں اجیت۔'' نندنی نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ''وہ لڑکی واقعی بہت معصوم ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ میں اپنی زندگی بچانے کی خاطر اُس کی بلی چڑھا دوں۔ تم ایسا کرو کہ اُسے آزاد کر دو۔''

''پاگل مت ہو نرملا!'' اجیت درشت لہجے میں بولا۔ ''تمہاری زندگی سے اُس لڑکی کی زندگی قیمتی تو نہیں ہے اور ویسے بھی وہ لڑکی مسلمان ہے تمہیں اُس پر رحم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آج سے میں اُس پر پہرہ دیا کروں گا۔ تم بے فکر ہو کر گھومو پھرو، دو ہی تو دن رہ گئے ہیں پورن ماشی کی رات آنے میں۔''

''ٹھیک ہے۔'' نندنی نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔ ''تمہاری اگر یہی مرضی ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''اچھا اب تم آرام کرو میں اُس لڑکی کو دیکھتا ہوں۔'' اجیت اُٹھتے ہوئے بولا۔

''ٹھیک ہے جاؤ مگر اُس لڑکی پر بری نظر مت ڈالنا پورن ماشی کی رات تک اُسے پوتر رہنا چاہئے۔ تم نے بھول کر بھی اُس کے شریر کو ہاتھ نہیں لگانا ورنہ میری ساری محنت اکارت چلی جائے گی۔'' نندنی نے اُسے سمجھاتے ہوئے جواب دیا اور وہ اثبات میں سر ہلاتے

ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اجیت جب تہہ خانے کی سیڑھیاں اُترتا ہوا نیچے پہنچا تو صبیحہ دیوار سے ٹیک لگائے اور ٹانگیں پسارے خلا میں گھور رہی تھی۔ تاہم اُس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ اُسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے وہ زیرِ لب کچھ پڑھ رہی ہو۔

''کیا حال ہے سندری؟'' اجیت نے اُس پر ایک بھرپور نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں بھائی جان! تم اپنی سناؤ کیسے بسر ہو رہی ہے؟'' صبیحہ نے جھٹ سے جواب دیا اور وہ حیرت زدہ ہو کر اُس کی شکل دیکھنے لگا۔

''کہیں تم پاگل تو نہیں ہو میں تمہارا بھائی کب سے ہو گیا ہوں؟'' اجیت ایکدم جھنجھلا اُٹھا۔ ''مجھے تو لگتا ہے تم پاگل پن کی اداکاری کر رہی ہو۔''

''بیوقوف نوجوان! ایک شہزادی کو پاگل کہہ کر تم اپنی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہو۔ میں ابا حضور سے کہہ کر تمہیں لال قلعے میں قید کروا دوں گی۔ فوراً معافی طلب کرو ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔'' صبیحہ نے بارعب لہجے میں جواب دیا اور اجیت بے اختیار ہنس پڑا۔

''برتن اُٹھاؤ اور فوراً دفع ہو جاؤ مجھے تمہارے دانت دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے سمجھے تم۔'' صبیحہ بدستور غصے میں بول رہی تھی لیکن اُس کی آواز مردوں کی طرح کرخت تھی۔

''ٹھیک ہے شہزادی صاحبہ۔'' اجیت برتن سمیٹتے ہوئے بولا۔ ''اور کوئی حکم ہو تو غلام حاضر ہے۔''

''ہاں ایک اور حکم بھی ہے شہزادی برجیس کو بھی بھیج دینا۔ میں نے اُس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔'' صبیحہ نے کرخت آواز میں جواب دیا اور اجیت برتن اُٹھا کر اُلجھے ہوئے انداز میں تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

اجیت کی پریشانی بجا تھی دراصل صبیحہ کے لہجے میں ابوسلیمان کا دوست جن باتیں کر رہا تھا۔ حتی المقدور وہ نسوانی آواز میں بولنے کی کوشش کر رہا تھا مگر شاید کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا۔

اجیت کے جانے کے بعد صبیحہ دوبارہ اُٹھ کر تہہ خانے میں ٹہلنے لگی۔ وہ ذہن پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اپنی کوشش میں مسلسل ناکام ہو رہی تھی۔ اُسے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ حتیٰ کہ چند لمحے پہلے اُس نے جو باتیں اجیت سے کی تھیں وہ بھی اُسے بھول گئی تھیں۔ اُس کے دماغ پر اگر ابوسلیمان کے دوست جن کا قبضہ نہ ہوتا تو شاید وہ دہشت کے مارے چلا رہی ہوتی یا پھر اب تک خودکشی کر چکی ہوتی۔ صبیحہ پر جس جن کا قبضہ تھا اُس کے ذریعے نندنی کی تمام کارروائی برابر ابوسلیمان تک پہنچ رہی تھی۔

ابوسلیمان نے اپنے دوست جن کو واشگاف الفاظ میں سمجھا دیا تھا کہ صبیحہ کی عزت پر آنچ نہیں آنا چاہئے ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔

ابوسلیمان کا ہی حکم تھا کہ اُس نے اجیت کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا ورنہ صبیحہ کو دیکھ کر اجیت کی نیت بہک بھی سکتی تھی۔

====OOO====

آخر کار ایک جان لیوا انتظار کے بعد پورن ماشی کی رات آ ہی گئی۔ ابوسلیمان سجاد، انسپکٹر عابدی، اشوک ملہوترا اور کاشف کو ساتھ لے کر رام مندر کی طرف روانہ ہو گیا۔ صبیحہ پر قابض جن کی طرف سے ابوسلیمان کو ایک ایک پل کی خبر مل رہی تھی۔ تا حال صبیحہ بالکل خیریت کے ساتھ تھی اور نندنی خونی غسل کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ اجیت اُس کا ساتھ دینے کے لئے مکمل طور پر تیار ہو چکا تھا۔

رام مندر جس ویران علاقے میں واقع تھا وہاں چھپنے کے لئے کافی جگہیں تھیں جن میں گھاٹیاں، جھاڑیاں اور درخت وغیرہ شامل تھے۔ ابوسلیمان نے اپنے تمام ساتھیوں کو محفوظ مقامات پر چھپا دیا تھا۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی سردی کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سوائے ابوسلیمان کے وہ تمام لوگ سردی میں ٹھٹھر رہے تھے لیکن نندنی کا انتظار اُن کے لئے ضروری تھا۔

آدھی رات کے قریب ابوسلیمان کو دُور سے تین انسانی ہیولے مندر کی طرف آتے دکھائی دیئے تو اُس کے اعصاب تن گئے۔ ''شاید نندنی آ رہی ہے۔'' اُس نے سرگوشی کے

انداز میں اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کرتے ہوئے کہا۔ ''تم لوگ تیار رہو لیکن ایک بات یاد رکھنا جب تک میں نہ کہوں کوئی حرکت نہیں کرنی۔ نندنی بہت چالاک جن زادی ہے۔ سارا مندر اُس کے بیروں کے گھیرے میں ہے مگر ہم لوگ اُن کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اِس وقت ہم سب مقدس حصار کے اندر ہیں اس لئے اُس کے بیر ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ ایک خون ریز لڑائی ضرور ہوگی۔''

''انشاء اللہ فتح ہماری ہی ہوگی۔'' سجاد نے دھیمی آواز میں جواب دیا اور ابوسلیمان اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

تینوں انسانی ہیولے عین مندر کے وسط میں پہنچ کر رک گئے۔ ابوسلیمان سمیت اُن سب کی نظریں اُن تینوں پر جمی ہوئی تھیں۔ پورن ماشی کے چاند کی دودھیا روشنی میں وہ تینوں بالکل واضح دکھائی دے رہے تھے۔ اُن میں ایک مرد تھا جبکہ باقی دو عورتیں تھیں۔ کچھ دیر کھڑے وہ باتیں کرتے رہے پھر اُن میں سے ایک عورت چاند کی طرف رُخ کر کے ساکن حالت میں کھڑی ہوگئی اور بقیہ دونوں ایک اونچی ٹیکری پر بیٹھ گئے۔

''یہ نندنی ہے۔'' کاشف سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ ''اب یہ عمل کے الفاظ دہرا رہی ہے اِس کے بعد یہ اپنا لباس اتارے گی اور صبیحہ کے خون سے غسل کرے گی۔''

''مجھے سب معلوم ہے تم خاموش رہو۔'' ابوسلیمان نے قدرے درشت لہجے میں کہا اور کاشف بُرا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

نندنی چاند پر نگاہیں جمائے زیرلب سمجھ میں نہ آنے والے الفاظ دھرا رہی تھی جبکہ اجیت صبیحہ کے ساتھ بیٹھا پُر ہوس نگاہوں سے اُس کے جسم کو دیکھ رہا تھا۔ آنے والے وقت کے تصور سے ہی اُس کا رواں رواں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں صبیحہ کا سوگوار حُسن بہت دلفریب لگ رہا تھا تاہم اجیت کو اُس کی مستقل خاموشی کھٹک رہی تھی۔ اجیت کے قریب بیٹھی وہ مسلسل خلا میں گھور رہی تھی۔

اُس کی خاموشی سے تنگ آ کر اجیت کا دل اُس پر جھپٹنے کو چاہ رہا تھا لیکن نندنی کی وجہ سے وہ مجبور تھا۔ صبیحہ کا پُر شباب بدن اُس پر قیامت ڈھا رہا تھا اور وہ اُسے زیر کرنے کے متعلق

سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد نندنی نے خود کو بے لباس کرنا شروع کر دیا۔ جب وہ مادرزاد برہنہ ہوگئی تو پلٹ کر اُن دونوں کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''صبیحہ!'' وہ بارعب آواز میں بولی۔ ''میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اپنا لباس اتار دو اور خود کو اجیت کے حوالے کر دو۔''

صبیحہ نے گھور کر اُس کی طرف دیکھا اور پھر کڑکتی ہوئی آواز میں بولی۔ ''میں تمہاری طرح بدکار اور فاحشہ نہیں ہوں۔ تمہیں اگر زندگی پیاری ہے تو بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ بے موت ماری جاؤ گی۔'' صبیحہ کے لہجے میں مردانہ گھن گرج تھی۔

ایک لمحے کے لئے تو نندنی ہکا بکا رہ گئی اُسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا تاہم دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل کر بولی۔ ''احمق لڑکی! تم میری غلام ہو۔ مردانہ آواز میں بول کر تم اپنی آقا کو بیوقوف بنا رہی ہو۔ لباس اتار دو ورنہ میں تمہیں زندہ جلا دوں گی۔''

''میں اللہ تعالیٰ کی غلام ہوں بدکار جن زادی! تمہاری بہتری اِسی میں ہے کہ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔'' صبیحہ نے نڈر انداز میں جواب دیا۔

نندنی طیش کے عالم میں اجیت سے مخاطب ہوئی۔ ''پکڑ لو اِس حرافہ کو اور اِس کی عزت کی دھجیاں اڑا دو تاکہ اِسے ہماری طاقت کا اندازہ ہو جائے۔''

نندنی کا حکم ملتے ہی اجیت صبیحہ پر جھپٹا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چیختا ہوا ٹیکری سے نیچے لڑھک گیا۔ صبیحہ نے اُسے ایسا زوردار ہاتھ جمایا تھا کہ وہ ہوش وخرد سے بیگانہ ہوگیا۔

اجیت کا حشر دیکھ کر اچانک نندنی کو خطرے کا احساس ہوا لیکن اب دیر ہو چکی تھی کیونکہ اِس دوران صبیحہ اُس پر چھلانگ لگا چکی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو سنگلاخ زمین پر رگید رہی تھیں۔ انہیں لڑتے ہوئے دیکھ کر ابوسلیمان اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

''صبیحہ کے روپ میں نندنی سے میرا دوست جبروت لڑ رہا ہے۔ ابھی یہاں گھمسان کی لڑائی ہونے والی ہے۔ تم لوگ یہیں بیٹھے رہو میں نہیں چاہتا کہ آتشی مخلوق کی اِس لڑائی میں تمہیں کوئی نقصان پہنچے تاہم میں جا رہا ہوں۔''

اتنا کہہ کر ابوسلیمان نندنی اور صبیحہ کی طرف دوڑ پڑا جو بدستور ایک دوسرے پر خونخوار

بلیوں کی طرح جھپٹ رہی تھیں۔

ابوسلیمان نے جاتے ہی سندلی کو بالوں سے پکڑ لیا اور صبیحہ اُٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''جبروت!'' ابوسلیمان نے صبیحہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''ابھی یہاں میدان کارزار گرم ہونے والا ہے تم نے اپنے لشکر کی کمان کرنی ہے۔ میں اسے قابو کرتا ہوں ورنہ یہ پھر ہاتھ سے نکل جائے گی۔''

صبیحہ بولی۔ ''بے فکر رہو مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔''

اسی اثناء میں پورا علاقہ چیخ و پکار اور تلواروں کی جھنکار سے گونج اُٹھا مگر عابدی اور اس کے ساتھیوں کو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ مسلمان اور کفار جنات کی یہ خون ریز جنگ دیکھنے سے وہ قاصر تھے تاہم چیخنے چلانے کی آوازیں واضح طور پر اُن کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

''کاش ہماری آنکھیں یہ لڑائی دیکھ سکتیں۔'' اچانک سجاد نے متاسف انداز میں کہا مگر اُسے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ ملا وہ تمام لوگ ابوسلیمان، سندلی اور صبیحہ کی جنگ دیکھنے میں منہمک تھے۔ صبیحہ کے ہاتھ میں لہراتی ہوئی تلوار انہیں صاف دکھائی دے رہی تھی اس کی تلوار کسی نادیدہ مخلوق پر بجلی کے مانند کوندرہی تھی جبکہ دوسری جانب ابوسلیمان اور سندلی کے درمیان ایک خوفناک جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔

پہلے تو سندلی نے اپنے کالے علم کے ذریعے ابوسلیمان پر یکے بعد دیگرے کئی وار کیے مگر جب اُس کے تمام وار خالی گئے تو وہ زخمی شیرنی کی طرح اُس پر جھپٹ پڑی۔ غراتے ہوئے اُس کے منہ سے بہت خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ دوسری طرف صبیحہ کی لڑائی نادیدہ مخلوق سے بڑے زور وشور سے جاری تھی گو کہ سجاد اور اُس کے ساتھیوں کو صرف صبیحہ دکھائی دے رہی تھی اور دوسرے تمام لڑائی میں حصہ لینے والے جنات اُن کی نگاہوں سے اوجھل تھے مگر اُن کے چیخنے چلانے کی آوازیں اُنہیں واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ یہ خوفناک رات اُن کی زندگی کی ناقابل فراموش رات تھی۔

صبیحہ کے ساتھی سفید لباسوں میں ملبوس تھے جبکہ اُن کے مخالف سیاہ لباسوں میں تھے۔ سفید پوش صبیحہ کی کمان میں کسی تربیت یافتہ فوج کی طرح لڑ رہے تھے اُن کی تلواریں چاند کی

روشنی میں چمک رہی تھیں اور اُن کا جوش وخروش قابل دید تھا۔

''شاباش میرے دوستو!'' صبیحہ کے منہ سے جبروت کی پُر جوش آواز برآمد ہوئی۔ ''ٹوٹ پڑو کفار کے اس لشکر پر اور پاؤں مضبوطی سے جمائے رکھو انشاء اللہ فتح ہماری ہی ہوگی۔ ابلیس کے یہ پیروکار حق کے علم برداروں سے نہیں جیت سکتے۔ مٹا دو انہیں۔ چودھویں کی یہ رات ان کے لئے اماوس کی رات بنادو۔'' صبیحہ کا یہ حکم سنتے ہی سفید پوش قہر خداوندی بن کر سندلی کے حامیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کی تلواریں سیاہ پوشوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹتی جارہی تھیں ایک گھنٹے کی اس خون ریز جنگ میں آخر کار جیت سفید پوشوں کی ہوئی۔ سندلی کے بیشتر حامی اس جنگ میں مارے جاچکے تھے تاہم کچھ فرار ہونے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے۔

اس دوران ابوسلیمان بھی سندلی کو زیر کر چکا تھا۔ وہ زخمی حالت میں ابوسلیمان کے قدموں میں پڑی دردناک لہجے میں کراہ رہی تھی اور ابوسلیمان نے رحم کی بھیک مانگ رہی تھی مگر ابوسلیمان اُس پر رحم کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا۔ سندلی جیسی ظالم، قاتل اور بدکار جن زادی اُس کی نگاہوں میں ذرا سے رحم کی بھی مستحق نہیں تھی۔

''تو کسی طرح بھی رحم کے قابل نہیں ہے بدکار جن زادی۔'' ابوسلیمان کے قریب کھڑی ہوئی صبیحہ نے اُس کی پسلیوں میں ایک زوردار ٹھوکر لگاتے ہوئے کہا اور سندلی کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ نکل گئی۔

''ابھی نہیں۔'' ابوسلیمان صبیحہ کو ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے بولا۔ ''ہمارے دوسرے ساتھیوں کو آ لینے دو پھر اس کے ساتھ بھی نمٹ لیں گے۔'' یہ کہہ کر ابوسلیمان نے سجاد اور اُس کے ساتھیوں کو آواز دے کر بلا لیا۔ وہ چاروں دوڑتے ہوئے ابوسلیمان کے نزدیک پہنچ کر رک گئے۔ ابوسلیمان نے انسپکٹر عابدی اور اشوک ملہوترا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''اسے دیکھو یہ سندلی ہے۔ اس نے اب تک جتنے بھی جرم کیے ہیں سب کا تم لوگوں کے سامنے اقرار کرے گی تاکہ تم لوگ عدالت کے سامنے سچائی بیان کرسکو۔ ورنہ اس ملک کا

اندھا قانون سارے جرائم کاشف کے سر تھوپ کر اسے تختۂ دار پر چڑھا دے گا۔'' یہ کہہ کر ابوسلیمان نندلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''چل بتا ان کو ساری کہانی ورنہ یہیں تمہیں جلا کر بھسم کر ڈالوں گا۔''

نندلی کی قوتِ مدافعت دم توڑ چکی تھی۔ ابوسلیمان اور سجاد کے روحانی علوم کے سامنے اُس کا سارا کالا علم دھرے کا دھرا رہ گیا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ جوابی کارروائی کے طور پر کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نادیدہ طاقت نے اُس کا سارا علم چھین لیا ہو۔ تب اُس نے پریشان نظروں سے ابوسلیمان کی طرف دیکھا اور پھر صبیحہ کے روپ میں کاشف کو بہکانے سے لے کر کامنی کے قتل تک کی ساری سرگزشت اُن لوگوں کے سامنے بیان کر دی۔

''بس یا کوئی اور جواب طلب بات باقی رہ گئی ہے؟'' نندلی کے خاموش ہوتے ہی ابوسلیمان نے اُن سب سے سوالیہ انداز میں پوچھا تو کاشف بولا۔

''صبیحہ کو کیسے معلوم ہوگا کہ میں بے گناہ ہوں کیونکہ وہ تو ابھی تک آپ کے دوست کے تابع ہے۔''

ابوسلیمان کی بجائے صبیحہ نے جواب دیا۔ ''تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے جبرت بھائی نے مجھے تھوڑی دیر پہلے ہی آزاد کر دیا تھا۔ میں نندلی کی ساری کہانی سن چکی ہوں لیکن تم بے گناہ کیسے ہو گئے ہو جبکہ کامنی کے قتل میں تم نندلی کے ساتھ شریک رہے ہو۔''

''تم ایک بات بھول رہی ہو میری بہن!'' ابوسلیمان کاشف کی طرفداری کرتے ہوئے بولا۔ ''یہ بھی تو سوچو کہ کاشف کو نندلی نے تمہارا روپ دھار کر بہکایا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ کاشف تمہیں واقعی چاہتا ہے۔ میری مانو تو اسے معاف کر دو کیونکہ خدا تعالیٰ نے بھی درگزر کرنے کو پسند فرمایا ہے۔''

صبیحہ بولی۔ ''وہ محبت نہیں بلکہ اس کی ہوس تھی۔ یہ مجھے ایک رات کے لئے خریدنا چاہتا تھا۔ اب آپ ہی بتائیں میں اسے کیسے معاف کر دوں؟''

''وہ گزری باتیں ہیں۔'' کاشف نے کہا۔ ''لیکن اب خدا جانتا ہے کہ میں تم سے سخت نادم ہوں، بے شک تم سجاد اور انسپکٹر عابدی سے پوچھ سکتی ہو۔ میں گزشتہ کئی روز سے پچھتا رہا تھا اور تم سے اپنی زیادتیوں کی معافی مانگنا چاہتا تھا لیکن نندلی کے خوف کی وجہ سے تمہارے گھر تک نہیں آ رہا تھا۔''

''بے شک یہ سچ بول رہا ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔'' کاشف کے خاموش ہوتے ہی سجاد نے کہا۔

''اگر تم سب کی یہی خواہش ہے تو میں اسے معاف کر دیتی ہوں۔'' صبیحہ نے آخر کار ہار مانتے ہوئے جواب دیا اور کاشف کے سر سے منوں بوجھ اتر گیا۔ وہ صبیحہ کی طرف تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

ابوسلیمان نے کہا۔ ''چلو ان دونوں کی بھی صلح ہو گئی ہے اب یہ بتاؤ کہ اس نندلی کا کیا کیا جائے؟''

''یہ نہ صرف قانون کی مجرم ہے بلکہ کاشف کی بھی مجرم ہے لہٰذا اس کا فیصلہ ہم کاشف اور صبیحہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ جو بھی چاہیں اس کے ساتھ'' انسپکٹر عابدی کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ اچانک رات کا سکوت نندلی کی کربناک چیخوں سے مجروح ہو کر رہ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس کا جسم آگ کے شعلوں میں گھر چکا تھا۔ گوشت کے جلنے کی سڑاند سے اُن سب کا وہاں کھڑے رہنا دشوار ہو گیا تھا۔ وہ سب بھاگتے ہوئے رام مندر کے احاطے سے باہر نکل گئے۔ اُن کے عقب میں فلک شگاف چیخوں کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ پھر ایک دھماکے سے رام مندر کی ٹوٹی پھوٹی عمارت زمین بوس ہو گئی۔ فضا میں گرد و غبار اور دھوئیں کے بادل اُٹھ رہے تھے۔ چودھویں کے چاند کی روشنی میں یہ سارا منظر انہیں واضح طور پر دکھائی دے رہا تھا۔

وہ سب مندر سے کافی فاصلے پر کھڑے حیرت زدہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ابوسلیمان نے اُن کی پریشانی کا سبب بھانپتے ہوئے کہا۔ ''حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ سب کچھ پجاری شمبھوناتھ کی بھٹکتی ہوئی آتما نے کیا ہے۔ اس نے مر کر

بھی زندگی سے اپنی موت کا بدلہ لے لیا ہے۔"

"خس کم جہاں پاک۔" سجاد پُر اطمینان لہجے میں بولا۔ "چلئے اب یہاں کچھ نہیں رہا۔ چل کر آرام کرتے ہیں۔"

سجاد کی بات سن کر وہ سب خاموشی کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ زندگی میں پہلی بار کاشف خود کو ہلکا پھلکا اور خوش و خرم محسوس کر رہا تھا۔

====OOO====

ایک ہفتے کے بعد جب کاشف کو عدالت کے سامنے پیش کیا گیا تو انسپکٹر عابدی کا بیان سن کر جج سمیت تمام لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ کوئی بھی اُس کی بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہو رہا تھا۔ تب مجبوراً ابوسلیمان کو عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔

ابوسلیمان نے جج کے سامنے مختلف روپ دھارے اور اُسے غائب ہو کر بھی دکھایا۔ یوں جج کو نہ چاہتے ہوئے بھی کاشف کو باعزت بری کرنا پڑا۔

دوسری طرف صبیحہ جب چند روز غائب رہنے کے بعد گھر پہنچی تو اُس کی پھوپھی نے دوبارہ طوفان کھڑا کر دیا۔

"رضوان میاں!" اُس نے صبیحہ کے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری بیٹی کے لچھن ٹھیک نہیں ہیں۔ اِسے موج میلا کرنے کا بہت شوق ہے۔ ان چار دنوں کے اندر نہ جانے کس کس کے ساتھ منہ کالا کرتی رہی ہوگی۔ مجھے اپنے دانیال کے لئے ایک نیک سیرت اور پاکباز بیوی کی ضرورت ہے نہ کہ ایک فاحشہ۔"

"بڈھی کھوسٹ!" اچانک صبیحہ کی زبانی جبروت اُس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "تمہیں اپنی بھتیجی پر الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گی۔ میں تمہارے بیٹے کی منحوس شکل دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔"

"ہاں ہاں میں جانتی ہوں۔" پھوپھی ہاتھ نچاتے ہوئے بولی۔ "غیر مردوں کی صحبت میں رہ کر اب تمہیں مردانہ انداز میں بولنا بھی آ گیا ہے۔ تم سے زیادہ"

معاً صبیحہ کا ہاتھ گھوما اور پھوپھی لٹو کی طرح گھومتی ہوئی پشت کے بل پختہ فرش پر گر

پڑی۔ اُسے آخری الفاظ ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ اب وہ پُر درد انداز میں کراہنے کے ساتھ ساتھ خوفزدہ نظروں سے صبیحہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

صبیحہ دوبارہ جبروت کے لہجے میں گرج کر بولی۔ "ایک منٹ میں اس گھر کی دہلیز پار کر جاؤ ورنہ تمہیں زمین میں زندہ گاڑ دوں گی۔"

ویسے بھی صبیحہ کے بھرپور تھپڑ نے اُس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ رہی سہی کسر صبیحہ کے مردانہ لہجے نے پوری کر دی تھی۔ وہ فوراً فرش سے اُٹھی اور عجلت میں کمرے کا دروازہ پار کر گئی۔ اُس کی زبان پر ایک ہی ورد جاری تھا۔ "رضوان کی لڑکی پر آسیب کا سایہ ہے۔ رضوان کی لڑکی پر آسیب کا سایہ ہے۔"

رضوان احمد کے گھر کے کمرے سے لے کر اپنے گھر میں داخل ہونے تک اُس کی زبان سے یہی ایک جملہ برآمد ہوتا رہا۔ گھر پہنچتے ہی وہ دہشت کے مارے بے ہوش ہو گئی تھی۔

"صب ... صبیحہ بیٹی! یہ تم بول کس طرح رہی ہو؟ خدا نہ کرے کہیں سچ مچ تم پر کسی آسیب کا سایہ تو نہیں پڑ گیا ہے؟" اپنی بہن کے دفع ہوتے ہی رضوان احمد نے سہمے ہوئے انداز میں بیٹی سے سوال کیا اور صبیحہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

"نہیں بابا جان! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ اصل بات گول کرتے ہوئے بولی۔ "میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ پھوپھی جیسی عورت کو سبق سکھانے کے لئے یہ ڈرامہ ضروری تھا ورنہ وہ گلی گلی مجھے بدنام کرتی پھرتی۔"

رضوان احمد کا شک ایک لمحے میں دور ہو گیا کیونکہ صبیحہ نے اب اپنی اصل آواز میں جواب دیا تھا جبکہ جبروت صبیحہ کے ساتھ کھڑا مسکراتی ہوئی نگاہوں سے رضوان احمد کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ اس کی موجودگی سے لاعلم تھا البتہ صبیحہ کو صاف دکھائی دے رہا تھا۔

اس کے بعد کی کہانی زیادہ طویل نہیں ہے ابوسلیمان اور جبروت کے زور دینے کے بعد صبیحہ کاشف سے شادی کرنے کے لئے تیار ہو گئی تھی۔ پھر ایک دن کاشف اپنے والدین کے ساتھ صبیحہ کے گھر پہنچ گیا۔ سیٹھ طارق جمیل نے بغیر کسی لگی لپٹی کے رضوان احمد سے کاشف کے لئے صبیحہ کا ہاتھ مانگ لیا۔

رضوان احمد پہلے تو اتنے بڑے اور مشہور و معروف شخص کو اپنے گھر میں دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا مگر جب اُسے اُن کی آمد کا مقصد معلوم ہوا تو اُس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور اُس نے فوراً رشتے کے لئے ہاں کر دی۔ اس کے بعد چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا تھا۔ ابوسلیمان اور جبروت بھی انسانی شکل میں اُن کی شادی کی تقریب میں شریک ہوئے تھے۔ صبیحہ اور کاشف کی شادی جس دھوم دھام سے ہوئی تھی وہ بیان کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔

رات کے وقت جب کاشف حجلۂ عروسی میں داخل ہوا تو وہاں صبیحہ کے ساتھ ایک اجنبی مرد کو بیٹھے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"زیادہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر کاشف! میں جبروت ہوں۔ صورت کی تبدیلی دیکھ کر کسی شک کا اظہار نہ کرنا اور ہاں ایک بات اور یہ کبھی مت بھولنا کہ صبیحہ کا کوئی بھائی نہیں ہے۔ تم نے اگر زندگی کے کسی موڑ پر میری بہن کے ساتھ زیادتی کی تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ سندلی کی طرح کی کوئی اور جن زادی بھی میں تمہارے پیچھے لگا سکتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر جبروت اچانک غائب ہو گیا اور صبیحہ شرمانے کی بجائے قہقہہ لگا کر کاشف کی حالت پر ہنس پڑی جو ہونقوں کی طرح صبیحہ کی شکل دیکھ رہا تھا۔

====OOO==== ختم شد ====OOO====